شاطب

Price Rs. 6-00

ماہنامہ

نگارِ ادب

[illegible]

جلد (۸) شمارہ (۱۱) [illegible]

[illegible]

محمد قمر الدین صابری   رشید الدین   محمد نہال [illegible]

[illegible]

مجلسِ مشاورت

محمود مالک بیگم • ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن خان شفا • [illegible]

• ڈاکٹر یوسف الدین • یوسف ناظم • [illegible]

• مومن خان شوق • پروفیسر تراب علی • [illegible]

زرِ تعاون

[illegible]

سلطان شاہد محی الدین

وقت کی آواز
احیائے خلافت

نر کا ایک عبرتناک واقعہ ایک منکر خدا طاقت ... (COMMUNISM)
(POWER) کا منحوس ہستی سے مٹ جانا ہے اور اس کا شرمناک ردعمل مذہب بیزار
قوتوں کا شکست پانا۔ ان دونوں طاقتوں کے لیے اگر کوئی طرز حیات اور فلسفۂ زندگی
چیلنج رہا ہے تو وہ اسلام کا عقیدہ اور طرز زندگی ہے جس میں رہبانیت کی کوئی
گنجائش ہے نہ مادہ پرستی کی کوئی جگہ ہے آج اگرچہ ایک اسلامی طرز حیات اور
معاشرت کی سادگی بھی ایک خواب معلوم ہوتی ہے لیکن زندگی کے حقائق پر
مبنی صحیح امید کا یہ سہانا خواب ساحرانہ طاقتوں کی نیند اڑا رہا ہے وہ خوفزدہ
ہیں کہ یہ خواب کہیں پھر شرمندۂ تعبیر نہ ہو جائے' حق کی عظمت میں باطل کی ذلت
پوشیدہ ہے [illegible]
[illegible]

[illegible]

وہ طرزِ حکومت جو اسلام چودہ سو برس پہلے عہد میں اہلِ تصوف کو دعوت دیتا رہا ہے ہندوستان کی آزادی سے پہلے ایک غیر مسلم قائد کہا تھا "میں اس ملک میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے طرزِ حکومت کو رائج کرنا چاہتا ہوں" اور آج سب سے بڑی سیاسی [illegible] سے ماقبل شخصیت یہ اعلان کرتی ہے کہ "کالوں اور گوروں میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیئے" لیکن عدم امتیاز رنگ و نسل جو حاضر کی [illegible] ہے [illegible] دنیا کے لیے مساوات انسانی [illegible] عدل اور احسان [illegible] عربی نے پیش کیا تھا نہ صرف پیش کیا بلکہ آپ نے اور آپ کے خلفائے راشدین نے تیس سال کی قلیل مدت میں اسے عملی جامہ پہنا دیا تھا ایک ایسی فلاحی مملکت وجود میں لائی جہاں گورے کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل تھی نہ کسی کو حسب نسب کی [illegible] انعام دیا جاتا تھا۔

جہاں دولت و ثروت سے انصاف خریدنے کی جسارت ممکن نہ تھی بلکہ عدل احسان تقوئے قلب کی قدر ہی ان کی عظمت و برتری کا معیار تھی۔ آج دنیا کو پھر ضرورت اس تصورِ حیات کی اس نظریہ کی ہے کہ

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا

وہی جام گردش میں لا ساقیا

کشمکشِ حیات جد و جہد [illegible] کا نام ہے، اور حق کی [illegible] میں باطل کا شیوہ رہا ہے باطل کو شکست رہا ہی، اغراض کی غلامی [illegible] اور [illegible] ہے، حق پرستوں کی [illegible]

[illegible] ہندوستان [illegible] ایک [illegible]

ہر باب شاہد ہیکہ باطل بڑے زور و شور سے ابھرتا ہے لیکن آخری فتح حق کا مقدس مقابلے کی اس دنیا میں سب سے اہم چیز حکمت اور تدبر ہے جسکے بغیر جنگ طاقت کو ضائع کرتا ہے اور امن ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

[illegible] کے [illegible] آج کی سب سے بڑی حکمت ہے طاقت کو مرکوز کر دینا ایک مرکز بنا [illegible] جو احیائے خلافت کے بغیر ممکن نہیں۔ احیائے خلافت آج کی سب سے بڑی حکمت اور دانشمندی بھی ہے سیاسی بصیرت اور ملی ضرورت یہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے جسکی تکمیل ہمارے دین و دنیا کی بھلائی کی ضامن ہے۔ آج دنیا میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمان جذبۂ اطاعت امیر کو بروئے کار لائیں اور ملت اسلامیہ کا امیر المومنین ہو جائے تو خدائے عظیم و حکیم کے جلال و جمال کی قسم! ملت اسلامیہ کو کمال کی چوٹی پر فائز کر دینے والا وہ خواب ضرور شرمندہ تعبیر ہو گا جس کا سلسلہ خلافت راشدہ سے ملتا ہے پھر عالم اسلام کی سرخروئی و سربلندی کا خیال محض ایک خیال نہ ہو گا بلکہ ایک حقیقت بن جائے گا ناقابل فراموش حقیقت!

جناب سید حامد
صدر کل ہند انجمن ترقی اردو، نئی دہلی

ایودھیا کے بعد

بابری مسجد شہید ہوئی مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے، پیروں تلے سے زمین نکل گئی، [illegible] کہنے لگے ہم آپ کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے مسلمان سرنگوں ہیں ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اب سر اٹھا کر کیسے چلیں، گر وہ خدا کے گھر کی حفاظت نہ کر سکے وہ نامراد اب کیسے جئیں گے۔ ان کے سینے کھوکھلے ہو گئے، جن سے رہا نہ گیا وہ کفن باندھ کر سڑکوں پر آ گئے اور نہ معلوم کتنوں نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی جن میں نکلنے کا یارا نہ تھا وہ کڑھ رہے ہیں سلگ رہے ہیں خون کے آنسو رو رہے ہیں مسجد کو روئیں کہ شہیدوں کو؟ یہ دونوں ہی ہو سکے۔

"حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں"

[illegible] مسلمان [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] یہ شکست مسلمانوں کی ان کے مذہب کی شکست نہیں [illegible] شکست [illegible] کی شکست ہے جمہوریت اور سیکولرازم، شرافت اور انصاف کی شکست [illegible] دنیا ہندو پرستی اور آر ایس ایس کا ہندوستان [illegible] سیاسی پارٹیوں کو دیکھیے تو بی جے پی کے علاوہ سیاسی پارٹیاں کل کے اپنا [illegible] اقلیت کا ساتھ دینے پر تلی ہوئی ہیں انہیں فکر ہے کہیں ہندوستان [illegible] قدروں کو ترک نہ کر دے، یہاں دھرم [illegible] کا بول بالا نہ ہو جائے یہاں [illegible]

ذاتی حیثیت سے زخم خوردہ مسلمان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کہیں بی جے پی کو چھوڑ کر سارا ہندوستان
ان کا ہمدرد اور غمگسار ہے اور یہ کوئی چھوٹی بات نہیں۔ لیکن وہ ایک بات بھول رہے ہیں کہ
بی جے پی کے پاس کیڈر ہے منصوبہ ہے پروگرام ہے اور یہ جذبہ ہے کہ سارے ہندوستان
کو ہندو رنگ میں رنگ دیا جائے اور جو یہ رنگ قبول کرنے سے انکار کرے اسے
نکال باہر کیا جائے اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ آر ایس ایس اور بی جے پی کا اثر شہروں تک
محدود ہے اور دیہات انتہا پسندی کے زہر سے پاک ہے یہ زہر تو ہندوستان بھر میں پھیل گیا
ہے۔ ایک بڑی کثیر تعداد کی رگ جاں میں پیوست ہو گیا ہے اکثریت کے بیشتر آزاد چاہے
وہ شہر میں رہتے ہوں چاہے دیہات میں وہی سوچتے ہیں جو بی جے پی چاہتی ہے۔
باباؤں نے اور سادھوں نے پورے ملک کی فضا کو مسموم کر دیا ہے۔ راجستھان اور جنوبی
ہند کی ریاستیں فرقہ پرستی سے پاک تھیں آر ایس ایس کی کوششوں کی بدولت اکثریتی فرقہ
پرستی کا چلن وہاں بھی ہو گیا ہے دوسری سیاسی پارٹیوں نے جہاں تک تنظیم توسیع اور
تبلیغ کا تعلق ہے بی جے پی کو ایک عرصے سے واک اوور دے رکھا ہے مسلمانوں کو
دوسری پارٹیوں کے مثبت رد عمل کی پذیرائی ضرور کرنی چاہیے۔ ساری پارٹیاں سالوں سے
یہ دیکھتی رہیں کہ بی جے پی اور اس کی ہمرنگ جماعتیں دوستی کو پیپا اور ذہنوں کو مسموم
کر رہی ہیں سناتنوں 'باباؤں' تحریروں تقریروں اور کیسٹوں کے ذریعہ مسلمان بھی دیکھ
رہے تھے لیکن ان سیاسی پارٹیوں نے نہ خود مسلمانوں کے ہندو انتہا پسندی کی روک تھام
کا سامان کیا اور نہ ہی زہر پروپیگنڈے اور نفرت بھرے دروغ کا جواب دیتے اس کا ازالہ
کرنے کی کوشش بھی کسی نے نہیں کی جمہوریت آزادی رائے سیکولرازم رواداری اور احترام
عقیدہ و مذہب کے خلاف ہندو عوام کی عدالت میں فیصلہ یکطرفہ کر دیا گیا۔ بنی نوع انسان
نے [illegible] اور جمہوریت نے [illegible] کا [illegible] کے نام کی
[illegible]

آلٹ جا شیلا نیاس یعنی بظاہر رام مندر کی تعمیر کے لیے ہندوستان بھر سے پوجا ہوئی اینٹوں کو ایودھیا میں جمع کیا گیا۔ ساری تیاریاں بابری مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجانے اور اسے منہدم کرنے کے لیے تھیں کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ بی جے پی کے ارادہ اور منصوبے کے خلاف اچانک عمل میں آگیا؟ دیکھیے شری کلیان سنگھ نے فوراً استعفیٰ دے دیا اور بی جے پی کے سب سے بڑے رہنما شری لال کرشن اڈوانی ایوان میں حزب مخالف کی لیڈری سے مستعفی ہو گئے، سوچیے ان دکھاوٹی استعفوں کی اہمیت ہی کیا ہے یہ تو سارا انجام دیکھنے کے بعد کر کھول دینے کا انداز ہے۔ اخبارات گئے دور درشن میں اس مسئلہ پر گفتگو کے دوران ڈاکٹر ہیپ سنگھ نے جو ہندی کے ایک ممتاز مصنف اور ممبر یا پینل کے ایک دوسرے رکن سے کہا کہ "اب پچھتاوے اور پشیمانی کی حکایت کو زیادہ نہ بڑھایا جائے" اگر یہ صاحبان واقعی پشیمان ہیں تو انہیں اجتماعی طور پر اس کا اظہار کرنا چاہیے اور مسلمانوں سے معافی مانگنی چاہیے آپریشن بلیو اسٹار کے بعد اگر سکھوں سے معافی مانگ لی جاتی ہے تو پنجاب کی کیفیت آج بالکل مختلف ہوتی بی جے پی کی متعلق قیادت مسجد کو اسی جگہ پر بنانے کی ذمہ داری کیوں نہیں لیتی" ڈاکٹر ہیپ سنگھ کی بات سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ ہندوستان میں اقلیتیں خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی ہیں باوجود اس کے کہ یہ گوتم بدھ اور گاندھی کا ملک ہے اور ہمسایہ ہیاں کی پرپرلیے ہندوؤں کو اور ارباب اقتدار کو ٹھنڈے دل کے ساتھ اس صورتحال پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اپنی پیٹھ ہم ہندوستانی ایک عرصہ سے ٹھونکتے چلے آئے ہیں اب وقت آگیا ہے کہ گریبان میں منہ ڈالیے اور دلوں کو ٹٹولنے کا رواداری کی روایت سا ذکر کر کے (جو اب متروک ہو چکی ہے) ہم خود کو دھوکہ دے سکتے ہیں دوسروں کو مطمئن نہیں کر سکتے ان کی نگاہ میں تو یہ تو تھوڑا پر نمک پاشی کا [illegible] ہندوؤں کی انتہا پسند جماعتوں کے بعد اس شرمناک حادثہ اس ناگستنی فعل کا ذمہ داری [illegible] سرکار پر بھی جاتی ہے۔ اپنے ارد گرد نظر ڈالیے جو شخص فیصلہ نہ کر سکے [illegible]

کیا سماج میں اس کی کوئی ساکھ بن جاتی ہے؟ جو لوگ ایسے ڈھول پیٹ کر خود اور
بے پڑھا سمجھتے ہیں خواہ ایسا شخص کتنا ہی عالم فاضل دانشور ہو کوئی اسے گردانتا ہی
نہیں نہ کسی اجتماعی کام میں اسے شریک کرتا ہے جب افراد کا یہ حال ہو تو کیا ایسی حکومت
کی ذرہ برابر بھی ساکھ ہوگی جو ٹال مٹول کرتی رہے فیصلے سے جی چرائے اور یہ سوچا کرے
کہ وقت خود مسائل کو حل کر دے گا۔ ایودھیا کے سلسلے میں ہماری حکومت نے یہی کیا۔ شخصی اور
اجتماعی مذاکرات کا جال بچھا دیا گیا گویا مذاکرات سے لوگ تھک جائیں گے تو اپنے
موقف میں نرمی لے آئیں گے یا اسے سرے سے ترک ہی کر دیں گے اس طرح مسئلہ
حل ہو جائے گا۔ ہمارے ارباب اختیار کو یہ چھوٹی سی بات ہی نہیں معلوم کہ مشکل سے مشکل فیصلوں
اور جرأتمندانہ اقدامات اور دلیرانہ قیادت سے چلا کرتی ہیں التوا اور معاملات کو کھٹائی
میں ڈالنے سے نہیں چلتیں ہندوستان جیسا عظیم اور وسیع اور گوناگوں اور پیچیدہ ملک
تقاضہ کرتا ہے ایک بلاتی ذہن اور ایک جرأت پیشہ دل اور ایک پیشرفت آمادہ نقطہ نظر
سا۔ کمزور سوار کو پہچانتا ہے۔ گھوڑے نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سوار میں کتنا دم ہے۔ اس
کے گھٹنوں میں کتنی گرفت ہے۔ چنانچہ اولین فرصت میں اس نے اسے نیچے پٹکا اور
اس کے ماتھے پر ناتوانی اور بے عملی کا کلنک لگا دیا۔ ہمارے اکابرین اور دانشور
مشورہ دینے کے بجائے یا تو تھے اور حکمت عملی کے تعلق سے پوچھ کر چلے آتے تھے ایسا لگتا تھا
کہ ابھی تک ہم بادشاہوں اور مہاراجاؤں کے دور میں ہیں اور اس ملک کو جمہوریت
کی ہوا بھی نہیں لگی۔ خود ستائشی سنتا ہیں جہاں عقل ہے وہاں بھی لوگ مصلحت کا رخ
دیکھتے ہیں اور اختلاف رائے کو تعبیر بغاوت کی جاتی ہے جہاں مسئلے کے
بیشتر [illegible] پہلو سے چہرہ اٹھا کر بات کرنے [illegible] اور اس
[illegible] ساتھ
[illegible]

"شاداب"

۵

ایودھیا کانڈ میں جو بیانات نکلے ان میں سب سے درد بھرا بیان صدر جمہوریہ کا تھا سیاسی اختلافات اور سیاسی مصالح سے بالاتر، لگتا تھا کہ دل پر چوٹ لگی ہے پر الفاظ میں درد کی کراہ تھی، اتفاق ہے کہ دوسرا قابل ذکر و احترام بیان نائب صدر جمہوریہ کا تھا جو انھوں نے راجیہ سبھا میں دیا انھوں نے کہا کہ آزادی کے بعد ملک میں دو بڑے سانحے ہوئے ایک گاندھی جی کی شہادت دوسرا بابری مسجد کا شہید ہونا۔ گاندھی جی کی شہادت نے نفرت اور ظلمت کی امڈتی ہوئی فوجوں کو شکست دے کر پیچھے ڈھکیل دیا تھا کیا بابری مسجد کی شہادت کا بھی کچھ ایسا ہی اثر ہوگا۔ رجائیت کہتی ہے ہاں قنوطیت کہتی ہے نہیں، سوال یہ ہے کہ پشیمانی پوری قوم کو ہے یا چند لیڈروں اور دانشوروں کو فتح اور خوشی کے جشن تو کئی جگہ منائے گئے قیاس یہ کہتا ہے کہ جن شہروں میں رد عمل نے ہنسا کی شکل اختیار وہاں اس کا نقطۂ آغاز فاتحانہ طنز رہا ہوگا لیکن قیاس بھی کیوں کیا جائے یہ بات کم دکھ کی نہیں ہے کہ ایک دن کے اندر مختلف شہروں میں کم سے کم دو سو انسان خاک و خون میں تڑپتے نظر آرہے ہیں ان کے گھروں میں ماتم کی صفیں بچھی ہوئی ہیں یہ لوگ خاندانوں کے سربراہ تھے یا ان کو چشم و چراغ ان کے گھر اجڑ گئے بے چراغ ہو گئے۔ نفرت اور عداوت کا جو بیج ویشو ہندو پریشد اور آر ایس ایس نے بویا تھا اس کی فصل ہم سب کاٹ رہے ہیں اور نہ جانے کب تک کاٹتے رہیں گے۔

صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ ابھی دور درشن نے بتایا کہ حکومت نے بہت سے توبہ کر لی اور اہم فیصلے کر لیے مسجد اسی جگہ پر پھر بنائی جائے گی مجرموں کو سزا ملے گی فرقہ پرست پارٹیوں پر قدغن لگے گا مندر کی تعمیر کے بارے میں فیصلہ جلد کیا جائیگا دیکھنا یہ ہے کہ نفاذ کتنی جلد اور کس طرح ہوتا ہے

یہ وقت تمہید ہی تمہید تھی بات جو کہنے کی تھی وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس بڑے سانحہ سے عبرت کے تازیانے کا کام لیں اس موقع پر بلکہ گذشتہ دیڑھ دو سال سے ان کی قیادت نے ہوش و گوش اور صبر و ضبط سے کام لیا ہے لیکن کچھ کر کے اب بھی نہیں دکھایا جب تک کہ وہ شہر شہر جا کر مسلمانوں کو تعلیم و ضبط کا سبق نہیں دیتی انہیں یہ نہیں سمجھاتی کہ اچانک مشتعل ہو جانے سے کام نہیں چلتا نقصان ہی نقصان ہوتا ہے۔ ہمیں تعمیر اور تنظیم ہی کے لیے خود کو وقف کر دینا چاہیے تعلیم کی طرف سے جو غفلت ہم نے برتی ہے وہ ہمیں بہت مہنگی پڑی ہے جب تک ہماری قیادت مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھاتی کہ ان کی بقا بیک وقت مقابلہ اور تعاون خود نگہداری اور خوش ہمسائگی میں ہے وہ اپنے فرض کو انجام دے گی ہمیں ہندوستان کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز کرنا ہے شکوے شکایت بہت ہو چکے شکوہ کوئی بنتا نہیں ہمیں بقائے باہم کے انداز سیکھنے چاہئیں اور یہ بات منوا لینی چاہیے کہ "ملک کی پیشرفت اور فلاح میں ہم بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ ہندوستان کی چھاتی پر بوجھ بن کر رہنا نہیں چاہتے ہم اس کے دست و بازو ہیں ہم سے ہندوستان کی طاقت ہے ہندوستان کے لیے ہم سرمایۂ عبرت ہیں ہندوستان ہم سے دس تفخر اخذ کرتا ہے اس کی اقدار کو ہم نے استوار کیا ہے۔ ہماری نگاہ ملک کے ماضی پر نہیں اس کے مستقبل پر ہے ہم ترقی کی شاہراہ پر اہلِ وطن کے ساتھ شانہ بشانہ چل رہے ہیں یہاں کی خوشحالی اور خوش اندیشی میں ہمارا حصہ ہے یہ ساری باتیں جب تک عمل سے ثابت نہ کر دیں اور اہل وطن سے چند باتیں [illegible] منوا نہ لیں چین سے نہ بیٹھیں۔ ہمیں اپنے اہل وطن کے ساتھ بیٹھ کر بہت سی باتوں کی وضاحت بہت سے شبہات کا ازالہ کرنا چاہیے [illegible] کیا توقع رکھتی ہے ہمارا فرض [illegible] کا یہ فرض ہو گیا

تفرقوں کے جھگڑوں کو چھوڑ کر اب ہمیں دوسروں کے ساتھ مل کر ایک روشن مستقبل کی تشکیل کرنی چاہیئے خود ہمارے اندر کیا کمیاں کیا کمزوریاں اور وطن اور اہل وطن کے تئیں کیا ذمہ داریاں ہیں ہمیں ان کا احتساب کرنا ہوگا انہیں تسلیم کرنا ہوگا تاکہ ہم اپنے نقطۂ نظر اور رویہ کو نئے خوابوں اور نئے مشترک عزائم کے سانچے میں ڈھال سکیں ایودھیا کے بہت بڑے سانحہ نے ملک کو ہلا ڈالا ہے یہ ہمارے ہوش و حواس پر منحصر ہے کہ ہم اس بدصورت تخریب سے ایک بڑی تعمیر کا سر و سامان کر سکیں۔ پہلا قدم قربانی ہوگا مل کر بیٹھنا، ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنا، اس کی رعایت کرنا باہمی داد و ستد ایک قابل عمل رابطہ۔ رشتہ اور ہمکاری کو وجود میں لانا، ہمیں اپنی سمت نظر میں انقلاب آفریں تبدیلی کرنی چاہیئے مسلمان بچوں کو نئے ڈھنگ سے اٹھانا چاہیئے انہیں مذہب، انسانیت، اور وطن دوستی اور مسؤلیت کے سبق پڑھانے چاہئیں بزور جتن کر کے انہیں جہالت سے چھٹکارا دلانا سب سے زیادہ ضروری ہے ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے جمہوریت کی بنیاد انصاف پر رکھی جاتی ہے ہم سب کو ساری عقلی اور قانونی موشگافیوں سے اوپر اٹھ کر اپنی صورت حال اپنی کیفیت پر نظر ثانی کرنی چاہیئے کیا ہم گزشتہ ۴۵ سال کی مدت میں ایک منصفانہ اور مساوات پر مبنی سماج کو وجود میں لا سکے، اگر نہیں تو کیوں؟ کیا ہمارے یہاں اونچی ذاتوں کا تسلط ہنوز قائم ہے کیا آئین کا منشا اور حکومت کی نیت کے خلاف اب کہیں ملازمین حکومت کی بے مہری کا شکار ہو جاتی ہیں کیا اس کا کوئی علاج نہیں کیا وہ خلیج جو سرکار کے قول و فعل کے درمیان [illegible] نمایاں ہوتی ہے اسی طرح چوڑی ہوتی چلی جائے گی کیا یہ بات قرین انصاف ہے کہ ترقی یافتہ اور پسماندوں کو مقابلے کے میدان میں ایک ساتھ کھڑا کر دیا جائے۔ سرکار اور لوگوں کی حرکت تسلسل اور ان کی پیش رفت [illegible] پسماندوں سے اور زیادہ آگے کر دے گی یہ سب کچھ کر کے ملک کا [illegible] کے مقابلے کی آزادی اور روزگار کے مواقع پر [illegible]

ایسا معاشرہ جو انصاف پر مبنی نہیں انصاف دشمنی پیدا کرتا ہے [illegible]
منڈل کمیشن کی سفارشات منظور کی گئیں تو کئی پسماندہ طبقوں کے لیے [illegible]
کو ایک ہنگامہ اور توڑ پھوڑ کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ مسلمان پیچھے رہ گئے اپنے حق کے
انتظام میں ان کا عمل دخل برائے نام ہے پسماندگی کی رفتار روز بروز بڑھ رہی ہے اور یہ [illegible]
رہے تو محض دیتے رہنا ہوں گے تاکہ ترقی کی دوڑ میں [illegible] پیچھے رہ سکیں [illegible]
اگر معاملات و مسائل کا حل نہ ہو اور اقلیتوں اور کمزوروں کی دستگیری نہ کی گئی تو عداوت، نفرت
اور تشدد کا [illegible] بڑھتے رہیں گے بلکہ زور پکڑتے رہیں گے یاد رکھیے اگر قوم تعلیم اور تعمیر کے
انصاف پر کسی ایک فرد یا جماعت کو بھی اعتماد نہ ہو تو فتنہ و فساد برابر بڑھتا رہے گا
یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انصاف کے بغیر کسی نظام کو ثبات نہیں ہو گا انصاف کرنا اور
اسے ثابت بھی کرنا حکومت اور معاشرہ دونوں کا فرض ہے ساری جماعتوں کو مل بیٹھ کر
طے کرنا چاہیے کہ انصاف کو معاشرہ میں کس طرح بٹھایا جائے گا [illegible] احساس [illegible]
کے بعد کی ناانصافیوں کو دور کیونکر کیا جائے گا اکثریت ایسے میں [illegible]
کرنے اور دوسروں کے جذبات اور ضروریات کو نظر انداز کرنے کے بجائے اقلیتوں کا [illegible]
قلب کس طرح کرے گی؟ تعلیم کا نصاب کسی قوم کی تشکیل اور اس کے فکر و نظر [illegible]
کے تعین میں بھی کلیدی اہمیت رکھتا ہے ظاہر ہے کہ اسے نفرت اور تنگ نظری اور [illegible]
سے پاک ہونا چاہیے اسے اس طرح ڈھالا جائے کہ اعلیٰ اخلاقی اقدار جن سے طلبا
کے ذہن [illegible] ملک [illegible] کے [illegible]
[illegible]
[illegible]

تخریب کی ابتدا کی سے تعمیر کو ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہی تھیں پاکستان اور بنگلہ دیش میں مسلمانوں
نے مندروں کو جلانا شروع کر دیا اور ہندوؤں پر حملے بھی ہونے لگے لندن میں ایک مندر
کو جلا کر خاکستر کر دیا ایسا لگتا ہے کہ اب یہ آگ برصغیر کے بیسیوں ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی
شری واجپائی' شری جوشی' شری اشوک سنگھل گرفتار کر لیے گئے بعد پوچھے گئے سوال کا جواب
انھوں نے جس انداز سے دیا اس میں پشیمانی پیر بھی نہ تھی بلکہ سرکشی کے تیور نمایاں تھے انھوں
نے ساری خرابی کا ذمہ دار سرکار کو ٹھہرایا۔ سرکار نے جو کل فیصلے کئے تھے شاید وہ انہیں عمل میں
نہ لاسکے مسجد کی تعمیر تو اب دشوار نظر آتی ہے آج کی خبر یہ ہے کہ کار سیوکوں نے میدان کارزار
چھوڑنے سے پہلے مسجد کی جگہ چبوترہ بنا کر اس پر مورتی استھاپت کر دی تھی پیرا ملٹری فورس
کے بعض جوانوں نے اس چبوترہ کو سمان دیا اور مورتی کی پوجا کی اب مسجد کو جلا سے کہاں
ہٹائے گا؟ لوگ یہ پوچھ رہے ہیں کہ سیوکوں کو اس کام کی مہلت دی ہی کیوں گئی؟ انہیں
مرکزی حکومت کی نیت پر شبہ ہے انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ارباب اختیار
کی کمزوری اور فیصلہ کرنے میں تاخیر اور کوتاہی ہے۔ ہماری تردد پیشہ اور تاخیر پیکر مرکزی
حکومت اب یہ سوچ رہی ہے کہ مسجد کسی ادارہ کے ذریعہ بنوائی جائے جب تک وہ
کسی فیصلہ پر پہنچے گی ملک میں ایک بڑی مہم بی جے پی اور وشوا ہندو پریشد مسجد کی
تعمیر کے خلاف شروع کر دیں گے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش میں بابری مسجد کے شہید
ہونے کا جو رد عمل ہوا اور مندروں کی جس طرح بے حرمتی کی گئی یا بے حرمتی کی کوشش
ہوئی اور کئی مندر نذر آتش کیے گئے اس نے معاملہ کو اور الجھا دیا ہے اور اس وقت عام
بدگمانی اور باہمی عداوت کے ماحول میں اس گتھی کو سلجھانا ممکن نظر نہیں آتا۔ ان مہینوں میں
مسلم قیادت کے ہوش و گوش کی تعریف کی گئی تھی اس نے عوام کو ضبط کی تلقین کی
اب ایسا لگتا ہے کہ عوام تک یا تو یہ پیغام پہنچا ہی نہیں یا وہ تنگ آ کر [illegible] چکے
تھا اب وہ اپنے رہنماؤں کی بات نہیں سنیں گے [illegible]

رہنما اور دانشور اور کاش وہ اپنی مسلم عوام سے مخاطب ہوتے اور انہیں ضبط کی تاکید
کرتے یہ موقع بھی ہاتھ سے جاتا رہا اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلم رہنما عوام سے
کتنے دور ہو چکے ہیں ان کے اور عوام کے درمیان وہ زندہ رابطہ ختم ہو چکا ہے جو خدمت اور
خیر اندیشی اور فلاحی اور ارتقائی کاموں کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے اگر یہ رابطہ قائم
نہ ہوا تو پھر عوام انتشار سے دوچار رہیں گے تنظیم کے کام میں تاخیر بہت مہنگی پڑ سکتی ہے
کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حالات اب کیا کروٹ لیں گے ایسے میں منظم، متحد اور باخبر اور فعال
رہنما بہت ضروری ہوتا ہے آگ ٹھنڈی ہو گی جب انتقام [illegible] کو ترک کیا جائے
ہمارے مسلم رہنماؤں کو پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں سے ہاتھ جوڑ کر التجا کرنی
چاہیے کہ وہ خدارا اس بنا پر کہ ہندوستان میں بابری مسجد شہید کر دی گئی ہے اپنے یہاں
نہ مندروں کو نقصان پہنچائیں اور نہ اپنے بے گناہ شہریوں پر حملہ کریں ان معصوم لوگوں کا
کیا قصور ہے اس کے علاوہ اگر آپ اس طرح بدلہ لیں گے تو ہندوستان میں اس وقت
جو ہمدردی مظلوم مسلمانوں کے ساتھ عام طور پر پیدا ہوئی ہے اسے عداوت میں بدلنے
دیر نہیں لگے گی اپنے ملک کے ہندوؤں اور ہندوستان کے مسلمانوں پر رحم کیجئے" اگر [illegible]
[illegible] سے درخواست کی جائے تو شاید وہ خوشی سے ہمارے دو ایک معروف مسلم
رہنماؤں کو پاکستان اور بنگلہ دیش (اور افغانستان) کے مسلمانوں سے خطاب کرنے کا
موقع دے دیں۔ اس مضمون کے آخر میں راقم السطور اپنی ایک غلطی کا اعتراف کرے گا
اس واقعہ سے [illegible] پہلے تک مسلم قیادت کو یہ مشورہ دیا جاتا رہا کہ [illegible]
[illegible] مسلمانوں سے [illegible]
[illegible]

[illegible] شکنی کی ہے جو جماعت اپنے قول سے پھر جانے جیسی کہ تو ایک اصول
حضرت [illegible] ہر اس کے خلاف کو استعمال کرتا آیا ہوں جو زبان اپنے پیمان کا پاس کرے،
عدالت کے احکام کی تعمیل بظاہر اس سے بات کر کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ فسطائی
طرز کی ایک تشدد ہے فسطائی طاقتیں۔ جمہوری روایات اور اخلاقی اقدار کو حقارت
کی نظر سے دیکھتی ہیں وہ انہیں اپنے مقصد کی راہ میں رکاوٹ کے لیے بھی حائل نہیں ہونے
دیتیں [illegible] فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ہندوستان میں "ہندو راج استحکام" کر کے رہیں گی
پیدا کرنے کے لیے وہ [illegible] کے کسی بھی [illegible] انصاف کے تقاضے اور جمہوریت کے آداب ان کی راہ
نہیں بن پائیں گے جیسی پارٹی کا سیاسی فلسفہ [illegible] عدالت [illegible] نظریہ سے پھوٹتا ہو
وہ رواداری اور انصاف کی بات سنے گی ہی کیوں؟ لیکن راقم پھر بھی اتنا کہے گا کہ صحیح پڑھے
تو اس سے گفتگو ضرور کی جا سکتی ہے اس کے مسائل سے کسی وقت ہماری توجہ پر غور کرنے
کے لیے مجبور کر دیں حالات اس تیزی سے بدل رہے ہیں کہ اگر عمل اور نقطہ نظر [illegible] تب
نہیں کیا جا سکتا اس وقت ضرورت ہے عوام [illegible] اور نظم و ضبط کی عوام سے رابطہ
استوار کرنے کی انہیں اشتعال کے خلاف [illegible] کرنے کی انہیں [illegible] سنجیدگی اور صلح کوشی
کے ساتھ اپنی اپنی بستیوں میں دفاع کے لیے تیار کرنے کی اتنا ہی بڑا ہے جیسے سیکولر اور انصاف پسند
سیاسی پارٹیوں کے ساتھ گہرے کرنا اس کے [illegible] مسلمانوں کے حقوق یا [illegible] اور [illegible] ہمارا
اقلیتیں دوسری فرست ذاتیں اور قبائل اور دوسرے پسماندہ اور کمزور طبقات ہیں ان کے
ساتھ ہم دوستانہ رابطہ [illegible]
مسائل پر غور کرتا اور مسلمانوں کی حفاظت ان کا [illegible] اور فلاح و ترقی کا [illegible]
کرنا ہوگا۔

ڈاکٹر عصمت جاوید

[illegible] نصرتی

نصرتی کا کلیات [illegible] بلاشبہ دکنی ادب کا [illegible] ہے۔ شمالی ہند میں بھی [illegible] میں [illegible] پانے کا ذریعہ نایاب ہے اس لئے [illegible] اردو ادب [illegible] قرار دینے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا ہے۔ [illegible] ادب کی تاریخ [illegible] ادبی روایت کی [illegible] ہے [illegible] ادب نے بڑھتے [illegible] ادبی [illegible] ہیں۔ نظم ہو یا نثر تصوف ہو یا مذہب و اخلاقیات [illegible] ادب کے ہر شعبے اور ہر [illegible] دکنی ادب نے [illegible] انجام دیئے ہیں [illegible] [illegible]

نظم اور نثر دونوں میں اپنی دھاک بٹھادی اور ایسا ادبی معیار قائم کیا جس تک شعرائے مابعد بھی نہیں پہنچ سکے۔

نصرتی بیجاپور کی عادل شاہی عہد کا دین ہے۔ وہ علی عادل شاہ ثانی کے دربار کا شاعر تھا علی عادل شاہ ثانی خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھا اور شاہی تخلص کرتا تھا اس نے دکنی شعرا کی بھی کھول کر ہمت افزائی کی تھی اور اس کے عہد میں دکنی ادب کا ستارہ عروج تک اٹھا تھا۔ اس کی گواہی مغل مورخ خافی خاں اور بیجاپور کے مورخ زبیری جانے [illegible] اور تاریخ نصرتی کے ان اشعار سے بھی ہوتی ہے جو علی نامے کے ماخوذ ہیں۔

اول کے اگر لوگ برنا و پیر کتے تھے کہ ہے سوز دکھنی حقیر
حقیقت میں ان کے طرف حق اتھا کہ تب شعر یہ پایہ مطلق اتھا
ہوا جب سے استاد عالم علی سخن کو سکت دے کیا مہ بلی

نصرتی کے حالات زندگی آج بھی بہت کم دستیاب ہیں۔ صرف وہی حالات مستند کہے جا سکتے ہیں۔ جن کی طرف نصرتی نے اپنی مشہور تخلیقات "گلشن عشق" اور علی نامہ میں سرسری اشارے کئے ہیں۔ کسی نے اسے برہمن زادہ کہا۔ کسی نے اسے کرناٹک کا بتایا کسی نے اس کا نام محمد نصرت لکھا لیکن مولوی عبد الحق کو بغیر کسی حوالے یا ثبوت کے اس نام کو تسلیم کرنے میں تامل تھا البتہ وہ اتنا ضرور لکھتے ہیں "تخلص کی مناسبت سے محمد نصرت نام ہو تا قرین قیاس تو ہے، یقینی نہیں۔"

نصرتی نے گلشن عشق میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ وہ سپاہی زادہ تھا۔ اور بادشاہ کے حسن توجہ سے اس کی تخلیقی صلاحیتیں ابھری ہیں۔ اس نے [illegible] علی نامہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کا آبا و اجداد [illegible] شاعری [illegible] بلکہ سپہ [illegible]

اے شاہ تجھ کا کس ہوا مجھ من سو تیرا فیض ہے
یک ٹک کسب موزونی نہ ہوتی تھا کہ مجھ پو شاعری

(یعنی اے بادشاہ میرا دل جو ہیروں کی کان بنا ہے سو یہ تیرا فیض ہے ورنہ سچ تو یہ ہے کہ شاعری میرے لئے کسب موزونی نہیں ہے)

نصرتی کی قابل ذکر شعری تصنیفات تین ہیں۔ "گلشن عشق" "علی نامہ" اور "تاریخ اسکندری"۔ ان میں پہلی دو تصنیفات کو لازوال شہرت کی حاصل ہیں آج کی صحبت میں علی نامہ سے متعارف کرانا مقصود ہے۔

"علی نامہ" سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ اس میں محاربات حضرت علی کا بیان ہوگا لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس مثنوی میں علی عادل شاہ ثانی کی فوجی کارگزاریاں بیان کی گئی ہیں۔ اس اعتبار سے علی نامہ ایک ایسا رزمیہ ہے جس کا موضوع وہ تاریخی واقعات اور فوجی مہمات ہیں جن میں علی عادل شاہ ثانی مرکزی اور محوری حیثیت رکھتا ہے۔ علی نامے کے اختتام سے پہلے نصرتی اپنی اس بلند پایہ تصنیف کے بارے میں لکھتا ہے۔

عجب فن کی بولیا ہوں یہ مثنوی | کہ کئی بھانت ہے اس ہنر میں نوی
سنواریا اک اک بزم اور انجمن | کھلایا ہوں خوش اندم کے پھولبن
بھریا ہوں ہنر سے سراسر کتاب | دکھیا ہوں نزاکت سخن سب بجواب
بچھایا ہوں تدبیر گھتیاں کی چال | لکھیا قصہ در قصہ میں حسب حال
[illegible] | [illegible]
[illegible]

[میں نے یہ مثنوی فنی اعتبار سے عجیب لکھی ہے ۔ اس فن میں کئی لحاظ سے یہ جوید ہے۔ اس میں میں نے ایک ایک رزم اور انجمن کو سنوارا ہے اور جنگ کے پھول بن کھلا گئے ہیں ۔ یہ کتاب سراسر کمالات سے پُر ہے ۔ میں نے اس کتاب میں نزاکت بھر دی ہے ۔ تاریخ نویسوں کے اصول پر عمل کرتے ہوئے میں نے قصہ در قصہ حسبِ حال لکھا ہے ۔ اس کتاب میں میں نے بڑے بڑے کارناموں کو چھپایا نہیں بلکہ سب فردی باتیں ظاہر کر دی ہیں ۔ میں نے جو کچھ کہا ہے بے لوث کہا ہے اور کسی کا کارنامہ ضائع نہیں کیا ۔ میں نے بہادروں کے کارناموں کو اپنے شوق کے امرت میں گھول کر ان کے ناموں کو لازوال زندگی بخشی ہے]

یہ تصنیف لطافت میں کسی طرح کم نہیں ۔ الٰہی اسے ہمیشہ کے لیے مقبول کیجو۔

اس کے بعد نصرتی نے علی نامہ کا مقابلہ فارسی اور ہندی کے رزم ناموں سے کرنے کے بعد فردوسی کے شاہنامے کے مقابل رکھ کر اسے "شاہنامۂ دکن" سے تعبیر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فردوسی کو محمود غزنوی نے شایانِ شان صلہ نہیں دیا تھا جس کے وہ ملال بر داشتہ تھا ۔ لیکن جب وہ یہ مثنوی پڑھیگا تو اپنا غم بھول جائے گا اور اس کی روح شاد ہو جائے گی ۔

کہا ہوں سخن مختصر بے گمان		کہ یو شاہ نامہ دکھن کا ہے جان
عجب کیا کہ فردوسی پاک زاد		اسن غم بسر اپ کرے روح شاد

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نصرتی نے علی نامہ کے لیے وہی بحر منتخب کی ہے جس میں شاہنامہ لکھا گیا ہے ۔ شاہنامے کا موضوع قدیم تاریخ ہے اس میں ماقبل تاریخ واقعات بھی پائے جاتے ہیں جبکہ علی نامہ کا تعلق معاصر [illegible] ہے ۔ اسی کا مقابلہ شاہنامے سے نہیں بلکہ امیر خسرو کی "نُہ سپہر" سے کیا جا سکتا ہے [illegible] واقعات

کا بیان ہے جن کے امیر خسرو شمقی شاہد تھے۔ علی نامے کی تصنیف کا سن آغاز تو نصرتی نے نہیں بتایا لیکن اگر ہم یہ فرض کریں کہ علی عادل شاہ کی سنہ ۱۶۵۶ء میں تخت نشینی کے بعد ہی سے نصرتی نے علی نامہ کی داغ بیل ڈال دی تھی تو علی نامہ کو بیجاپور کی کم و بیش پندرہ سالہ تاریخ پر محیط کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کتاب کا اختتام بقول نصرتی سنہ ۱۰۷۶ھ مطابق سنہ ۱۶۶۶ء میں ہوا۔

لکھیا شہ کا حسن یوں بولکر جب اس پنج ہزار یک ہور ستر پہ لو تھے چھیو رس

اگرچہ علی نامہ کے اختتام کے بعد بھی علی عادل شاہ ثانی تقریباً سات سال اور زندہ رہا لیکن اس دوران کوئی قابل ذکر لڑائی نہیں ہوئی تھی اس لیے بادشاہ کی زندگی ہی میں علی نامہ اختتام کو پہنچا تھا۔

نصرتی نے علی نامے کو ایک سے زائد مقامات پر "فتح نامہ" بھی کہا ہے لیکن مثنوی کے آغاز میں جو منظوم عنوان قائم کیا گیا ہے اس میں وہ اس فتح نامے کو "علی نامہ" کا نام دیتا ہے۔

نصرتی نے اس مثنوی کی ابتدا حسب روایت حمد سے کی ہے۔ حمد کے بعد مناجات، پھر نعت، پھر ذکر معراج، معراج کے بیان کے آخری حصے میں چاروں خلفائے راشدین کے صرف نام گنا دیے گئے ہیں [illegible] نصرتی [illegible] تھے لیکن منقبت حضرت علی کی ہے۔ منقبت علی کے بعد حضرت خواجہ گیسو دراز کی [illegible] منقبت کے بعد مدح علی عادل شاہ ثانی ہے اس کے بعد [illegible]

[illegible]

علی عادل شاہ ثانی نے جس طرح مغلوں کو شکست دی ہے اس کا حال نصرتی کو لکھنا چاہیے۔ اس کے بعد ہی سے نصرتی علی نامہ کا آغاز کرتا ہے۔ سبب تالیف کے بعد جشن جلوس شاہی کی مرقع کشی کی گئی ہے۔ گویا یہیں سے اصل مثنوی کا آغاز ہوتا ہے جس میں بادشاہ وقت کے دو حریفوں کی ہجو لکھی گئی ہے۔

علی نامہ جیسا کہ کہا جا چکا ہے ایک رزمیہ ہے۔ نہ نصرتی سے پہلے اس پائے کا رزمیہ لکھا گیا اور نہ بعد میں۔ اس میں تاریخی واقعات زمانی ترتیب میں بیان کئے گئے ہیں اور بقول مولوی عبدالحق مستند ہیں۔ معاصر تاریخ نویسوں میں سے ابراہیم زبیری نے تاریخ بیجاپور کی تصنیف کے سلسلے میں علی نامے سے استفادہ کیا ہے اور غالباً شاہ نوراللہ نے بھی جس نے تاریخ علی عادل شاہی لکھی تھی۔ تاریخ میں واقعات کا پوست کندہ اور خشک بیان ہوتا ہے۔ لیکن جب نصرتی جیسا شاعر ان واقعات کو اپنی نظم کا موضوع بناتا ہے تو اس حقیقت کے باوجود کہ ان واقعات کے بیان میں جا بجا مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے یہ جیتی جاگتی تصویروں میں ڈھل جاتے ہیں اور یہی خصوصیت علی نامے کو تاریخ کی سطح سے بلند کر کے اسے ایک لازوال تخلیقی کارنامہ بناتی ہے۔ نصرتی بلاشبہ ایک [illegible] شاعر تھا۔ رزمیہ کے لیے جس زور بیان کی ضرورت ہوتی ہے اس کا [illegible] مثنوی میں قدم قدم پر ملے گا۔ علاوہ ازیں [illegible] اور منقبت [illegible] کی رعایت سے نصرتی نے انہیں پہلوؤں کو [illegible] دلیری وغیرہ سے ہے مثلاً مہدی [illegible] کس طرح شیر [illegible] اور [illegible]

آنحضرت صلعم کی شان شجاعت پر بطور خاص زور دیا ہے اور غزوات میں ان کے جنگی کارناموں کو سراہا ہے۔ معراج کے بیان میں بھی یہی روایت برقرار رکھی گئی ہے کہ کس طرح حضورؐ دوران معراج سیاروں کے قلعے یکے بعد دیگرے فتح کرتے ہیں۔ اس مثنوی کی ایک خاص بات یہ ہے کہ جب بادشاہ کسی مہم میں فتحیاب ہوتا ہے تو نصرتی مثنوی کا سلسلۂ بیان منقطع کر کے بیچ میں ایک قصیدہ داخل کر دیتا ہے۔ اس کے بعد پھر مثنوی شروع ہوتی ہے۔ اس طرح نصرتی نے علی نامے میں سات قصیدے شامل کیے ہیں جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ نصرتی کو صنف قصیدہ میں کتنا کمال حاصل تھا۔

علی نامہ بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کے ایک انتہائی پر آشوب دور سے تعلق رکھتا ہے۔ علی عادل شاہ ثانی جب ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۶ء) میں تخت پر بیٹھا تو اسے دو بڑی قوتوں کا سامنا تھا۔ ایک طرف تو شیواجی کی سرکردگی میں مراٹھوں کی ابھرتی ہوئی طاقت تھی تو دوسری طرف اورنگ زیب کی قیادت میں مغلوں کی یلغار۔ علی نامے میں انہیں حریفوں سے شاہِ بیجاپور کی نبرد آزمائی کی داستان شاعرانہ لطافتوں اور فنکارانہ خوبیوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ شاہی دربار کی سج دھج، میدان جنگ میں شمشیر زنی کے کمالات، حریفوں کی پسپائی اور شکستہ دلی، جنگ سے قبل سلطان کے جنگی سرداروں سے مشورہ طلبی، گھوڑوں کی رفتار کا ہاتھیوں کی مستانہ روی اور اس کے علاوہ جشنِ فتح کی ولولہ انگیز منظر کشی، غرض سبھی کچھ اس مثنوی میں تفصیل کے ساتھ اور شاعرانہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔

جنگ کا ... [illegible]

کھنا کھن تے کھڑ ساں سکے یوں شور اٹھیا ۔ کہ تن میں پہاڑوں کے لرزاں چھٹیا

(تلواروں کی جھنکار سے ایسا شور اٹھا کہ پہاڑوں کے تن بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا)

سلاحاں میں کھڑ ساں جو دھنسنے لگے ؛ اگن اور رکت مل برسنے لگے

(جب تلواریں سلحوں میں گھسنے لگیں تو آگ اور خون مل کر برسنے لگ گئے)

ہوا میں پیدا کری بے مثال ؛ اگن کا گگن اور دھوئیں کا ابھال

(زمانے پل بھر میں آگ کا آسمان اور دھوئیں کا بادل پیدا کر دیا جس کی کوئی مثال نہیں)

بھر پانس کا کھڑ ساں کی چنگیاں تے روپ ؛ ہوا نرم چند نا سو سب گرم دھوپ

(جب تلواروں سے نکلتی ہوئی چنگاریوں سے رات کا روپ نکھر آیا تو نرم چاندنی گرم دھوپ بن گئی)

یہ نازک خیالی ملاحظہ ہو۔

ہوا میں شراریاں کا ات کھیل تھا ؛ اڈے کھو ما تو تس آگ پر تیل تھا

(تلواروں سے نکلتی ہوئی چنگاریاں ہوا میں کھیل رہی تھیں ۔ جب ان چنگاریوں پر مقتولوں کے خون کے چھینٹے پڑے تو گویا انہوں نے آگ پر تیل کا کام کیا یعنی ہوا کا رنگ اور سرخ ہو گیا)

لال کروں سرنگ رنگ پیدا ہوا ؛ شفق ابر پر صبح ہر یدا ہوا

(خون کی بارش سے ہوا کا رنگ خوش نما ہو گیا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گرد و غبار کے بادل پر شفق پھول رہا)

سپاہیوں کی حوصلہ مندی کی تصویر ملاحظہ ہو

سیاران کے او سان اپنے سپر ؛ زمین پہ قدم آسمان پر نظر

میدان چھوڑ کر بھاگے ہوئے دشمنوں کے سپاہیوں کی ....

سیتا آنگ پر جس [illegible] نے بات [illegible] کا کپڑیاں کو چڑی سکات جتا بھاڑ پیا [illegible] کی اک گرفتگی بن بھاگتے ہوئے [illegible] بدلا پر [illegible] نے ہاتھ ڈالا تو چڑی سمیت کپڑے اتار دیے۔ اس وقت قدرت ان پر آگئے۔ بھرے کپڑوں کی بدولت رنگ برنگی چھیتڑوں کی گدڑی پہنے دکھائی دیتے تھے۔

دشمنوں کی اونٹ پر جب تیروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مور پر پھیلائے ناچ رہا ہے۔

دسے اشتراں تیر بیٹھے پہ مور ؎ کہ جیوں ناچنے پر پھیلایا ہے مور

غرض نصرتی نے جا بجا جنگ کے مناظر دکھائے ہیں اور جنگ کا پورا سماں باندھ دیا ہے۔ یہ تو نصرتی کے شاعرانہ کمالات کی ہلکی سی جھلک ہے۔ اگر سامعین کو نصرتی کے فنی کمالات کا پورا اندازہ لگانا ہو تو وہ مولوی عبدالحق کی تصنیف "نصرتی" کا ضرور مطالعہ کریں جس میں مولوی صاحب نے نصرتی کے شاعرانہ محاسن کا نہایت عمدہ تجزیہ کیا ہے۔ بہر حال نصرتی کا علی نامہ ایک بے مثال تصنیف ہے اور اردو ادب اس تخلیقی شاہکار پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ (بہ اجازت اسٹیشن ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو، اورنگ آباد)

سلسلہ [illegible]

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
جو بھی پہنچے عرب ممالک میں
دیکھئے دیکھئے اثر ہاتھ نے

واجد علی شاہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سحر سعیدی

راجہ غضنفر علی

ایک دوست، ایک مزاح نگار

اب ظرافت کے گُہر کون لٹائے گا سحر
آج خاموش ہوا سب کو ہنسانے والا

موت برحق ہے لیکن چند شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی موت پر بے ساختہ دل مغموم ہوتا ہے۔ راجہ غضنفر علی ایسی ہی ایک شخصیت کا نام ہے۔ جمعہ ۱۳ دسمبر ۱۹۹۱ء کی صبح ۱۰½ بجے میں دفتر پہنچا تو یہ المناک خبر ملی کہ راجہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ سُن کر میں تو سکتے میں رہ گیا کہ دو روز قبل ہی اُن سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ راجہ گزشتہ چھ ماہ سے بیمار تھے عیادت کے سلسلے میں جب بھی اُن کے گھر جاتا مجھے دیکھ کر ان کا چہرہ کھِل اُٹھتا، بستر پر ہی اُٹھ کر بیٹھ جاتے عزیزوں اور دوستوں کی خیریت دریافت کرتے کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتیں پھر تازہ کلام سُنا کر خود کو بشاش محسوس کرتے۔ حسبِ عادت میں ان کا کلام اس بیاض میں نوٹ کر لیتا جس میں راجہ کا بیشتر کلام محفوظ ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے راجہ سے میری ملاقاتیں بہت کم ہو گئی تھیں جبکہ سب ان دنوں کا کلام [illegible] تھا اب جبکہ راجہ بیمار تھے اور میں اکثر ان کی عیادت کو جاتا تو [illegible] کر

مجھے آپ کا وہ کلام دیجیے جو میری بیاض میں نہیں ہے۔ ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۱ء کو جب میں اُن سے ملنے گھر پہنچا تو ڈاکٹر انہیں انجکشن دے رہا تھا۔ آپکی اہلیہ محترمہ نے مجھے بغل والے کمرے میں بٹھایا جہاں راجہ کی دو بڑی بہنیں محترمہ انیس فاطمہ اور محترمہ کنیز فاطمہ پہلے سے موجود تھیں۔ حسب عادت میں اُس روز بھی خوشبو لگا کر ان کے گھر گیا تھا خوشبو اُن تک پہنچی تو اپنی اہلیہ کے ذریعہ مجھے سلام کہلوایا اور میری فرمائش پر اپنا وہ کلام جو کاغذ کے مختلف پرزوں پر انہیں کے قلم سے لکھا ہوا تھا مجھے دینے کی ہدایت کی ساتھ ہی اپنی ایک پرانی تصویر بھی بھجوائی۔ کچھ دیر بعد راجہ نے مجھے اپنے کمرے میں بلوایا اور حسرت سے بڑی دیر تک میری طرف دیکھتے رہے پھر مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ میں قریب پہنچا تو میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا کر کافی دیر تک نہیں چھوڑا۔ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن طویل بیماری کے سبب قویٰ کے ساتھ آواز بھی کمزور ہو گئی تھی۔ خفیف آواز میں صرف اتنا کہہ سکے کہ میرا کلام آپ انتخاب کرلیں۔ کیا خبر تھی راجہ سے یہ میری آخری ملاقات ہوگی۔

راجہ مظفر علی ۲۱ر جون ۱۹۳۵ء کو ضلع ہوشنگ آباد (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید شمشاد علی محکمۂ تعلیمات میں ملازم تھے وظیفہ سے [illegible] کے اواخر میں اورنگ آباد آئے اور یہیں بس گئے۔ ان [illegible] سید [illegible] مراد محمد [illegible] ضلع سہارن پور تحصیل رڑکی ہے۔ راجہ میرے [illegible] نے میری پہلی ملاقات [illegible] میں ہوئی تھی۔ [illegible] تھے اور [illegible] میں انٹرمیڈیٹ [illegible]

واجد کو یہ نام میں نے ۱۹۹۱ء میں دیا چونکہ اسی سال انہوں نے باضابطہ مزاح نگاری شروع کی تھی اور اسی سال ان سے میری دوستی بھی ہوئی۔ جب بھی ملاقات ہوتی اپنا ابتدائی کلام سناتا جن متفرق مزاحیہ اشعار، پیروڈیز اور تضمین ہوتیں۔ ان دنوں میرؔ، غالبؔ، مومنؔ، آتشؔ اور اقبالؔ کی کچھ پیروڈیاں اور ان کی زمینوں میں جو اشعار انہوں نے مجھے سنائے ان کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے۔

"جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے کس نے چھپ کر وار کیے — کون تھا وہ جس نے بلبل کے انڈے پیچھے پار کیے
شیخ کے والد اللہ بخشے ایک ہی کر پاتے تھے نکاح — ان کی وصیت پوری کرنے شیخ نے پورے چار کیے

عقیقے کی کہ بسم اللہ کی دعوت ہو شرکت کو — ذوی القربیٰ بتائی سب کے سب تیار بیٹھے ہیں
اڑانے بوٹیوں کی دھجیاں سب پل پڑے اک دم — مگر کچھ نان قلیے سے بہت بیزار بیٹھے ہیں

"ناوک انداز اگر دیدۂ جاناں ہوں گے" — ان سے زخمی میرے دل خاں و جگر خاں ہوں گے
"چاک پردے کو نہ کر رحم تو اے پردہ نشیں" — ورنہ ہم میانی تک چاک گریباں ہوں گے
"پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی" — گھر میں ماں باپ مگر سخت پریشاں ہوں گے

چڑھا لو ہاتھ بھی کی تو یہ محسوس ہوتا ہے — دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی
متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی — مجھے لگتا ہے یہ کافر فرید انگریز ہے ساقی
ہوا پینا پلانا ملک بھر میں جرم تعزیری — یہ کس قاتل سے جا کر تو لبریز ہے ساقی
"ہوئے مرکے ہم رسوا گئے کیوں نہ سوتے نیفا" — وہیں تجہیز تکفین میں اللہ [illegible]

واجد اپنی خوش مزاجی اور بذلہ سنجی کے سبب [illegible]

حقیقت میں لاابالی پن لئے ہوئے باوضع، باوقار، بامروت اور مخلص انسان تھے۔ جب ملاقات ہوتی وقت کا پتہ نہ چلتا۔ اپنی مزاحیہ نظمیں، ہزلیں، قطعات اور پیروڈیاں سنا کر ہم پر رائے طلب کرتے۔ مشاعروں کے لئے بھی کلام لکھ کر لاتے۔ کبھی باقاعدہ بیاض بھی نہیں رکھی۔ راجہ طنز و مزاح کے آداب و مراتب زبان کی شائستگی اور محاوروں کے برمحل استعمال سے بخوبی واقف تھے۔ بات سے بات پیدا کرنا پھر فی البدیہہ شعر میں ڈھال لینا اُن کا خاص شیوہ تھا۔ راجہ کم آمیز و کم گو ضرور تھے لیکن جب گویا ہوتے سب کو خوب ہنساتے۔ اورنگ آباد میں اُن دنوں مشاعرے کم اور شعری نشستوں کا اہتمام زیادہ ہوتا تھا۔ راجہ مشاعروں سے دور بھاگتے لیکن کبھی کبھی اپنے ہم مذاق دوستوں کے ساتھ ان نشستوں میں شریک بھی ہوتے اور بڑی متانت اور سنجیدگی سے سب کا کلام سنتے۔ جب اُن سے کلام سنانے کی فرمائش ہوتی تو اکثر انکار کرتے۔ احباب کے بیحد اصرار پر اپنے مخصوص لہجے اور دھیمی آواز میں مزاحیہ اشعار، نظمیں اور پیروڈیاں سنا کر سامعین سے خوب داد وصول کرتے۔ کلام اخبارات یا رسائل میں چھپوانے کا انہیں کبھی شوق نہیں رہا میں نے بہت بار اُن سے کلام کی اشاعت پر گفتگو کی لیکن وہ ہر بار ٹال جاتے اور کہتے "میں یونہی کچھ لکھ لیتا ہوں اس میں چھاپنے جیسا کیا ہے؟" لیکن میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ راجہ کے بیشتر اشعار صرف مزاحیہ نہیں ہیں بلکہ ان میں حقیقت کی تلخی اور مزاح کی چاشنی کے ساتھ طنز بھی ہے۔ غرض اپنے پورے شعری لوازمات کے ساتھ موجود ہیں۔ بقول کسے "طنز وہ [illegible] کی وہ گولی ہے جو شکر میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے" [illegible] کہہ سکتے ہیں۔ طنزیہ مزاحیہ [illegible] اور [illegible]

پیش کرنے میں راجہ کو کمال حاصل تھا۔ اسی لیے اہلِ ذوق اُن کا کلام نہایت شوق سے سُنتے اور محظوظ ہوتے نمونتاً چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

کب تک کسی کی دید کی حسرت کرے کوئی — اس سے تو ٹھیک یہ ہے کہ کسرت کرے کوئی

علمِ افلاطون پائے گا کہاں سے بے وقوف — عقلِ سینا سے شعورِ شیخ چلّی دور ہے

اُن کے کتے آسمانوں کی خبر لانے لگے — اور ہم اب تک یہ کہتے ہیں علی حلوا ہے

ابتدائے ارتقا میں نیم عریاں ہے بشر — کیا مکمل ارتقا میں جانور ہو جائے گا

آبیاری اور دیکھ بھال گئی سب بھاڑ میں — پھل لگے تو میری امرائی میں بیٹھا گئے

ایک عجوبہ دیکھا جس کو دیکھ کے رُک گئی سانس — اک کمرے میں چپ بیٹھی تھیں نند بہو اور ساس

ایک مُلّا علم و فضل و اجتہاد — اور دو مُلّا فقط بغض و عناد

یعنی مُلّا زندہ باد و مُردہ باد ! — چار مُلّا فی سبیل اللہ فساد

انگلش میں گا رہے تھے غلا باز چاند پر — تنگ آچکے تھے کشمکشِ زندگی سے ہم

راجہ نے قمر اقبال کی تثلیثات سُن کر چند مزاحیہ تثلیثات بھی کہا ہیں لیکن وہ تثلیث کو تپائی اور قطعہ کو چوپایہ کہا کرتے تھے۔ ان کی چند تپائیاں ملاحظہ کیجیے۔

اک بندریا نے ایک بندر سے
جوئیں چُنتے ہوئے یہ پوچھا تھا
کیا کیا خضر نے سکندر سے

وہ حسین و مہ جبین و پیکرِ ناز
اب بھی کوٹھے پہ آ ہی جاتی ہے
دیکھنے کے لیے ہوائی جہاز —

خامہ نگار

پروفیسر جگن ناتھ آزاد

پاکستان کے دورے سے ہندوستان واپس پہنچ گئے

پنجاب یونیورسٹی لاہور میں لیکچر۔ ملتان میں اردو کانفرنس کے ایک سیشن کی صدارت

گجرات، اسلام آباد اور کراچی کے مشاعروں میں شرکت

نئی دہلی ۱۸ رمئی ۱۹۹۲ء ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد، پروفیسر ایمریٹس یونیورسٹی آف جموں، جو گذشتہ ماہ پاکستان تشریف لے گئے تھے، گجرات، ملتان، اسلام آباد، کراچی اور لاہور کے علمی اور ادبی دورے سے واپس آ گئے ہیں۔

اس سفر میں پروفیسر آزاد نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کی دعوت پر یونیورسٹی کے سینیٹ ہال میں "ہندوستان میں اقبالیات — آزادی کے بعد" کے موضوع پر تقریر کی۔ دونوں ملکوں میں مطالعۂ اقبال کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں جہاں یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ اقبال کے فکر و فن کا مطالعہ ایک اکائی کی صورت میں کیا جائے، وہاں پاکستان میں ان کے نثری کارنامے کو جس میں "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" کو جو دنیائے فلسفہ میں ایک منفرد مرتبہ کی حامل ہے پوری اہمیت نہیں دی جا رہی ہے۔ فکرِ اقبال کو پوری طرح سیاق و سباق میں سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔ انہوں نے اس بات پر مسرت ظاہر کی کہ وہ پنجاب یونی ورسٹی کی دعوت پر لیکچر دینے کے لیے دوسری بار تشریف لائے ہیں۔

ڈاکٹر [illegible] نے [illegible] کے سلسلے میں [illegible] کرتے ہوئے [illegible] کو [illegible] دی اور ان کے [illegible] کو [illegible] قرار دیتے ہوئے کہا [illegible] ابلاغ کا کمال ہے۔ اس [illegible] انہوں نے اقبال [illegible] کی اردو اور انگریزی تصانیف کا [illegible] لیا اور کہا کہ اقبال [illegible] وہ انگریزی اور اردو مقالات جو ابھی تک [illegible] صورت میں مرتب ہو کر ہمارے سامنے نہیں آسکے، اگر مرتب ہو جائیں تو پانچ یا چھ ضخیم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔

ڈاکٹر ہاشمی نے کہا کہ چند برس پہلے پاکستان اکیڈمی آف لیٹرز کی دعوت پر پروفیسر آزاد نے اقبال کے تصور [illegible] پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں لیکچر دیا تھا اور یہ معلوماتی لیکچر اورینٹل کالج میگزین میں شائع ہوا تھا۔

پروفیسر سہیل احمد خان پرنسپل [illegible] کالج لاہور نے جگن ناتھ آزاد کا استقبال کرتے ہوئے کہا، پروفیسر جگن ناتھ آزاد پہلے بھی اس یونی ورسٹی میں لیکچر دے چکے ہیں اور اورینٹل کالج لاہور اور پنجاب یونی ورسٹی لاہور کو اس بات پر فخر ہے کہ اس کالج اور اس یونی ورسٹی کے ایک طالب علم نے [illegible] اقبال [illegible] مقام حاصل کیا ہے اور دنیا کی متعدد اہم یونی ورسٹیوں میں جن میں [illegible] پاکستان، یورپ، امریکا، روس، انڈیا اور تاجکستان [illegible] انہوں نے اقبالیات اور دوسرے ادبی موضوعات [illegible] یونی ورسٹیوں نے [illegible] کی دعوت [illegible]

پاکستان پریذیڈنٹ اقبال میڈل کا خاص طور سے ذکر کیا جو پاکستان کے صدر مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے انہیں ملا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ متعدد یونیورسٹیاں اپنے اسکالروں کو جگن ناتھ آزاد کے فکروفن پر تحقیقی مقالات لکھنے پر پی۔ایچ ڈی کی ڈگریاں دے چکی ہیں اور ایک یونی ورسٹی انہیں ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری بھی دے چکی ہے (پروفیسر سہیل احمد خان نے یونی ورسٹی کا نام نہیں لیا لیکن واضح طور پر ان کا اشارہ کشمیر یونی ورسٹی کی طرف تھا جس نے چار برس قبل پروفیسر آزاد کو ڈی۔لٹ کی اعزازی ڈگری دی تھی) لیکن جس یونی ورسٹی کے وہ طالب علم رہے ہیں اس یونی ورسٹی نے انہیں قریب قریب فراموش کر رکھا ہے، پنجاب یونی ورسٹی لاہور کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے میر تقی میر کا یہ مصرع پڑھا۔

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اور کہا کہ جگن ناتھ آزاد اپنی مادر درس گاہ کی طرف سے جس عزت افزائی کے مستحق ہیں اس کی طرف پنجاب یونی ورسٹی لاہور کو جلد توجہ کرنا چاہیئے۔

ملتان میں اردو کانفرنس

ملتان میں ادارۂ فکرو تعلیم کی دعوت پر پروفیسر جگن ناتھ آزاد ڈاکٹر خلیق انجم نے عالمی اردو کانفرنس کے پریذیڈیم کے اراکین کے طور پر شرکت کی۔ اس میں پروفیسر آزاد نے عالمی ادب میں اقبال کے مرتبہ پر تقریر کی اور ڈاکٹر خلیق انجم نے ہندوستان میں اردو ادب کے موضوع پر اپنا گراں قدر مقالہ پڑھا۔ اس کانفرنس کے پہلے اجلاس کی صدارت عمر آزاد کے مربی جناب غلام حیدر وائیں وزیر اعلیٰ

[illegible]

موضوع پر تقریر کی۔

کراچی میں پروفیسر ابوالخیر کشفی (کراچی یونی ورسٹی) نے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی زبانی کوئی چار گھنٹے تک اُن کے حالاتِ زندگی ریکارڈ کیے جو وہ عن قریب ایک مقالے کی صورت میں پیش کریں گے۔

گجرات، اسلام آباد، کراچی اور ملتان میں جگن ناتھ آزاد نے بین الاقوامی مشاعروں میں شرکت کی۔ ان مشاعروں میں جگن ناتھ آزاد کے علاوہ ہندوستان سے غلام ربانی تاباں، خمار بارہ بنکوی، مجروح سلطان پوری، ملک زادہ منظور احمد، پاپولر میرٹھی، کیف عظیم آبادی، شمیم جے پوری، شانِ معراج، بشیر بدر، وسیم بریلوی اور حفیظ میرٹھی شریک ہوئے۔ گجرات کے مشاعرے میں پاکستان کے ادب پرور مرکزی وزیر داخلہ جناب شجاعت حسین نے تمام شعرا کو دیگر تحائف کے ساتھ ایک ایک تحفہ یادگار (MEMENTO) بھی پیش کیا۔

ہندوستان کے شعرا کا کہنا ہے کہ ان تمام شہروں میں مشاعروں کے منتظمین، شعرائے پاکستان اور پاکستان کے ادب پرور طبقوں نے جس طرح ہندوستان کے شعرا کی آمد پر ان کا استقبال کیا اور ان کی مہمان نوازی کی اس کی یاد ہندوستان کے شعرا کے دل میں کبھی محو نہیں ہو سکتی اور جب تک ہندوستانی شعرا پاکستان میں رہے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا۔

آ ملے ہیں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک

ظفر الحسن کے دو خطوط

مسز سیمیں اصغر کے نام

پچھلے شمارہ میں ہم نے ظفر الحسن کا ایک طویل خط اشفاق حسین کی صاحبزادی سیمیں اصغر کے نام "شاداب" میں شائع کیا تھا۔ آج ان کے نام ظفر الحسن کے دو خطوط شائع کر رہے ہیں۔ ہم آئندہ دیگر مشاہیر کے خطوط بھی شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر ایسے کوئی خطوط کسی کے پاس ہوں تو وہ اس کی نقول ہمیں روانہ کریں۔

(ایڈیٹر)

ناظم آباد۔ کراچی ۱۱ر جولائی ۷۷ء

بیٹی! دعا۔ تمہارا خط ملا۔ میں تو مایوس ہو چلا تھا۔ کبھی یہ خدشہ کہ تمہیں میرا خط نہ ملا ہو، کبھی یہ دغدغہ کہ تم نے مراسلت کرنے کی نیت کر لی ہو۔ مگر اب خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ یہ درخواست وہ نہ دی ہے جب مجھ کو مل جائے دو سے دن حیدرآباد میں مجموعہ

[illegible]

میرے آنے سے پہلے چھپ جائے تو روانہ کرنے کی فرصت نہیں میں خود گھر آ کر لے لوں گا اور کہوں گا کہ اشفاق کے ہاتھوں سے لے رہا ہوں۔ تم اگر کوئی خیال نہ کرو تو صاف صاف لکھ دوں کہ اب کسی سے امید نہ رکھنا کہ وہ مضمون لکھے گا۔ اشفاق پر ہی کیا مخدوم اور حسن پر بھی کوئی نہیں لکھے گا۔ مخدوم پر اگر کچھ لکھا گیا تو وہ اس کی شاعری کی وجہ سے ہم لوگوں کا (اہل مغرب کے بالکل خلاف) عقیدہ یہ ہے کہ

Dead man is no man [1]

"اقبال اور انسان" کے پاکستانی ایڈیشن کی بابت حیدرآباد میں آ کر گفتگو کروں گا۔ میں نے جس پبلشر سے بات کی تھی اس سے کچھ اختلاف ہو گیا ہے۔

سجاد ظہیر[2] کے تعلق سے تم نے اب تک جو کچھ جمع کیا ہے اس کی مجھے فہرست فوراً بھیج دو۔ اس کے سوا یہاں جو کچھ ہوگا اپنے ساتھ لاؤں گا یا کسی معتبر آدمی کے ہاتھ بھجوا دوں گا۔

جب میں دکن ریڈیو میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر تھا تو ایک انگریز ڈلیسینڈلشن مشیر نشریات تھا ایک دن اس نے مجھ سے پوچھا "تمہیں تھکن نہیں ہوتی۔ صبح سے رات تک کام کرتے ہو" میں نے جواب دیا "جب کرنے کو کوئی کام نہیں ہوتا تو تھکا تھکا سا محسوس کرتا ہوں" اگر میں کام نہ کروں تو اچھی طرح نیند نہیں آتی۔ آج کل بیک وقت دو کتابوں پر کام کر رہا ہوں۔ ایک حیدرآباد سے متعلق ہے دوسری فیض سے اور پھر اپنے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ مرتب کر رہا ہوں[3]

---

[1] جو آدمی مر گیا وہ مر گیا۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ (ایڈیٹر)

[2] مسز جیسی اسمز ایم۔ اے کے بعد ایم فل کے لیے سجاد ظہیر پر کام کرنا چاہتی تھیں لیکن مختصر عرصہ میں اجازت ملنے کے بعد یہ معاملہ ختم ہو گیا۔

[3] افسوس کہ یہ کتاب ڈاکٹر زینت ساجدہ کے دیباچہ کے بغیر ہی شائع ہوئی۔

بھئی! بات یہ ہے کہ اشفاق اور میر حسن کے انتقال کے بعد اب اپنی زندگی پر سے بھروسہ اُٹھ گیا ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ جلدی جلدی کام نمٹ لوں۔ اس کوشش میں نئے نئے کام نکل آتے ہیں۔ ان میں بھی جت جاتا ہوں۔ میں اسی کو زندگی سمجھتا ہوں اور اس میں فخر محسوس کرتا ہوں۔

"سرودِ رفتہ" بہت خوبصورت اور اشفاق کے تعلق سے یوں بھی بہت موزوں ہے کہ وہ اقبال کا عاشق تھا۔ "سرودِ رفتہ" اقبال ہی کی ترکیب ہے۔ یہی نام رکھو اور زینت ساجدہ کو پھر یاد دلاؤ۔ اصرار اور تقاضہ کرو کہ وہ دیباچہ لکھ دے۔

میرا خیال ہے کہ اس مجموعہ میں خطوط شامل نہ کرو۔ کیوں کہ غالباً خطوط کی تعداد زیادہ نہیں ہو گی اور اگر ہو گی تو اس میں ادبی نکات کم ہوں گے کیوں کہ اشفاق نے مجھے جو خطوط لکھے تو وہ ایسے ہی تھے۔ اب تک کتنے خطوط جمع کئے ہیں اور کن اہم شخصیتوں کے نام ہیں؟ کیا ان میں ادبی نکات یا اس کی نثر کی چاشنی موجود ہے؟

میں اکیلا آ رہا ہوں اور جب تک تم لوگ بور نہ ہو جاؤ قیام کروں گا۔

اپنی امّی کو آداب۔ مجھے تمہارا خط پڑھ کر اتنی ہی مسرت ہوتی ہے جتنی کہ تمہیں میرا خط پڑھنے سے ہوتی ہو گی۔ مجھے میرے اشفاق کے بچّے اتنے ہی عزیز ہیں جتنے کہ اپنے بچے۔ سال میں تم سب سے زیادہ عزیز ہو کہ میں بیٹی سے محروم ہوں۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری ذات میں مجھے اپنی بیٹی مل گئی۔

مخلص
خلیل [illegible]

[illegible]

۳۰ر اپریل ۱۹۷۹ء

ناظم آباد۔ کراچی

سیمیں بیٹی !

دعا، پیار۔

اپنے کسی عزیز کے ذریعہ بھیجی جانے والی "سرود رفتہ" کی پانچ کاپیوں کے ملنے کی جتنی خوشی ہوئی اس سے زیادہ تشویش اس کی ہے کہ پہلے جو پانچ نسخے بھجوائے تھے وہ کہاں غائب ہو گئے۔ جس توسط سے تم نے کتابیں بھیجی تھیں اسے آئندہ اختیار نہ کرنا اور ان سے ذرا ہوشیار ہی رہنا۔

یہاں روزنامہ جات میں کتاب پر تبصرہ شائع ہو گیا ہے جس کی فوٹو نقل اور چند تبصرے آنے کے بعد بھیجوں گا۔ کتاب میں مولوی عبدالحق پر جو مضمون ہے اس کی فوٹو نقل ماہنامہ "قومی زبان" کو دی ہے تاکہ اگست میں چھپنے والے بابائے اردو نمبر میں شائع کیا جا سکے۔

ایک کاپی مہدی بھائی کو کل بھیج دوں گا۔ یہاں مہدی بھائی نے مجھے بتایا کہ تم ان کی بھاوج ہو۔ میرے گھر کے علاوہ تمہارے لیے کراچی ایک اور گھر ہو گیا۔ اب اپنے دولہا کے ساتھ آؤ۔ چشم روشن دل ماشاد۔ باقی کتابیں بھی تبصرے کے لیے تقسیم کر دوں گا تم اطمینان رکھو۔

غالباً اس سے پہلے کے خط میں لکھا تھا کہ ایک مضمون شروع کیا ہے "نہ یار زندہ نہ محبت باقی" اشفاق پر بھی تھا۔ ابھی تک مکمل نہ ہو سکا۔ یہ نہیں کہ میرا یار طرحدار میرے جسم و جان پر حاوی نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ میں اشفاق پر لکھے ہوئے پچھلے مضامین پڑھنا اگر نہیں تو اسی معیار کا مضمون لکھنا چاہتا [illegible] اور وہ ابھی تک نہیں لکھا۔ شاید کہ لکھ ہی لوں (افسوس یہ مضمون لکھا [illegible]

سوال آپکے
جواب ہمارے

محمد نہال احمد صدیقی
پی ایچ ڈی اسکالر
سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد

محمد نجم الدین ۔ سکندرآباد

سوال: ہندوستان میں پہلی بار سرکاری طور پر مردم شماری کب ہوئی تھی۔

جواب: ۱۸۷۱ء میں

عبدالمجید ۔ ہمایوں نگر حیدرآباد

سوال: کس ملک میں صنعتی انقلاب کی ابتدا ہوئی تھی۔

جواب: برطانیہ میں

نجم النساء ۔ طے چوکی حیدرآباد

سوال: انڈیا کے پہلے سیٹ لائیٹ (sabellite) کا نام کیا تھا۔

جواب: آریہ بھٹ (Aryabhatta)

محمد امتیاز احمد ۔ حمید نگر

سوال: [illegible]

میر عابد علی عابد ۔ بیگم بازار حیدرآباد

سوال: رکن پارلمنٹ بننے کیلئے کم از کم کتنی عمر ہونی چاہیئے؟

جواب: ۲۵ سال سے کم نہ ہو

ریحانہ بیگم ۔ گوشہ محل حیدرآباد

سوال: کس مرض میں Dialysis استعمال کیا جاتا ہے۔

جواب: (Kidney trouble) گردے خراب ہونے پر Dialysis استعمال کیا جاتا ہے۔

محمد اعظم ۔ ملک پیٹ حیدرآباد

سوال: کیرالا کی کونسا ڈانس کیا جاتا ہے

جواب: کتھاکلی کیرالا کا مشہور ڈانس ہے

شاہکار

نور جہاں بیگم ۔ عثمانیہ یونیورسٹی

سوال: حکومت بہت کچھ کر رہی ہے لیکن پھر بھی ہمارے ملک میں بیروزگاری بڑھتی جا رہی ہے اس کی وجہ بتائیے گا۔

جواب: بڑھتی ہوئی آبادی ہی اس کی خاص وجہ ہے ۔

علی ۔ مراد نگر حیدرآباد

سوال: بھودان تحریک کا آغاز کس نے کیا تھا۔

جواب: شری آچاریہ ونوبھاوے نے

محمد عبدالرحیم ۔ [illegible]

سوال: بنارس ہندو یونیورسٹی کے بانی کون تھے؟

جواب: شری مدن موہن مالویہ بنارس یونیورسٹی کے بانی تھے

محمد انوارالدین، دبیرپورہ [illegible] حیدرآباد

سوال: بلند دروازہ کہاں ہے اور اسکی تفصیل بتائیے؟

جواب: بلند دروازہ آگرہ کے قریب میں واقع ہے اسکو اکبر اعظم نے تعمیر کروایا تھی اور اسکی اونچائی ۱۷۶ فٹ ہے۔

نسیم النساء، چنچل بستی حیدرآباد

سوال: بھارت کی پہلی لوک سبھا کے عام انتخابات کب کروائے گئے؟

جواب: ۱۹۵۲ء میں

سلسلہ ص ۳۹

مگر نہ لکھ سکا تو اسے کاہلی نہیں بلکہ ابتدائے عشق سمجھنا کیوں کہ میں [illegible] یہ محسوس کرتا ہوں کہ "ذکر یار چلے" میں جو کچھ اور جس طرح میں نے لکھا ہے شاید آئندہ لکھ سکوں۔

اچھا بیٹی! میری اور اپنی چچی کی طرف سے اپنی امی کو بہت بہت آداب اور تم سب کو پیار دعائیں۔

تمہارا [illegible] الحسن

نوٹ: آخر میں "شاہکار" مسٹر [illegible] بھی خطوط کو ہمارے رسالے میں شائع کرنے کی اجازت دی۔

مومن خاں شوق
معتمد عمومی مرکز ادب حیدرآباد
مشرق پیلس ۳-۲۲-۳۰۹ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد۔

تبصرہ: ماہنامہ "آندھرا پردیش" (اردو)

اگست۔ ستمبر ۱۹۹۳ء۔ جلد : ۳۲۔ شمارہ : ۱

کسی بھی ریاست کی جانب سے اشاعت ہونے والا اردو ماہنامہ اس ریاست کی سیاسی، سماجی، معاشی ترقیاتی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے جس سے اردو داں عوام معلومات حاصل کرتے ہیں۔ ریاست آندھرا پردیش کا ماہنامہ آندھرا پردیش (اردو) اپنی مثال آپ تھا مگر کافی عرصے سے اسکی اشاعت چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر بند تھی کمشنر اطلاعات آندھرا پردیش جناب ڈی وی ایل این سومیا جی (آئی اے ایس) کی چیف ایڈیٹر شپ اور انچارج ایڈیٹر خواجہ حسین احمد کی نگرانی میں پھر سے آندھرا پردیش (اردو) اگست ستمبر ۱۹۹۳ء شائع ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے جس کی قیمت صرف دو روپیے ہے اس کے لیے جناب ڈی وی ایل این سومیا جی (آئی اے ایس) قابل مبارکباد ہیں۔

آئینہ ابتدائیہ [illegible] کے بعد سے یہ بتا دوں کہ یہ شمارہ گرشتہ اشکوہ ہندوستان جدوجہد آزادی کی گولڈن جوبلی تقاریب کا ایک نمائندہ ہے۔ سرورق و نقش ہے جاذب نظر حقیقت [illegible] حیدرآباد میں [illegible] کے اضلاع کے [illegible] شہر [illegible] آندھرا پردیش کا

خریداری قبول کرتے ہوئے اس کی سرپرستی کرنے لگیں تو آندھرا اس کی اشاعت میں
کبھی بھی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی۔ تعلیمی، معاشی، سماجی، سائنسی، سیاسی، ثقافتی
اور تاریخی موضوعات پر دلچسپ اور معیاری مضامین بھی "آندھرا پردیش" کے لیے
قبول کیے جاتے ہیں اور محکمہ ان مضامین پر معاوضہ بھی ادا کرتا ہے "۴۸ صفحات کا یہ
شمارہ جس کی ماہانہ قیمت دو روپے اور سالانہ ۲۴ روپے اس دور میں نہایت ہی مناسب
ہے۔ اس شمارہ میں ضلع کریم نگر میں ترقیاتی سرگرمیاں ایک جائزہ، یوم آزادی،
پندرہ اگست ۱۹۰۸ء میں موسیٰ ندی کی تباہ کن طغیانی اور شہر حیدرآباد لافانی محبت کا
نشان (انگریزی مضمون سے ترجمہ) کے علاوہ بنگیرو بکش و ویڈیو ویب ولنٹ یوم آزادی
۱۵ اگست اور ریاستی حکومت کے زیر اہتمام ہندوستان جمہوریہ کی گولڈن جوبلی تقاریب
شریک ہیں۔ حصہ نثر میں " نیا شوالہ (ہندوستان) اور تمنا علامہ اقبال" محمد جمیل الدین
صدیقی نے بڑی محنت سے لکھا ہے۔ "کرنسی نوٹ" جناب محمد رضی الدین معظم "مخدوم
محبت اور محنت کا شاعر" جناب عتیق الرحمٰن مظفر" انسانیت کب تک استحصال کا
شکار رہے گی" جناب محمد نہال احمد صدیقی" قدرت ولیم کا زلزلہ اور اردو نثر کا ارتقاء"
تجربہ کار صحافی اور ممتاز مضمون نگار جناب رشید الدین کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔
اسکے علاوہ حصہ نظم میں جناب عرفان بریلوی اور عزیز آزاد خاں کی غزلیں، نظم تلاش بسید داؤد رفیق
اور مرقی کرکلار بناد" مرمن خاں شوق قابل مطالعہ ہیں جناب خواجہ حسین احمد قابل مبارکباد ہیں
امید کہ خوب سے خوب ترکی کوشش جاری رہے گی۔ تمام اردو دانوں سے میری درخواست ہے کہ اس
رسالے کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنیں اور بنائیں۔

پتہ : ماہنامہ آندھرا پردیش
کمشنر اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا
گگن وہار، مکرم جاہی روڈ حیدرآباد

سیدہ مہر، اورنگ آباد

نعت شریف

"یہ سب تمہارا کرم ہے مولا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے"
تمہاری رحمت کے زیر سایہ ابھی یہ دنیا سجی ہوئی ہے
ہے عرشِ اعظم پہ نام نامی تمہاری توصیف کیا بیاں ہو
تمہاری خوشبوئے خوش کلامی نفس نفس میں بسی ہوئی ہے
دعا جو اُمت کی دی تھی تم نے اُسی کا اب تک اثر ہے باقی
اُسی سہارے سے میرے مولا متاعِ ایماں بچی ہوئی ہے
تمہارے قدموں میں ساری دولت تھی تمہیں کیا ہے مال و زر کی
مگر قبا میں لگے ہیں پیوند عبا پرانی سلی ہوئی ہے
ہے سخت بستر تو چٹائی پہ گا دی نہ سر کے نیچے ہے کوئی تکیہ
ہر ایک شے میں سادگی ہے جو عشرتوں سے ہٹی ہوئی ہے
کوئی سوالی گیا نہ خالی تمہارے در کی یہ برکتیں ہیں
ملے جو دولت کی کان صبح و شام تک سب بٹی ہوئی ہے
یہ سارے جرم و خطا کے بندے ہیں سرنگوں شرمسار یکسر
شفیعِ روزِ ابد تمہیں ہو یہ آس سب کو لگی ہوئی ہے
نہ کوئی خواہش ہے زندگی میں جو تھی تمنا تو بس یہی ہے
[illegible] کی [illegible] دل میں بسی ہوئی ہے

جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

مسلمان کوئی ہو مسجد کو بھلا کر نہیں سکتا

وہیں جو بن گئی مسجد وہ مسجد تا قیامت ہے

اے ظالمو تم نے یہ کیا کیا ہے　　کروڑوں دلوں سے دھواں اٹھ رہا ہے
خدا کا مکان وہ جو ڈھایا گیا ہے　　وطن ساری دنیا میں رسوا ہوا ہے
جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

ذرا اپنے چہرے سے پردہ اٹھاؤ　　جو کالک لگالی اسے دیکھ پاؤ
یہ جو کچھ کیا اس پہ گردن جھکاؤ　　جنونی حماقت سے اب باز آؤ
جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

یہ فرقہ پرستی کا اک زلزلہ تھا　　یہ قومی تباہی کا اک سانحہ تھا
ضمیر اس سے انسان کا چیخ اٹھا تھا　　سراسر یہ طرز عمل ناروا تھا
جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

یہ تاریخ آج اپنی سر مار رہی ہے　　کروڑوں دلوں کو یہ تڑپا رہی ہے
یہ مظلوم کا خون گرما رہی ہے　　یہ دنیا کی ہر قوم سمجھا رہی ہے
جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

سیکولر گلستاں کو یوں نہ اجاڑو　　وہ کینہ جو دل میں بھرا ہے نکالو
مذاق اپنے مذہب کا یوں نہ اڑاؤ　　دلوں کو نہ توڑو یہ ٹوٹے ہیں جوڑو
جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

ہیں کتنے ہی دل آج مغموم افسوس　　ہوئے کتنے جانوں سے محروم افسوس
بلکتے ہیں ہر سمت معصوم افسوس　　مگر دیکھیے ان کا [illegible] افسوس

جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

خوشی سے کئی ایک مندر بناؤ ، مگر دل کا مندر کسی کا نہ توڑو
خدا اور بھگوان الگ کب ہیں بھائیو نہ مندر گراؤ نہ مسجد گراؤ

جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

کہا منتظم کے مشکور ہیں ہم دعا ہے سلامت رہے ان کا دم خم
وہ ارجن، ارشد، اور شرما ہیں ہمدم سمجھتے ہیں وہ جان لیوا ہے یہ غم

جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

حکومت کو اے دل چلو یہ سناؤ جو وعدہ کیا ہے اسے کر دکھاؤ
وہ دھمکی سے انکی نہ تم لڑکھڑاؤ وہ مسجد سے اب مورتی کو ہٹاؤ

جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

وہ ہندو مسلماں یا سکھ عیسائی یہ آپس میں ہیں سب کے سب بھائی بھائی
نہ ہو جائے پھر اور بھی جگ ہنسائی تمہیں رام کی دے رہا ہوں دہائی

جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

ہر اک اپنی حالت پہ پشیماں ہے ثاقب بڑا غم میں ہندو مسلماں ہے ثاقب
حکومت بھی خود ہی پریشاں ہے ثاقب اب اس کا علاج ایک فرماں ہے ثاقب

جو توڑی گئی ہے وہ مسجد بناؤ

جناب محمد اللہ خاں ثاقب عابدی
حویلی قدیم 22-4-467
حیدرآباد

ڈاکٹر ندیم الرحمن خاں ندیمؔ

برکت نظارہ

(حرم پاک اور مسجد نبوی کو دیکھ کر)

جب دور سے مسجد کے مینار نظر آئے
مجرم کو رہائی کے آثار نظر آئے

مکّہ ہو مدینہ ہو عرفات کہ مزدلفہ!
ہر جا میں رحمت کے انبار نظر آئے

یہ میرا جنوں ہے یا کعبہ کی تجلّی ہے
اک بار اگر دیکھوں سو بار نظر آئے

تاریخ حجازی کے اوراق جہاں اُلٹے
کعبہ میں صنم خانے مسمار نظر آئے

جب مسجد نبوی کی آنکھوں نے زیارت کی
ہم لوگ بھی جنت کے حقدار نظر آئے

زردار ہوں مفلس ہوں، بیکس ہوں توانا ہوں
سب ایک ہی دلبر کے بیمار نظر آئے

غزل

فاطمہ تاج

کیوں مرے حق میں کوئی فیضِ رواں ہوتا نہیں
کیوں مری حالت پہ کوئی مہرباں ہوتا نہیں

حل نہ ہوگا دوستو! ان بھیگی پلکوں کا سوال
زخمِ دل جب تک کہ رشکِ گلستاں ہوتا نہیں

کیسے ہو رقصِ بہاراں، کب منائیں جشنِ گل
یہ قفس پھر بھی قفس ہے، کیوں مکاں ہوتا نہیں

اک نہ اک دن تو کہیں رکنا پڑیگا ہم نفس!
اس طرح چلنے سے رستہ جاوداں ہوتا نہیں

کس سے پوچھوں کون دیگا میرے اشکوں کا حساب
کیوں وہ میرے حال پر اب مہرباں ہوتا نہیں

ہم نے دیکھا ہی کہاں ہے آنکھ بھر کر ان کو تاج
ایسا کچھ [illegible] ہوتا نہیں

ڈاکٹر محمد نشاالرحمٰن خاں نشاؔ

غزل

قرضِ غم و نشاط ادا کر رہے ہیں ہم
ہستی کے واجبات ادا کر رہے ہیں ہم

ہر اک کو کیا بتائیں کہ ہنس ہنس کے کس طرح
تاوانِ کربِ ذات ادا کر رہے ہیں ہم

دشواریوں میں جینا جو اک فرضِ عین ہے
کس عمدگی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں ہم

ہر تازہ واردات پہ دے دے کے دادِ غم
جی جان کی زکوٰۃ ادا کر رہے ہیں ہم

آلامِ بے شمار کی تیغوں کے سائے میں
اخلاص کی صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں ہم

سوزِ دروں کی آگ میں جل بجھ کے رات دن
جرمانۂ حیات ادا کر رہے ہیں ہم

احباب کا رویہ تو اچھا نہیں مگر
فرضِ تعلقات ادا کر رہے ہیں ہم

شاہد ہیں نشاؔ روح کی یہ تلملاہٹیں
محصولِ خواہشات ادا کر رہے ہیں ہم

ماہنامہ

شاداب

حیدرآباد

قیمت: 6/

جلد (۱۰) شمارہ (۲) فروری ۱۹۹۳ء حیدرآباد

زرِ تعاون

ہندوستان	سالانہ 65 روپے	۲ سال 120 روپے	تاحیات 1500 روپے
خلیجی ممالک	200 "	360 "	3700 "
امریکہ	40 ڈالر	70 ڈالر	700 ڈالر
انگلستان	25 پونڈ	45 پونڈ	400 پونڈ
پاکستان	175 پاکستانی روپے	300 پاکستانی روپے	5000 پاکستانی روپے

ترسیل زر کا پتہ:-

ماہنامہ "شاداب" 11-5-147 ریڈہلز حیدرآباد

● ایڈیٹر پرنٹر پبلشر محمد قمرالدین صابری نے نیشنل فائن پرنٹنگ پریس کیلئے پبلک پرنٹرس چھتہ بازار سے چھپوا کر دفتر "شاداب" 11-5-147 ریڈہلز حیدرآباد سے شائع کیا۔

فہرست

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب ۔ ناگپور

اسلام میں مساجد کی اہمیت اور اسکی ضرورتیں

اس زمین پر بسنے والے انسانوں میں سے جو لوگ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنا ماتھا اسی ایک اللہ کے سامنے زمین پر رکھ دیتے ہیں جسے وہ اپنا مسجود سمجھتے ہیں۔ سجدہ میں گر جانا چاہیئے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہر اعتبار سے بندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد مساجد کا نظم و نسق مسلمانوں کے ذریعہ اس زمین پر ہوا۔ یہ ان کا ایک مثالی کارنامہ ہے۔

مسجد کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار اللہ نے تذکرہ فرمایا۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (۷۲ سورہ جن آیت ۱۸)

ترجمہ: بے شک سب سجدے صرف اللہ کے لیے کرو اللہ کے ساتھ دعا میں کسی ایک کو بھی مت پکارو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ سجدے کے سارے حقوق شریعت محمدیہ میں صرف ایک اللہ کیلئے ہیں اور دعا بھی اللہ کے سوا کسی غیر سے نہیں مانگی جا سکتی۔

تمام مساجد کا رخ قبلہ کی طرف ہے۔ اجتماعی طور پر اللہ کو جہاں سجدہ کیا جاتا ہو اس جگہ کو

ساجدین کی سہولت کے لیے ہر عمارت قبلہ رخ بنائی جاتی ہے مسجد کہتے ہیں اور ایسی عمارت کی بنیاد رکھنے کے پہلے دن سے ہی صرف ایک اللہ کی بندگی کی یعنی خالص خدا پرستی کے فروغ کی یہ عبادت گاہ اللہ کے نزدیک بڑی مقبول ہے۔

طہارت اور پاکیزگی :-

قرآن مجید میں فرمایا گیا :-

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

(۹۔ سورہ توبہ آیت ۱۰۸)

ترجمہ :- "آپ تو صرف اسی مسجد میں نماز کے لیے کھڑے ہوں جسکی بنیاد اول روز سے خدا پرستی پر رکھی گئی ہو، واقعی اس مسجد کا حق بہت زیادہ ہے کہ آپ صلعم اس میں نماز کو کھڑے ہوں اسکا سمجھ کے یہ نشان ہے کہ اسکو ایسے آدمی آباد رکھتے ہیں جو طہارت اور پاکیزگی کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں اور اللہ ان لوگوں سے محبت فرماتا ہے جو خوب ستھرے ہوں۔"

اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ مکرمہ کی تعمیر کے لیے جو حکم دیا اسکی بنیاد پر جو عمارت بنی اسے مسجد حرام کہا جاتا ہے اسکے معنیٰ ہیں ، ادب والی مسجد احترام والی مسجد یعنی جسکا ادب اور احترام تمام مومنین پر لازم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کعبہ مکرمہ کے اندر نماز پڑھی جاتی تھی ہر سمت میں آدمی رخ کر سکتا ہے چونکہ عمارت کے اندر جا کر ہر رخ پر نماز پڑھ سکتا ہے اور اسطرح بھی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کے اندر داخلہ کا شرف عطا فرمایا ہے وہ اسی طرح ہر رخ پر نماز پڑھتے ہیں یہاں ایک دوسرے کی طرف انکا پیٹھ ہونا کوئی دشواری ہے۔ اور جب نماز کعبہ کے باہر ہوتی ہے ہر شخص کا منہ بیت اللہ شریف کی طرف ہی ہوتا ہے

اسی قاعدے کے مطابق روئے زمین پر تعمیر ہونے والی ہر مسجد کا رُخ کعبہ کی طرف ہوتا ہے
اس تعمیر میں مشرق مغرب، شمال اور جنوب کی کوئی قید نہیں ہے

ڈوبتے سورج کی طرف ہرگز نہیں :-

اتفاق کی بات ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں کعبہ شریف مغربی سمت میں پڑتا ہے بعض ناواقف غیر مسلم جو اسلام سے واقفیت نہیں رکھتے وہ یہ سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہ سمجھاتے ہیں کہ مسلمان ڈوبتے سورج کی طرف منہ کرکے سر جھکاتا ہے۔ یہ انتہائی غلط بات ہے مسلمان صرف ایک اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ اور ساری دنیا کے مسلمان نماز کے لیے زمین کے جس حصّہ میں جہاں بھی کھڑے ہوں کعبہ کی طرف ہی منہ کریں گے۔

ہندوستان کے سوا دوسرے ملکوں کی مساجد کا رُخ کس طرف؟

آسٹریلیا، چائنا، جاپان، روس، امریکہ اور ساری دنیا کے ملکوں میں بنی ہوئی تمام مساجد کا رخ صرف کعبہ والی مسجد کی طرف ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ملک میں مسجد کی تعمیر کا رُخ کہیں پورب کی طرف، کہیں پچھم، کہیں شمال، کہیں جنوب کی طرف ہوتا ہے یا دو سمتوں کے کونے کے رُخ پر بیت اللہ کا رخ پڑتا ہے تو مسجد کا رُخ بھی اسی طرف ہوگا۔ جیسے کہ مغربی شمالی کونہ، مغربی جنوبی کونہ، مشرقی شمالی کونہ، مشرقی وغیرہ وغیرہ

اب جاننا چاہیے کہ مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت کا اہتمام مسلمان کرتے ہیں جس شخص کا نماز باجماعت کے وقت پر مسجد پہنچنا نہ ہوا وہ پھر اکیلے نماز پڑھ سکتا ہے۔ نماز میں قیام، قرآن شریف کا پڑھنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا اور دوسری بہت سی چیزیں جو شریعت میں بتائی گئی ہیں الحمدللہ مسلمان اس پر عمل کرتا ہے

وضو کا اہتمام

نماز کے لئے مسجد میں کھڑے ہونے سے پہلے اسے بدن کی پاکی کے علاوہ وضو کرنا بھی

فرض ہے جیسا کہ کتاب اللہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (۵. المائدہ آیت ۶)

ترجمہ "اے ایمان والو! جب تم نماز کیلئے کھڑے ہونے لگو تو اپنے چہرے کو دھو لیا کرو اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیا کرو اور اپنے سروں پر مسح کر لیا کرو (یعنی گیلے ہاتھوں سے پھیر لیا کرو) اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو۔"

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی جا سکتی اور وضو کرنے کے پانی کا ہونا ضروری۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے یہ بات اب بہت غور طلب ہے کہ وہ اب ہر مسجد میں وضو کا انتظام بہت ہی وسیع اور صاف ستھرا رکھیں کنویں، بورنگ، واٹر پمپ کا انتظام کریں۔

گھر کا وضو مسجد تک

آج سے ۵۰ برس پہلے آدمی گھر سے وضو بنا کر چلے تو مسجد میں نماز پڑھ لیتا تھا۔ اب بھی آبادیاں بڑھنے کے سبب فاصلے دور دور ہو گئے اس لئے گھر سے وضو کر کے مسجد تک جانا کسی درجہ مشکل ہوتا ہے۔ مسجد کے ذمہ داروں کیلئے بہتری اسی میں ہے کہ مسجد کی بہت زیادہ زینت و آرائش بعد میں کریں نہ کریں اوّل پانی کا اہتمام مسجد میں خاص رکھیں اس کے بغیر موجودہ دور میں مساجد میں نماز باجماعت کو قائم رکھنا ایک مشکل کام ہے۔

پانی کے بغیر زندگی نہیں

کعبہ مکرمہ والی مسجد کی تعمیر کے موقع پر ہر پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے سب سے پہلے اپنی اولاد کو نہ بسایا، پانی کے بغیر زندگی نہیں اور آدمی جی نہیں سکتا

فرمانِ ربی :

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (۲۱-الانبیاء آیت نمبر ۳۰)

ترجمہ: "اور پانی سے ہم نے ہر چیز کو زندگی عطا فرمائی"

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم پانی کا انتظام وہاں خود فرماتے لیکن آپ کے وسائل نہیں تھے کہ وہ کہیں سے نہر کھود کر پانی کو یہاں تک پہنچا لیتے یا کنواں کھود کر پانی کا انتظام کر لیتے۔ اللہ رب العزت نے زم زم کا چشمہ جاری فرما کر یہ اہتمام اپنی قدرت کاملہ کے تحت خود ہی فرما دیا۔ جو آج تک جاری و ساری ہے۔ اہل ایمان کو لا بسانا پہلا کام، دوسرا کام پانی کا انتظام ہو اور تیسرا کام یہ کہ اہل ایمان کیلئے مسجد تعمیر کی جائے۔

مسجد کے ساتھ مسلم آبادی کی ضرورت

ہندوستان میں بادشاہوں نے بے شمار بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کیں جس میں لاکھوں لاکھ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن قسمت کے مارے ان بادشاہوں کو یہ نہ سوجھی کہ ہر مسجد کے آس پاس وہ مسلمانوں کو آباد کرنے کا کام وہ پہلے انجام دے لیتے اور وہاں پانی کا اہتمام کرتے تو یہ مسجدیں ویران نہ ہوتیں۔

آج آثار قدیمہ کے محکمہ کے تحت لاکھوں مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ ان کے آس پاس نمازی نہ رہے۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں وضو بنانے کیلئے پانی نہ ہو وہاں نماز کا قیام کیسے ہو سکتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کیلئے یہ بڑا سوالیہ نشان ہے آج نہیں تو کل انہیں اس مسئلہ کو حل کرنا ہی کرنا ہے۔

اس صدی کی نئی مصیبت اس صدی میں ایک اور نئی مصیبت بھی آپڑی ہے وہ یہ ہے استنجا خانوں کی [illegible] کہ نمازی آدمی نماز باجماعت کیلئے مسجد [illegible]

گھر سے چھوٹے بڑے استنجاء سے فارغ ہو کر چلتا تھا۔ یا پھر راستے میں کسی جگہ استنجاء سے فراغت پا لیتا تھا۔ اب کسی چھوٹے بڑے استنجا کیلئے کسی جگہ مڈی سڑک یا شاہراہ پر کوئی بیٹھ تو بد کمانے بغیر چارہ نہیں۔ عورتوں اور مردوں کی بھیڑ لگتے ہیں سیلاب کی طرح چلتی ہے اسلئے سب مسلمان پر لازم ہے کہ وہ جگہ جو خارج از مسجد کہی جاتی ہے۔ وہاں استنجا خانوں کا خاص طور پر لیٹرین یعنی پاخانوں کا اہتمام کریں۔

آج کے دور کی بڑی سہولت

آج کے دور میں فلش لیٹرین ایک بڑی سہولت والی چیز ہو گئی ہے مسجد میں نمازیوں کی تعداد کا لحاظ دیکھتے ہوئے دس، بیس، پچیس، پچاس، کشادہ بیت الخلاء جسمیں پانی کے نل لگے ہوں۔ اور پانی وافر مقدار میں نمازیوں کو مل سکے تاکہ وہ جلد سے جلد فارغ ہو کر وضو خانوں کے پاس آکر وضو بنا سکے اور نماز میں شریک ہو۔ بڑے بڑے مینارے جب سہولت ہو بعد میں بنا لیجئے۔

مسجدوں کو آباد کرنے کیلئے ضروری چیزیں

مسجدوں کو آباد کرنے کیلئے فی زمانہ اب یہ چیز ضروری ہو گئی ہے۔ پانی کا خاص انتظام وضو خانے اور حاجت خانے کافی مقدار میں ہوں پھر دیکھئے مسجدوں میں نمازیوں کی آمد کیسی بابرکت ہوتی ہے ایک اور دل میں چبھن پیدا کرنے والی بات کہتا ہوں کہ لاکھوں لاکھ دیہاتوں میں مسجدیں ویران پڑی ہیں مسلمان اطراف میں آباد ہیں لیکن مسجد کے ذمہ داروں کی توجہ اس طرف نہیں ہوتی کہ وہ مسائل سے متعلق ان سب ضروری امور کا عملی اقدام کریں۔

اللہ مجھے معاف کرے کہ بے نمازی مسلمان کو بھی جب یہ معلوم ہو جائیگا کہ مسجد میں پانی کا طہارت کا خوب انتظام ہے تو چاہے وہ نماز پڑھے نہ پڑھے لیکن مسجد میں آنا جانا تو شروع

ہو جائیگا۔ خوب کمائے گا، کمنکاریگا۔ بلکہ نکالیگا کسی دن شرم آئی تو نماز کی طرف بھی انشاء اللہ متوجہ ہوگا۔

نام کے مسلمان سے یہی کام لیا جائے

لیکن نام کے مسلمان بے نمازیوں کا مسجد میں آنا جانا دیکھ کر غیروں کو نہ کبھی ہمت ہوگی نہ کبھی جرأت ہوگی کہ وہ مسجدوں کو ہڑپ لینے کی بات بھی سوچ سکے (تجربات ہیں) اور کسی مکان پر قبضہ کیلئے مکینوں کی آمد و رفت، اور آنا جانا بہت ضروری ہے

مسلمان خوب سمجھ لیں کہ اب انہیں عقل کے ناخن لینا ہے زندہ قومیں اپنے کاموں کا محاسبہ کرتی ہیں اور اپنے بزرگوں کے قائم کئے ہوئے اثاثوں کی حفاظت کر کے انہیں مزید بہتر اور آبادی کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتی رہتی ہیں۔

کیا ہی مناسب ہوتا کہ اس دور کے اہل ایمان اپنے بزرگوں کی تعریف بھی کرتے جاتے اور اپنے کردار سے بھی خود بھی یہ ثابت کر دیتے کہ ہم ان مساجد کے تحفظ کیلئے اور ان کے اہتمام اور نظم و ضبط کیلئے وہ سارے ضروری فرائض انجام دیں گے جو ہمارے ذمہ ہیں۔
مسجد پر مضمون لکھتے وقت کچھ ضروری باتیں ذہن میں آئیں جو ہمارے زمانہ کے لحاظ سے بہت اہم ہیں وہ پیش خدمت کر دی گئیں۔

اس کے بعد یہ خادم عرض کرتا ہے کہ دین اسلام میں مساجد کی اہمیت کے پیش نظر اور بھی بہت سے امور قابل غور ہیں اسے قرآن و حدیث کی روشنی میں خیال میں رکھنا ضروری ہے

مسجد کی ویرانی

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا کَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ۔ ۲۔ البقرہ آیت ۱۱۴

"اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے لوگوں کو روک دے اور مسجدوں کے انہدام اور اجاڑ کے درپے ہو"

حاشیہ نے اپنے ترجمہ قرآن میں اس آیت کے تحت حسب ذیل تشریحی حاشیہ درج کیا ہے
تشریح :- فرقہ پرستی اور ٹولہ بازی میں ایک ایک دوسرے کی مسجدوں کو اجاڑنا ایک نہایت ہی ظالمانہ فعل ہے اللہ کی مسجد میں اللہ کا نام لینے سے کسی کو بھی روکنا نہیں چاہیے البتہ غیر اللہ کا نام پکارنے والے مسجد میں علانیہ داخل نہ ہوں بلکہ چھپ کر آتے جاتے ہیں تو زیادہ بہتر اکرنے کی ضرورت نہیں کہ ایک اللہ کی بندگی کرنا ان کا حق بھی ہے البتہ مشرکوں کو کوئی حق نہیں پہونچتا کہ مسجدوں کے متولی بنے رہیں اور توحید پر قائم رہنے والوں کو مجرم بنا کر مسجدوں سے بے دخل کر دیں"۔

وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوٓا أَوْلِيَآءَهُۥٓ ۚ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ (آیت ۳۴ - ۸ - الانفال)

ترجمہ :- کعبہ کی ادب والی مسجد سے انہوں نے لوگوں کو روکا اور یہ لوگ اس مسجد کے متولی نہیں ہو سکتے اس مسجد کے متولی تو پرہیزگار لوگ ہی ہو سکتے ہیں لیکن ان کے بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

مسجد کے متولی : اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجد کے متولی نیک اور پرہیزگار ہی ہو سکتے ہیں، اچکے، مشرک، چور، بدمعاش، جھگڑالو، کم ظرف اور جعل ساز لوگوں کو مسجد کا متولی ہرگز نہیں بنانا چاہیے۔ اس حکم ربانی سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ جل شانہ کا ذکر کرنے کے لیے کوئی شخص مسجد میں آتا ہو اسکو منع کرنا ہمارے لئے جائز نہیں، مسجد میں نماز پڑھنے اور ذکر الٰہی سے روکنا اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے بلکہ کفار و فساق کا شیوہ ہے۔ ذاتی اختلاف یا برادری کی بنا پر کسی شخص کو مسجد میں آنے سے روکیں تو بڑے گناہ کی بات ہے ۳

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُۥ يُسَبِّحُ لَهُۥ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۲۴ - النور آیت ۳۶

ترجمہ :۔ "اس نور کی کرنیں ان گھروں میں پڑتی ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں اونچا اٹھایا جائے اور ان کی عظمت اور ادب قائم رکھا جائے جہاں صبح و شام اللہ کا نام یاد کیا جاتا ہو اور اسکی پاکی بیان کی جاتی ہو"

اس آیت میں کئی باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مسجد کو اونچا اٹھایا جائے دوسری یہ کہ اسکی عظمت ادب کا خوب خیال رکھے، یہ کہ مسجد کی اصل زینت اللہ کا ذکر ہے تسبیح ہے اور نماز ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ اِۨلْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (۲۲-الحج آیت ۲۵)

ترجمہ :۔ بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک دیا اور ادب والی مسجد میں جانے سے بھی روکا جس کے پاس رہنے والے لوگوں کو اور اس مسجد میں باہر سے آنے والے لوگوں کو ہم نے برابر کا درجہ دیا ہے ہمارے اس بیان کے بعد بھی اس محترم مسجد میں ظلم کی بنیاد پر جو کوئی خلاف دین کام کریگا ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

مقامی ہو یا باہر کا یہاں سب برابر ہیں۔

حضرت حق جل مجدہ کے اس مقدس فرمان سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ مسجد میں آنے والا چاہے مقامی ہو چاہے باہر کا ہو یہاں ہو یا وہاں کا مومن ہے مسلم ہے اللہ کی بندگی کے لیے آیا ہے اس شخص کے مقابلہ میں ہم مسجد میں جتھا بندی نہیں کر سکتے

اب ہم اپنے کرتوتوں اور ان حرکات کا جائزہ لیں جو ہم مسجد میں کرتے ہیں موجودہ زمانے میں بعض علماء کرام احتیاط کے پہلو سے ہٹ کر اپنے اپنے مسلک کو ہی دین بنا لیے ہیں اور ان کے ماننے والے دوسرے مسلک والوں کو گمراہ اور بددین سمجھنے لگے ہیں

مسلک کے اعتبار سے الگ الگ مسجدیں بننے لگیں حنفیوں کی مسجد، شافعیوں کی مسجد، مالکیوں کی مسجد، حنبلیوں کی مسجد، یا اہل حدیث اور شیعوں کی مسجد، نہ جانے اور کیا کیا اور کتنے مسلک اور ان کی مسجدیں اب اس میں مزید اضافہ ہوا بریلوی دیوبندی کا مسلک بھی سامنے آ گئے، تب بھی کوئی حرج نہیں تھا کہ ہر مسلمان کسی بھی مسجد میں جاوے اور نماز پڑھ کر اللہ کی بندگی کر کے چلا جاتا مگر بہت سی جگہوں پر ایسا نہیں ہوا بلکہ اب تو ذلت کی بات سامنے آئی کہ مسجدوں میں مارپیٹ دھکا مکی کرنے لگے۔ تھانے میں رپورٹیں دی گئیں اور مقدمے چلنے شروع ہو گئے اب تو بعض مسجدوں میں گولیاں چلنے کی خبر مل رہی ہے غیروں میں جگ ہنسائی کا اس سے بڑا اور کیا فتنہ ہو سکتا ہے۔ توبہ، توبہ۔

کیا مسائل یہ ہیں

کہ کہیں حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے نہ ہونے پر جھگڑا کہیں یہاں سے اذان پکارو کہیں وہاں سے اذان پکارو، کہیں انگوٹھا چومے تو مارے گئے، کہیں انگوٹھا نہ چومے تو بے آبرو کئے گئے، تو آمین زور سے کہی تو موت اور کہیں آہستہ کہی تو ڈانٹے گئے اور نظر میں آ گئے، کہیں ۲۰ رکعات اور ۸ رکعات تراویح کا ہنگامہ۔

کہیں سلام پڑھا جاتا ہے اگر نہ پڑھیں تو مسجد کے باہر نکالے جائیں، کہیں مسجدوں کے ساتھ مزاریں لگی ہیں جو زیارت کے قابل ہیں۔ اور جائیے جرأت نہیں یہاں وہ سب کچھ کیجئے جو مقامی لوگوں کی شریعت کہتی ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں کوئی بات کہی اور کسی فعل سے روکا تو الٹا الزام لگایا گیا، وہابی، لہابی، بد عقیدہ اور بد دین کا خطاب پا کر چلتے بنئے اسی میں خیریت ہے۔

مسائل میں جبر نہ کیجئے

میں ان باتوں میں سے کسی خاص پہلو کو زیر بحث لانا پسند نہیں کرتا، جیسا کہ

حکمت سے۔ لیکن وہ سرعام پر زور و زبردستی نہیں۔۔ ہونا چاہیئے کہ اور لوگوں کو بھی ویسا ہی کرنا چاہیئے جیسا ہم کرتے ہیں، البتہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے فریضہ کے تحت کسی مشرکانہ فعل پر جیسے قبروں کو سجدہ کرنا، طواف کرنا، پتھروں کو پوجا جانا۔ طاقیں بنانا، قوالیاں کرانا اور گانا بجانا، ڈھول تماشے، یا نسری انجیر، الٹا تالی اور طنبورے کے ساتھ مسجد کے احاطہ میں نبی مزاروں پر اپنی گھڑی ہوئی رسومات ادا کرنا، ایسی حرکتوں پر کسی غیرت مند مومن کو ضرور روک ٹوک کرنی ہی چاہیئے۔ اصلاح کے جذبہ کے ساتھ محبت، نرمی، دانش مندی، دانائی اور حکمت سے لوگوں کو سمجھانا درست ہے لیکن جہاں یہ محسوس ہو کہ اس روک ٹوک سے اصلاح کے بجائے مزید خرابیاں پیدا ہونگی اور لوگ مسجد کے احاطے میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں برسرِ جنگ ہوں تو ایسے موقع پر احتیاط ہی بھلی ہے

دوسری جانب اس سے کم تر درجہ کے اختلافی مسائل ہیں۔ جیسے خلف امام سورۂ فاتحہ پڑھنا۔ زور سے آمین کہنا، رفع یدین کرنا، ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا یا دونوں ہاتھ سے کرنا، نماز کے بعد کلمۂ طیبہ ایک خاص لَے میں جماعتی طور پر پڑھنا اور پڑھانے یا بالعموم پر اجتماعی شکل میں ذکر اللہ کرنا۔ ان سب کا معاملہ میں رعایت ہونی چاہیئے کریں تو ٹھیک ہے نہ کریں تو ان کی مرضی، یہ سب کرنے والے لوگوں پر لعنت ملامت نہ کریں۔ اور نہ کرنے والے کرنے والوں کو برا بھلا نہ کہیں۔

غیروں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجئے۔

مسجدوں کو ایسے اختلافات کا شکار نہ بنایا جائے تو زیادہ اچھا ہے۔ اس قسم کے معاملات کے جھگڑے آپس کی غرض سے جب اخبارات میں آتی ہیں تو اسلام دشمنوں کو ہنسنے کا [illegible] اسلام کا [illegible]

اور اس سے الگ ہو کر بہت سے فرقوں اور اہم دعوتی عنوانات پر دعوت کا کام کرنے والوں کیلئے میدان بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ اور غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ یہ مسلمان جب ہندوؤں اور غیر قوموں سے لڑنے سے فراغت پاتے ہیں تو پھر آپس میں مار پیٹ کا دور شروع کر دیتے ہیں اور اپنی عبادت گاہوں تک کو میدانِ جنگ بنا لیتے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بیسویں صدی کا یہ دور سائنس اور ٹکنالوجی کا دور ہے انسان چاند پر کمند ڈال چکا ہے اور قدرت کے خزانوں کی کھوج میں بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ ابھی اور قدرتی خزانوں کی تلاش میں مصروف ہیں، ایسے موقع پر عوام الناس کو قرآنی ہدایات اور سنت کے سانچے ڈھانچے پر قائم ہونے کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ اور اس کام کے لیے مساجد الحمدللہ بہت مفید ثابت ہو رہی ہیں اور یہ ہمارے دعوتی مراکز ہی اگر امت کے اختلافی مسائل کا شکار بنائے گئے جیسا کہ بڑی حد تک اس طرح کے کام میں امت آدھے سے زیادہ منزل طے کر چکی ہے۔ سمجھ لیجئے کہ اب ہماری خیر نہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ (۵۹۔ الحشر آیت ۲)

آنکھوں والوں اس واقعہ سے عبرت پکڑو۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ

(۳۹۔ الزمر آیت ۱۷۔۱۸)

بس میرے ایسے بندوں کو خوشخبری سنا دو، یہ وہ لوگ ہیں جو میری بات کو دھیان سے سن کر اس پر اچھی طرح حسن و خوبی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔

صاحب کتاب اُمت

ہر مسلمان کو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ ہم ایک صاحب کتاب اُمت ہیں۔ اللہ، یومِ آخرت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لانا نیز

نبی صلعم کی سنّت پر قائم رہنا ہمارے دنیا و آخرت کی تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ چاہیے ہم میں لاکھ کمزوریاں ہوں لیکن ہمارے تمام کام کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کے مطابق ہونے ہی چاہیئے۔ میں نے جو باتیں مساجد کے تعلق سے اس مضمون میں عرض کی ہیں اس کے بارے میں کتاب اللہ کی چند آیات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

پانی اور طہارت کی اہمیت

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے کتاب مبین میں ارشاد فرمایا۔

اجعلتم سِقَايَةَ الحَآجِّ وَعِمَارَةَ المسجدِ الحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ واليومِ الاٰخِرِ وَجَاهَدَ فى سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِندَ اللّٰهِ ؕ واللّٰهُ لَا يَهدِى القَوْمَ الظّٰلمين۔ (۹۔التوبہ۔آیت ۱۹)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور ادب والی مسجد کا انتظام رکھنا اس کے برابر کر دیا جو اللہ پر ایمان لایا اور اللہ کے راستے میں جان لڑا دی جب کی اللہ کے یہاں درجہ میں یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور ظالم قوم کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت میں کئی مضامین بیان کئے گئے ہیں لیکن وہ بات جو اس مضمون سے متعلق ہے یہ ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کیلئے آنے والوں کے واسطے پانی کا انتظام کرنا اور مسجد کو آباد رکھنا دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی جلی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حکم ہے۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُود ۲۲/۲۶

ہاں میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا۔"

اسلام میں صاف ستھرے پن سے بڑھکر جو اعلیٰ سطح کی چیز ہے وہ طہارت اور

پاکیزگی ہے۔ جسکے بغیر نماز اور دوسری اہم عبادتیں ادا نہیں کی جا سکتیں۔

اب یہ بات ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مساجد میں صرف صفائی اور چمک دمک یا ظاہری زینت و آرائش اور ٹیپ ٹاپ کافی نہیں ہے بلکہ طہارت اور پاکیزگی کا نظم مسجد کے ذمہ داروں کی جواب داری ہے اور ان پر لازم ہے کہ مسجدوں کے ساتھ لگی جگہوں پر طہارت خانوں اور کثیر مقدار میں پانی کا انتظام رکھیں اس دور میں یہ بہت ضروری ہے، اس مضمون میں یہ بات بھی لکھنا ہے کہ گاؤں اور قصبوں کی مسجدوں عیدگاہوں حتیٰ کی قبرستان تک میں مسلم ذمہ داروں اور متولیوں کو چاہیئے کہ بڑی ہوشیاری اور بیدار کسی سے آنے والے زمانہ میں ان کی حفاظت کی فکر کریں اور ان مقدس مقامات کے بچانے اور محفوظ رکھنے کے جو بھی ذرائع ہوں ان کو بہت جلد اختیار کریں۔)

اسطرح انشاءاللہ آئندہ کے لیے بھی یہ سارے مقامات محفوظ ہو جائیں گے، مسلّی اور پانی کا جہاں نظم ہو جائیگا وہاں انشاءاللہ مسلمان خود بخود نماز، طہارت اور دینی تعلیم سے جڑ جائیگا۔

مالدار لوگ امت پر احسان کریں

اب رہا یہ سوال کہ کون کرے اور کیسے ہو اسکا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سیٹھ اور ساہوکاروں کی کمی نہیں ہے، شادی بیاہ میں لاکھوں لاکھ خرچ کرتے ہیں اگر یہ لوگ اس طرف توجہ کریں اور گاؤں کی مسجدوں کے علاوہ، عیدگاہوں اور قبرستانوں میں پانی وغیرہ کے انتظام کے لیے رقم خرچ کریں تو امت اور ملت پر انکا بڑا احسان ہوگا، اور یہ خود اللہ رب العزت کے دربار میں اجر عظیم کے مستحق قرار پائیں گے، اس میں کوئی بڑی رقم بھی خرچ نہیں ہوگی، علاقہ کے لوگ خود ہی کر سکتے ہیں۔

کیوں کہ بڑی عالیشان عمارتیں اور بلند مینارے بنانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ معمولی چھپر ایک مصلیٰ اور کچھ شطرنجیوں سے۔

دیہات اور قصبوں میں مساجد کی خبر لیجئے

ان قابل احترام جگہوں کے تحفظ کیلئے راقم الحروف یہ ضروری سمجھتا ہے کہ مسجدوں، عیدگاہوں، اور قبرستانوں کے وسعت و پھیلاؤ نیز آنے جانے والوں کی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے استنجاء خانوں اور فلش لیٹرین کے ساتھ ساتھ کنویں، بورنگ اور واٹر پمپ کا انتظام اب ضروری ہو گیا ہے دیہات و قصبات کی مساجد کی خبر لیجئے انکی بڑی بھاری تعداد غیر آباد ہے جس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن ایک بڑی وجہ پانی اور طہارت خانوں کا نظم نہ ہونا ہے، عیدگاہوں اور قبرستانوں کی بڑی وسیع اور کشادہ جگہیں اللہ کے فضل سے اب بھی محفوظ ہیں، کیا ہی اچھا ہو تا کہ جن لوگوں کے زیر انتظام یہ قابل احترام مقامات ہیں وہ آئندہ بھی ان کی حفاظت کے اسباب و ذرائع پیدا کرلیتے مثلاً عیدگاہوں اور قبرستانوں کے آس پاس کی زمینوں میں مسلمانوں کو آباد کرنا، کنویں میں بورنگ اور واٹر پمپ لگانا، وضو کرنے اور نماز پڑھنے کے ضروری سامان کا وہاں چھوڑے رکھنا جیسے مصلے اور شطرنجیاں و قبلہ رخ پر کوئی سائبان اور چھپر ڈال دینا جس میں اطراف میں بسنے مسلمانوں کے دینی تعلیم کا کام ہو جائے گا

جہاں کام آسان نہیں

ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری بے شمار مسجدیں اور دوسرے قابل احترام مقامات آثار قدیمہ کے تحت حکومت کے قبضہ میں ہیں، وہاں تو ہم سر دست کچھ بھی نہیں کر سکتے نیز جو مقامات اوقاف کے تحت ہیں ان میں بھی یہ سب کام آسان نہیں، البتہ جن علاقوں کی مساجد، عیدگاہیں اور قبرستان مسلم متولیوں، کمیٹیوں اور ٹرسٹیوں کے زیر انتظام

میں سب سے یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

امت کیلئے ساری زمین مصلّیٰ ہے۔

مضمون کے اختتام پر یہ بات عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ شہری آبادی میں فلیٹ سسٹم جاری ہو گیا ہے آبادی کے پھیلاؤ کی بنا پر اب اونچی بلڈنگوں کی تعمیر ضروری ہو گئی ہے ایسی صورت میں اسے نہ بھولنا چاہیے کہ اس طرح کی گنجان آبادی اور فلیٹوں میں نماز کی ادائیگی کے لیے ہر ایک کا مسجد پہنچنا ممکن نہیں ہوا، لہٰذا مسلمانوں کو یہ عمل کرنا ہوگا کہ جہاں پانچ، دس مسلم خاندان کسی کمپلکس میں رہتے ہوں یا اہل ایمان کی فیکٹریاں اور دکانیں ہوں وہ اپنے فلیٹوں، فیکٹریوں اور دکانوں میں کسی مناسب جگہ مصلّیٰ بچھا دیں وضو اور طہارت خانہ کا بھی انتظام کریں، اذان و اقامت منہ سے ہی دی جائے فی الحال لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہ کیا جائے، اس طرز کو اپنانے سے لاکھوں لاکھ مصلّے ان شاء اللہ آباد ہو جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ساری زمین مسجد ہے

اللہ کا شکر ہے اس عاجز کے مشورہ دینے پر لوگوں کے اندر یہ عمل جاری ہو گیا ہے اسی طرح ہر چھوٹے بڑے مسلمان خاندان کو اپنے گھر میں ایک جگہ مصلّیٰ بچھا کے رکھنا چاہیے قبلہ رخ بھی معلوم ہو تمام رہیگا اور کبھی کوئی فرد کسی وجہ سے جماعت کے لیے مسجد نہ جا سکا تو گھر ہی میں نماز پڑھ لے اسکے علاوہ نوافل کا بھی اہتمام رکھے بچوں کو نماز کی تلقین کرے اور رغبت دلائے، اگر ایسا ہو جائے تو ان شاء اللہ عمومی طور پر صلوٰۃ، آفاق کے سانچے میں ڈھل جائیگی۔ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ میرے عاجزانہ مشورہ کو قبول کیا جائیگا اور جہاں بھی مسلمان ہوں گے وہاں نماز ہی نماز ہو جائیگی۔

اللہ رب العالمین ہم سب کی مدد فرمائے (آمین)

مولانا ابوالحسن علی ندوی

طلبائے ندوہ سے خطاب

ایک مرتبہ عشرہ مبشرہ اور جلیل القدر صحابہؓ کسی جگہ جمع تھے، جن میں امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ بھی موجود تھے تو امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ نے فرمایا ہر شخص اپنی اپنی حاجت کی دعا کرے، کیوں کہ یہ وقت قبولیت کا وقت ہے۔ ہر شخص نے اپنی اپنی خواہش کے مطابق دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہ احد پہاڑ کے برابر سونا دے، کیوں کہ جس شخص کے پاس سونا ہوگا، وہ راہ خدا میں خرچ کرے گا، کسی نے دعا کی ہم کو شہادت نصیب ہو، کسی نے دعا کی ہم کو دولت دین اور اسکی اشاعت نصیب ہو، جب حضرت عمرؓ دعا کرنے لگے تو تمام صحابہ قریب ہو گئے تاکہ دیکھیں حضرت عمرؓ کیا دعا کرتے ہیں، جیسے حضرت عمرؓ ہی ایسی دعا مانگ سکتے تھے۔

لیکن انھوں نے دعا کی کہ یارب العزت ہم کو خالد بن ولیدؓ [illegible] جیسے صحابہ عطا فرمائیے تاکہ ہم ان کو دیگر محاذوں پر بھیجیں، اور اس طرح دین کی اشاعت ہو، اور احکام خداوندی کا علم ہر گوشۂ عالم میں بلند ہو، آج بھی اس زمانے میں ضرورت ہے کہ آپ دعا کریں کہ اللہ رب العزت آپ کو داعی دین بنا دے، اور آپ سے اشاعت دین

کا کام لے، اور یہ ایسی چیز ہے جس کے سامنے دنیا کی تمام چیزیں ہیچ ہیں۔

میرے عزیزو تم محنت کرو اور مدرسہ اور مکتب قائم کرو، اور دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرو، اپنے گھروں میں [illegible] گفتگو کرو۔

میرے والد صاحب کے ایک دوست نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کے والد صاحب کہا کرتے تھے کہ میری نانی سوتے وقت مجھے یہ شعر سنایا کرتی تھیں۔

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب
کہ افضل سے افضل عبادت نصیب

یہ کون کہہ رہا ہے؟ جن کا گھرانہ ایک زمانہ سے علمی مرکز رہا ہے، دیکھئے گھریلو ماحول کا اخلاق پر کتنا بڑا اثر پڑتا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کو دیکھئے، یہ وہ شخص ہیں جن کا شمار لاکھوں وکروڑوں انسانوں میں ہوتا ہے، ایسے انسان بہت سے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو جن کی ادا پسند آجائے، یہ وہ ہیں جو ہندوستان میں داخل ہونے والے داعی الی اللہ ہیں، انہوں نے [illegible] متاثر و اصلاح فرمایا جس وقت وفات [illegible] عرفہ وہ تین شخص تھے لیکن تین دن کے اندر لاکھوں انسانوں نے بیعت کی، ذرا دیکھئے میری والدہ مجھے تعلیم کی طرف رغبت دلاتی تھیں اور میرے کھانے پینے کا انتظام کرتی تھیں اور جس دن کھانا نہیں ہوتا تھا تو فرماتی تھیں کہ آج ہم اور تم اللہ کے مہمان ہیں۔ ایک مرتبہ کسی کے گھر سے تحفہ آیا کافی دن تک چلتا رہا، تو میں دعا کرتا تھا کہ وہ وقت آئے جب والدہ صاحبہ کہیں کہ آج ہم اور تم اللہ کے مہمان ہیں۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ صاحبہ کے اخلاص اور ان کی تمناؤں کو پورا کیا، اور ان سے دین کی اشاعت کا کام لیا۔

عزیزو! آپ محنت کیجئے اور دنیا کے لئے [illegible] دین کو

ترقی ہوئے، بہت سے لوگ سعودی عرب اور لیبیا جاتے ہیں اور وہاں سے ڈگریاں حاصل
کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، میں آپ سے
کہتا ہوں کہ آپ یہ ارادہ کر لیں کہ علم میں کمال پیدا کیجئے اور کسی جماعت یا تنظیم میں رہ کر خدمت
دین و اشاعت اسلام کا کام کیجئے، تو آپ اس شخص سے بہتر ہوں گے جو سعودی عرب یا امریکہ
میں پروفیسر ہیں جو سعودی عرب یا امریکہ میں ماہانہ ہزارہا روپے پاتے ہیں اور بڑے منصب
پر فائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت علی سے فرمایا کہ

لأن یہدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم:

کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے
بہتر ہے، اور اس وقت ایک سرخ اونٹ عربوں میں تمام چیزوں سے بہتر سمجھا جاتا تھا۔
لیکن یہ ایک محاورہ بن گیا اور اس کا مطلب یہ لیا جانے لگا کہ یہ آپ کے لیے بہت بڑا
کام ہے، لہٰذا تم محنت کرو اور اشاعت دین کی لگن و تمنا رکھو اور مکاتب، مدارس اور
انجمنیں قائم کرو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور اس
وقت امت کو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے کیونکہ کفر اور الحاد پھیلتا جا رہا ہے
اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نیا دور اکبری کا شروع ہونے والا ہے، پہلے پہلے وہ اکبر کا
زمانہ ٹیلی گرام، ٹیلی فون اور مائک بھی نہ تھا جس کی وجہ سے معاملات محدود تھے، لیکن
آج معاملہ برعکس ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب بھی کوئی نیا فتنہ سر اٹھاتا ہے تو
اللہ تعالیٰ ایسے داعی کو پیدا فرماتا ہے جو اس فتنہ کی کاٹ کرتا ہے، اس کا مقابلہ کرتا ہے
چنانچہ عہد اکبری کے مقابلہ میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر جیسا شخص پیدا
فرمایا جس نے اس دور اکبری کا رخ دین اسلام کی طرف موڑ دیا۔
[illegible] اورنگ زیب کے ایسا شخص نکلا جس کا ہم [illegible]

تھی، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے قرآن شریف لکھتے تھے۔ اور ان کی دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ جہاں کہیں قیام پذیر ہوں، جمعہ کی نماز باجماعت وہاں کی جامع مسجد میں ادا کریں۔ رمضان المبارک میں روزہ رکھتے تھے اور ساری رات عبادات قیام اللیل میں گذارتے تھے، صبح سات، آٹھ بجے سو کرتے تھے۔

میں نو عمری میں شکار کھیلنے جایا کرتا تھا اور الحمدللہ میں شکار بھی کیا کرتا تھا، کیونکہ ہمارے خاندان کے لوگ جہاد کے شوقین تھے۔ اور بندوقیں چلایا کرتے تھے تو میں نے اس سے بڑا سبق حاصل کیا ہے، کہ جب ہم شکار کرنے کے لئے نکلتے تھے تو ہم لوگوں کو دیکھتے کہ وہ تین کارتوس ساتھ رکھتے تھے اور بہت ہی احتیاط کے ساتھ چلاتے تھے، کہ شکار کارتوس سے زیادہ قیمتی ہے یا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ شکار معمولی ہو اور کارتوس ضائع ہو جائے، تو اللہ رب العزت نے ہم کو اور آپ کو ایک ہی کارتوس عطا فرمایا ہے، یہاں تک کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک ہی کارتوس عطا فرمایا، ایسا نہیں کہ وہ دنیا سے چلے جانے کے بعد دوسرا کارتوس یعنی دوسری عمر لیکر نہیں بھیجے گئے، تو اب چاہیے کہ اس کارتوس کو کھیل تماشے یا امین آباد چوراہے یا ٹولی بنا کر گفتگو کرنے اور بہت سی ایسی چیزیں جن کا مسجد میں بیٹھ کر بیان کرنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے چاہیں تو آپ اسی میں اپنا وقت گذار دیں یا یکسوئی کے ساتھ تعلیم و تربیت میں منہمک ہو جائیں اب عقلمند کا کام یہ ہے کہ کارتوس سے شیر یا عقاب یا شاہین کا شکار کرے، یا کسی معمولی چیز کا آپ کی عمر بھی ایک کارتوس کے مثل ہے، تو آپ اس کارتوس کو محنت و مشقت میں صرف کریں اور اس کارتوس کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی کوشش کریں، اب آپ کے اختیار میں ہے کہ اس کا نشانہ اچھی چیزوں کو بنائیں یا بیکار چیزوں کو جیسے کہ ایک پھل والا آم کا درخت تو اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ ایک ہی مرتبہ اس کا کی

سلسلہ ص ۴۸

کتاب اور کتب خانوں سے مسلمانوں کی دلچسپی

اسلام نے لکھنے پڑھنے اور علم کی جانب پہلی وحی الٰہی میں توجہ دلائی تھی اس کا مقصد اسلام کو حامل کتاب اور صاحب قلم بنانا تھا یعنی دنیا کو پیغام الٰہی سے آشنا کرنے کے ساتھ ساتھ کتاب و قلم سے بھی روشناس کرائے اس سے کام لینا تھا چنانچہ مسلمانوں نے آغاز اسلام سے اس علمی فریضہ کی ادائیگی میں بے پایاں دلچسپی لی اسلامی تاریخ میں "مسجد و مدرسہ" اور "کتاب و قلم" کا اس طرح تذکرہ ملتا ہے کہ یہ دو لازم و ملزوم ہیں اور اس طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہیں کہ ان دونوں کا علاحدہ تصور نہیں کیا جا سکتا چنانچہ سرکاری اور نجی طور پر ایسے رفاہی ادارے قائم کئے گئے جن کا کام درسگاہیں اور کتب خانے قائم کرنا تھے، مسلمان دولتمند اور علماء علم و کتاب کے عام کرنے کے لئے خیرات کرتیں اور اپنی جدوجہد صرف کرتے تھے، خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ ابھی پریس قائم نہیں ہوئے تھے، کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور نقل کرنے کے لئے مخصوص افراد تھے جنہیں نساخ یا وراقین کہا جاتا تھا مگر خرچ اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ تنگ دست عالم اور طالب علم کے لئے ایک کتاب کا خریدنا

دشوار تھا چہ جائیکہ وہ کسی ایک فن یا موضوع پر کتابوں کا ایک سیٹ حاصل کر سکتا اس ضرورت کے پیش نظر مسلم معاشرہ میں کتب خانوں کے قیام کی جانب توجہ کی گئی جذبہ خالص انسانی اور علمی تھا مادی منافع اور تجارتی مقصد سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

کتاب اور کتب خانہ سے متعلق عربی ادب و شعر کا ذخیرہ اتنا بڑا ہے کہ شاید ہی کسی اور زبان میں اس طرح اس کی ثنا خوانی کی گئی ہو۔ عربی کے عظیم و عبقری ادیب ابو عثمان جاحظ کا قول ہے جو ضرب المثل بن گیا "کتاب بہترین ہم نشین ہے" کتاب سے والہانہ شغف اور شیفتگی کا اظہار کرتے ہوئے احمد بن اسماعیل لکھتے ہیں: "کتاب ایسی دوست ہے کہ وہ تمہیں تنگ کرتی ہے اور نہ تمہارے طرب و نشاط میں حارج ہوتی ہے اور نہ اپنے لیے کسی تنگی و مشقت میں ڈالتی ہے، کتاب ایسا ہم نشین ہے کہ تمہاری بلاوجہ ستائش نہیں کرتی اور ایسا دوست ہے جو تمہیں دھوکہ میں مبتلا نہیں کرتی، اور ایسا رفیق سفر ہے کہ جس سے تم اکتا نہیں سکتے اور اتنی مخلص وہ خیر خواہ ہے کہ تمہیں کبھی غلط راہ پر نہیں ڈالے گی۔"

اس زمانہ کے معاشرہ کو کتاب کے مطالعہ میں اس قدر انہماک ہو گیا تھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ وقت گزاری اور خوش کلامی کو ناپسند کرتا تھا کتابوں کو چھوڑ کر خلیفہ، بادشاہ یا کسی صاحب اقتدار و جاہ و حشم کی خدمت میں حاضر ہونا گوارا نہ تھا۔

مشہور ادیب وزیر محمد بن عبد الملک زیات نے ایک زمانہ تک گوشہ گیری اختیار کی اور کہیں آنا جانا پسند نہ کیا، جاحظ ان سے ملاقات کے لیے گیا تو عربی زبان کے امام سیبویہ کی کتاب بطور تحفہ لے کر حاضر ہوا، وزیر نے تحفہ دیکھ کر بے حد مسرت و انبساط محسوس کیا اور کہا کہ: "جاحظ تم نے ایسا عطیہ پیش کیا ہے کہ اس سے بڑا اور قیمتی ہدیہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔" ایک بار کسی خلیفہ نے ایک عالم کو یاد کیا تاکہ اس کے ساتھ کچھ دلچسپ

اوقات گذار رہے خلیفہ کا خادم ان کو بلانے کے لیے حاضر ہوا تو انہیں کتابوں کے درمیان میں بے خبر بیٹھا ہوا پایا، مطالعہ میں ایسا ڈوبے ہوئے تھے کہ آہٹ بھی محسوس نہ کی۔ خادم نے عرض کیا: "امیرالمومنین آپ کو یاد کر رہے ہیں" انہوں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین سے کہو کہ میرے پاس کچھ دانشور علما تشریف رکھتے ہیں۔ میں ان سے باتیں کر رہا ہوں فارغ ہونے کے بعد حاضر ہو جاؤں گا۔" خادم نے خلیفہ کو ان کا پیغام پہنچایا تو کہا کون سے دانشور حضرات ان کے پاس ہیں؟ خادم نے جواب دیا امیرالمومنین خدا گواہ ہے کہ ان کے پاس کوئی شخص بھی نہ تھا۔" امیرالمومنین نے اسے حکم دیا کہ وہ جس حال میں بھی ہوں ابھی حاضر کرو، جب وہ عالم آئے تو خلیفہ نے سوال کیا: تمہاری مجلس میں کون سے دانشور تھے؟ انہوں نے امیرالمومنین کو مخاطب کر کے یہ اشعار پڑھے۔

هم جُلساء ما تُملّ حديثهم

أمينون مامون غيبًا ومشهدًا

إذا ما خلونا كان خير حديثهم

معينا على نفي الهموم مؤيدًا

يفيدوننا من علمهم علم ما مضى

وعقلًا وتاديبًا ورأيًا مسددًا

فلا ريبة تخشى ولا سوء عشرة

ولا نتقي منهم لسانًا ولا يدًا

فإن قلت اموات فلست بكاذب

وإن قلت أحياء فلست مفندًا

ان اشعار میں کتابوں کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے باوقار عالم نے کہا کہ میں۔

جن کی صحبت میں وقت گذارا جاتا تھا ایسے ہم نشیں ہیں کہ جن کی باتوں سے اکتاہٹ نہیں ہوتی اور ان سے کسی بھی حال میں کوئی ضرر خوف اور خطرہ نہیں ہے، خلوت میں ان سے بات کر کے دل کے رنج و غم دور ہو جاتے ہیں ان میں جو دانش و حکمت بھری ہوئی ہے اس سے عقل و فکر کو غذا اور رائے و برتری کو توانائی حاصل ہوتی ہے، نہ تو ان کی صحبت خراب کرتی ہے اور نہ بدکلامی اور لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہے اگر میں کہوں کہ وہ دانشور علماء مردہ ہیں تو مجھ پر جھوٹ کا الزام عائد ہوگا اور اگر ان کے زندہ ہونے کا ثبوت پیش کروں تو اس کی نہ کوئی تردید کر سکتا ہے اور نہ جھٹلا سکتا ہے!

اشعار سن کر خلیفہ سمجھ گئے کہ انہوں نے کتابوں کو دانشور علماء بتایا تھا تو ان کی اس تاخیر پر کبیدگی اور آزردگی کا اظہار نہ کیا۔ معروف ادیب و شاعر اور نامور وزیر صاحب بن عباد نے امیر نوح بن منصور سامانی کی جانب سے ایک بڑے عہدہ کی پیشکش کو اس لیے مسترد کر دیا کہ اسے اپنا کتب خانہ بیحد عزیز تھا، اور اتنے بڑے کتب خانہ کو منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے بڑے جاہ و منصب اور اعزاز پر کتب خانہ اور کتب بینی کو ترجیح دی۔

(تعمیر حیات م 10/12 92 ماخوذ)

سلسلۂ بحث ۲۷

صدائے غیبی آج بھی کانوں میں آرہی ہے کہ خبردار ظاہری لذتوں اور نمائشی راحتوں پر جھک نہ پڑنا تمہارا اپنا نصب العین زندگی جو موجود ہے اس کی آن میں ہرگز فرق نہ آنے دینا اس سراب سے تعلق اگر رکھو تو محض اقل قلیل بہ قدر ضرورت۔ اس آواز پر کان دھرتا کون ہے؟

جہالت نے کہا پردہ توڑو ہم نے عرض کیا "ہماری لڑکیاں حاضر ہیں" آواز آئی کہ سینما کے ذریعہ ترقی حاصل کرو، ہم نے عرض کیا "اور ہمارے لڑکے ہیں کس دن کے واسطے" حکم ہوا بینک کھولو، ہم نے کہا "حرمت سود کا ڈھکوسلا تو ہماری ترقی میں حائل رہا ہے" ارشاد ہوا "بلا جا و لیں کو ترجیح" ہم نے گذارش کی کہ "اس کی حریف اسلامیت ہی تو ہم کو تباہ کیے ہوئے ہے" زمین کے نمک ہم ضرور تھے لیکن جب نمک ہی اپنی نمکینی کھو دے تو اسے کس چیز سے نمکین کیا جا سکتا ہے؟

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

سچی باتیں

مدتوں پیشتر، سرزمین شام پر، دریائے اردن کے کنارے، اہل حق اور اہل [illegible] کے درمیان معرکہ پیش ہے۔ اہل حق بے سر و سامان و مظلوم، اہل باطل حسب معمول ظالم، اہل حق قلیل التعداد اور بے سروسامانی اور غنیم کی کثرت افواج اور ساز و سامان، دیکھ [illegible] کے اوسان [illegible] مرعوبیت زبان پر [illegible] لا طاقۃ لنا الیوم بجالوت و[illegible]۔ آج ہم میں اتنی سکت کہاں کہ جالوت اور اس کے لشکر جرار سے [illegible] دیکھو ہمت نہ ہارو [illegible] وقت امتحان کا ہے، صبر و ضبط، ثبات و استقامت کی آزمائش کی یہی گھڑی ہے، پیاس کی شدت میں یہ نہ کر بیٹھنا کہ بہتے ہوئے دریا کو دیکھ سب اسی پر ٹوٹ پڑو، اور لگو پیٹ بھر بھر کر پانی پینے، ہاں ایک آدھ چلو پی لینے میں، بقدر ضرورت شدید مضائقہ نہیں۔ حکم یہ تھا، حکم کی تعمیل کرنے والے بس چند ہی ہمت والے جوان نکلے، اور معرکہ وہی جیتے۔

قصہ افسانہ نہیں، حالات حاضرہ کی ہو بہو تصویر ہے، ملت اسلامیہ کے سامنے آج بھی مہیب و دیو پیکر جالوت، اپنے بے گنتی لشکر اور بے حساب ساز و سامان کے کھڑا ہوا ہے، دل اس کی قوت سے مرعوب، دماغ اس قوت و عظمت، شان و شوکت، زیب و زینت کے آگے مغلوب، کوئی سائنس، فلسفہ، اور علوم جدیدہ کے نام سے لرزہ براندام، کوئی معاشیات سیاسیات اور آرٹ کی اصطلاحوں کے آگے ہتھیار ڈالے ہوئے، لڑنے کی قوت، مقابلہ کی سکت کس میں؟ زیادہ سے زیادہ زبانوں پر بھی آواز کہ "جہاں تک ممکن ہو حالات کا ساتھ دو، اپنے کو زمانے کے مطابق بناؤ" اور "حالات" یا "زمانہ" سے ہمیشہ مراد روس کا، یا انگلستان کا یا خود اپنی ذات سے [illegible]۔ جالوت اور لشکر جالوت ہی کسی عنوان کے ساتھ [illegible] [illegible] [illegible] پیاس [illegible] باہر [illegible]

عبدالعلیم قدوائی

آہ ۔ بڑے بھائی جان

حکیم عبدالقوی صاحب مرحوم کے متعلق تاثرات

۱۶ اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ پونے دو بجے دن کو میرے شفیق و عزیز اور معظم حکیم حافظ عبدالقوی صاحب دریا بادی نے بیرا میورا اسپتال لکھنؤ میں ایک مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور داغ یتیمی و حرماں نصیبی پھر تازہ ہو گیا ہم لوگ چار بھائی تھے اور ان کی سرپرستی میں بے فکری سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ اچانک اس پیکر شفقت و اخلاص کی بے لوث محبت اور بابرکت سایہ سے محروم ہو گئے۔ واقعہ اتنا سخت ہے کہ الفاظ دلی تاثرات کو ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ع۔

تلخی غم کہی نہیں جاتی

اس ناچیز سے تقریباً سولہ سال بڑے تھے اور علم و مرتبہ میں تو کہیں زیادہ بڑے ہوئے تھے مگر ہمیشہ انہوں نے اپنے کو پیچھے رکھا اور معروضات کی ہمیشہ پذیرائی کی۔ بچپن سے لے کر اب تک کہ شام زندگی شروع ہو چکی ہے مجھے کوئی واقعہ ایسا یاد نہیں آتا جس میں انہوں نے کبھی اپنی ناراضگی یا خفگی کا اظہار کیا ہو۔ ہم لوگوں کے [illegible]

اور چچا مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مرحوم کے ذہنی و عقلی بحث و لگاؤ تھی جس کی
مثال خاندان بھر میں دی جاتی تھی۔ بھائی صاحب مرحوم نے حرف بحرف ان کی وضع کی پیروی کی۔

مرحوم شروع ہی سے نہایت ذہین اور پڑھنے لکھنے کے رسیا تھے۔ نہ معلوم کتنے
امتحانات اردو، عربی، فارسی، کے جن ایجوکیشن الہ آباد بورڈ لکھنؤ یونیورسٹی پنجاب یونیورسٹی
سے درجہ امتیاز میں پاس کئے۔ لاہور سے گریجویٹ ہوئے۔ والدہ مرحومہ کی خواہش کے
مطابق کم سنی میں عم مرحوم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی زیر نگرانی صرف ایک سال
میں حفظ قرآن کیا اور پھر براہ راست انہی کی زیر تربیت رہے۔ اور واقعہ ہے کہ انھوں نے
ہر معنی میں مرحوم کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ طبیہ کالج دہلی سے درجہ امتیاز میں فاضل
الطب والجراحت کی سند امتیاز سے حاصل کی اور اس کے بعد لکھنؤ کے نامور طبیب شفاء الملک
حکیم عبدالحبیب دریابادی مرحوم کے نانا تھے اور شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین صاحب کی
شاگردی میں مطب شروع کیا اور مزید استفادہ حکیم ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی صاحب مرحوم
(حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے برادر بزرگ) سے کیا۔ مگر طبابت کو ہمیشہ سے مالی منفعت
کا ذرہ برابر بھی ذریعہ نہ رکھا اور اسکو خدمت و عبادت کی طرح آخر دم تک کرتے رہے۔
اگر کوئی فیس نذر دستی دیتا تو بادل نخواستہ قبول کرتے تھے مگر اپنے منہ سے کبھی نہیں طلب
کرتے تھے۔ تشخیص بہت اچھی تھی۔ اللہ نے دست شفا دیا تھا مریض بکثرت آتے تھے اور
یہ سب کو پوری توجہ سے دیکھتے تھے۔ یہ خاکسار جب کبھی اس سلسلہ میں کچھ عرض کرتا تو اکثا
کر ٹال جاتے۔ اس زمانہ میں ایسی بے نفسی اور قناعت کہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ تواضع
بے نفسی اور توکل [illegible]

[illegible] تحریکوں [illegible]
[illegible]

برقرار رکھی یعنی کسی اخبار سے باقاعدہ وابستہ نہیں ہوئے۔ تنویر لکھنؤ، حق لکھنؤ، قائد لکھنؤ، سیاست کانپور وغیرہ میں اداریئے اور مقالات لکھا کیے مگر بغیر نام کے اظہار کے مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب مرحوم کے مقرر ہفتہ وار صدق جو بعد میں صدق جدید کے نام سے ۱۹۷۸ء تک نکلتا رہا، کے نائب مدیر بھی اور مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد مدیر رہے۔ حق گوئی و بے باکی ان کی خصوصیت تھی، لکھنے والے بڑے اچھے تھے۔ اور ان کی تحریروں میں مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا محمد علی جوہر کے رنگ کی جھلک آتی ہے جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس میں جان ڈال دیتے، بڑا ستھرا ادبی ذوق رکھتے تھے اور لکھنؤ کی ٹکسالی زبان پر پورا عبور تھا۔

بے شمار اردو، فارسی کے اشعار یاد تھے جن کے برموقع استعمال سے ان کی تحریریں بڑی شگفتہ اور دلچسپ ہوتی تھیں۔

نہ معلوم کتنی کتابوں کے مقدمے، تبصرے لکھ ڈالے، سیاست کانپور میں کئی سال تک اداریئے لکھتے رہے جن کی وجہ سے اخبار کا معیار اور حلقہ خریداری بہت بڑھ گیا تھا۔

یادداشت غیر معمولی تھی چنانچہ انتقال سے قبل تک مختلف مضامین محض اپنے حافظے کی مدد سے لکھتے رہے اور چند ہفتہ قبل لکھنؤ ٹیلی ویژن پر اپنے انٹرویو میں بیش بہا معلومات فراہم کیں۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ ہر قسم کی کتابیں پڑھ ڈالتے تھے، امیرالدولہ پبلک لائبریری کے بڑے پرانے ممبر تھے انگریزی اخباروں میں Statesman کے بڑے شائق تھے مذہب، علم و ادب کے ساتھ ساتھ ان کو کھیلوں سے بھی دلچسپی تھی خاص کر کرکٹ سے اس کے بارہ میں حیرت انگیز معلومات رکھتے تھے، کئی روز قبل فرمایا کرتے ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے فرسٹ کلاس کرکٹ میں ۔۔ اسپنر بالنگ جتنی اچھی آنکھوں سے دیکھی ہیں ٹسٹ میچ دیکھنے دہلی، کلکتہ، لاہور، بمبئی وغیرہ بڑے شوق سے جایا کرتے تھے۔ بچپن میں

ہاکی کھیلتے تھے، اور یہ کم لوگوں کو علم ہوگا ہاکی فیلڈ پر اپنے ہم سبق اور ہم سن حضرت مولانا علی میاں کو ترغیب دلا کر کھینچ لے گئے۔

مشاہیر وقت خصوصاً علماء و صالحین سے خصوصی تعلقات رکھتے تھے جن میں سر فہرست حضرت مولانا علی میاں مدظلہ ہیں جو تقریباً ان کے ہم سن اور رفیق یعنی بچپن اور نوعمری میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا زکریا صاحب، ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے۔ ندوۃ العلماء، دار المصنفین، دینی تعلیمی کونسل، اردو اکیڈیمی، انجمن اصلاح المسلمین، دار المبلغین اور نہ معلوم کتنے اداروں سے وابستہ تھے اور ان سے پوری دلچسپی رکھتے تھے۔ دائرہ احباب بڑا وسیع تھا چنانچہ دہلی، کلکتہ، حیدرآباد، بمبئی، بھٹکل، مدراس اور پاکستان کے مختلف حضرات سے برابر خط و کتابت رہا کرتی تھی اور کثرت سے سفر بھی کرتے رہتے تھے۔ دہلی میں حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد دواخانہ) حاجی شفیع صاحب (ریکارڈ کمپنی) خواجہ حسن نظامی ثانی سے خصوصی ربط اور تعلق تھا۔ وطن مالوف دریاباد سے بڑی محبت کرتے تھے اور اپنے نام کے ساتھ دریابادی پابندی سے لکھتے تھے۔ پابندی سے ہر ہفتہ ایک دن مطب کرنے وہاں جایا کرتے تھے اور جب خرابی صحت کی بنا پر یہ معمول ترک کرنا پڑا تو اس سے بہت متاثر ہوئے۔

اپنے تمام ملنے والوں سے خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے، بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔ مرنجاں مرنج طبیعت ایسی تھی کہ طبیت، جماعتی اور مختلف دائروں سے تعلق رکھنے کے بعد بھی نہ کبھی کسی کی مخالفت کی نوبت آئی اور نہ کسی گروپ سے منسلک ہوئے۔

قناعت، توکل علی اللہ، وضع داری اور درویشی کے پیکر تھے۔ لباس و غذا کی طرف سے بے پرواہ رہا کرتے تھے اور جب ہم میں سے کوئی توجہ دلاتا تو مسکرا کر چپ ہو جاتے۔

خاندان ماشاءاللہ بڑا تھا، تمام بچوں سے محبت و شفقت فرماتے تھے اور یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کس کو زیادہ چاہتے تھے۔ حافظ قرآن تو ماشاءاللہ تھے ہی مدتوں دریاباد اور لکھنؤ میں تراویح سنائی، عبادات کا اہتمام رکھتے تھے مگر اخفا کے ساتھ، اسی طرح صدقہ خیرات و داد و دہش خفیہ طور پر برابر کرتے رہتے اور اس میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتے۔

شادی چچا زاد بہن سے اکتوبر ۱۹۳۶ء میں ہوئی اور اتفاق سے عقد اور وفات دونوں کی تاریخ ۱۶ر اکتوبر تھی۔ کوئی اولاد نہیں تھی مگر ہم تینوں بھائیوں اور بہن اور ان کے بچوں کو ہمیشہ اپنے ہی بچے سمجھا کیے۔ آج ان کے نہ ہونے سے زندگی میں کتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ برکت و شفقت کی روشنی جاتی رہی صرف مرحوم کی خوبیاں باقی رہ گئی ہیں۔ مذہب سے غیر معمولی شغف تھا اور علم دین کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا زکریاؒ کی خدمت میں حاضری دیتے رہتے تھے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہو آئے تھے۔ دینی حمیت اور ملی غیرت کے پتلے تھے۔ اسلام پر کسی جہت سے حملہ ہوتا تو مضطرب ہو جاتے۔ ہندوستانی انگریزی اخباروں کے مسلم کش رویہ کی برابر شکایت کرتے رہتے اور جب بھی موقع ہوتا دین اور زبان کا پورا دفاع کرتے۔

حلم، مروت اور شفقت کے پتلے تھے اور ہمیشہ اپنے کو پیچھے رکھتے۔ گھریلو مسائل میں دلچسپی لیتے تھے مگر اپنی رائے پر زور کبھی نہیں دیتے۔

۱۳ر اکتوبر ۱۹۹۲ء کو بعد عصر فالج کا حملہ ہوا۔ بلرام پور اسپتال کے شعبہ ایمرجنسی میں داخل کیے گئے اور ہر ممکن علاج ڈاکٹروں نے مستعدی سے کیا مگر تقدیر وہی ہوا جو انسانی اندازوں اور تدبیروں سے بالا ہوتا آیا ہے۔ جمعہ ۱۶ر اکتوبر کو عین نماز جمعہ کے وقت جان جان آفریں

کے سپرد کی۔ الحمد للہ خاتمہ قابل رشک طور پر ہوا۔ جب تک زبان نے ساتھ دیا کلام مجید کی آیتوں کی تلاوت کرتے رہے اور ایک آدھ دفعہ یہ بھی کہا "سنا" ہم نا فہم اس حالت کو غشی یا غفلت سمجھا کیے حالانکہ دراصل یہ وقت وہ تھا جب ہر مومن کی روح کو برزخ کا مشاہدہ کرایا جارہا تھا اور کلام ربانی کی تعمیل فرشتے کر رہے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ کے مرتبہ حاصل ہوا جب زبان بند ہوئی تو تیمار داروں کے مطابق آخری کلمہ یا اللہ ادا ہوا۔ جمعہ کا دن نصیب والوں کو ملتا ہے اور کس سے بڑھ کر خوش قسمتی یہ کہ شیخ وقت حضرت مولانا علی میاں مدظلہ اتفاق سے بغرض عیادت انتقال سے دو ڈھائی گھنٹہ قبل پہنچ گئے اور شب میں بعد نماز عشا اپنے رفیق [illegible]

جنازہ [illegible] شائقت [illegible] نے کی [illegible] کے بعد عیش باغ قبرستان میں جگہ [illegible] کی [illegible]

۷۹ سال کی کامیاب زندگی گذارنے کے بعد اللہ کا بندہ رب قوی کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ خدا انہیں آموزگاران کی مغفرت کرے اور ہم کم نصیبوں کو صبر و شکر کی توفیق دے۔ ان کی اہلیہ جو مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کی بڑی صاحبزادی ہیں نے غیر معمولی صبر و شکر کا مظاہرہ کیا۔

بظاہر وہ گھریلو معاملات سے الگ تھلگ نظر آتے تھے لیکن اب قدم قدم پر ان کی یاد آتی ہے۔ کیسے بابرکت سایہ اور شفقت سے ہم لوگ محروم ہو گئے اور اپنے کو بے سہارا اور دل شکستہ محسوس کر رہے ہیں۔ کاش ان کی ترجمانی مرتبہ روشن و منداری اور توکل علی اللہ پر چلنے کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرمائے

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

صلاح الدین نیر

رپورتاژ: جدہ میں ۸ دن

طوافِ خانہ کعبہ، سعی، زیارتِ گنبدِ خضرا اور عالمی مشاعرہ

جدہ کے عالمی مشاعرہ میں حیدرآباد سے روانگی سے دو روز قبل جس وقت میری ایک منہ بولی بہن شمشاد نے امام ضامن باندھا تو اسی وقت سے میرا ذہنی سفر شروع ہوا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے مشاعرہ ہی کے سلسلے میں دوسری مرتبہ میں طواف خانہ کعبہ (عمرہ) اور دربارِ رسالت مآب (مدینہ) میں حاضری دینے کا موقع ملا۔

انڈیا ویلفیر سوسائٹی جدہ کے صدر جناب عارف قریشی (حیدرآبادی) نے اپنے پہلے خط مورخہ ۲؍ مارچ ۱۹۹۲ء کے ذریعہ نہ صرف مجھے بلکہ حیدرآباد کے دو ممتاز شعراء امیر احمد خسرو اور رئیس اختر کو بھی مشاعرہ میں شرکت کی دعوت دی تو عارف قریشی کے لئے میرے دل سے دعائیں نکلیں کہ اس بہانے سرزمین پاک کی فضاؤں میں مجھے دوسری مرتبہ سانس لینے کا موقع ملنے والا ہے۔ یہ مشاعرہ دراصل ۱۱؍ ستمبر کو ہونے والا تھا لیکن بعد میں ۲۲؍ اکتوبر کو انڈو پاک مشاعرہ کے اعلان نے انہیں اپنا مشاعرہ ملتوی کرنے کے لئے

مجبور کیا۔ اسلیے کہ اتنی کم مدت کے درمیان ایک ہی شہر میں دو مشاعروں کے انعقاد سے دونوں مشاعروں پر بڑا اثر پڑنے کا امکان تھا۔

عارف قریشی نے مجھے لکھا تھا کہ میں اپنا پاسپورٹ، ویزا لگانے کے لیے ستمبر کے پہلے ہفتہ ہونے والی اسی کے نام لکھ بھیج دوں لیکن پتہ نہیں کیوں انہوں نے بعد میں مجھے یہ ذمہ داری سونپی اور مجھ سے خواہش کی کہ میں ہندوستان میں انکی نمائندگی کروں چنانچہ میں نے خود اُسے ربط قائم رکھا۔ خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس مشاعرہ میں حیدرآباد کے تین شعرا امیر احمد خسرو، صلاح الدین نیر اور رئیس اختر کے علاوہ ملک کی دیگر ریاستوں سے شاد بارہ بنکوی، شفیقہ امیر لکھنؤی ..... مظفر رانا، منظر بھوپالی رئیس انصاری، عتیق الہ آبادی، حسن کاظمی، عرفان احمد کے علاوہ دوحہ قطر سے جلیل نظامی اور جدہ میں مقیم شعرا فرید الوحیدی، الاستاذ صلاح محمد الیاور، محمد سالم العیدروس یوسف نے شرکت کی تعلیق حیدر ناظم مشاعرہ تھے۔ جب مشاعرہ کی قطعی تاریخ (۳ دسمبر) کا تعین ہوا تو عارف قریشی کے خطوط کا آنا بند ہو گیا۔ وقتاً فوقتاً اُن کے ٹرنک کال بھی ملتے رہے۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست، محبوب حسین جگر جوائنٹ ایڈیٹر اور زاہد علی خاں منیجنگ ایڈیٹر سیاست اور سیاسی لیڈر مجھانی کو مدعو کیا گیا تھا۔ عابد علی خاں صاحب علالت کی وجہ سے محبوب حسین جگر اور زاہد علی خاں نے شرکت سے معذرت چاہی۔ مجھانی نے بھی شرکت نہیں کی۔ ایسی صورت میں مجھ سے خواہش کی گئی کہ میں کسی ممتاز شخصیت کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کروں۔ اتفاق سے ان دنوں استقبالیہ کمیٹی کے رکن محمد ظہیر الدین التمش حیدرآباد آئے ہوئے تھے میں نے فوری طور پر کے لیے جسٹس سردار علی خاں کا نام تجویز کیا۔ ظہیر الدین التمش نے میرے انتخاب کی داد دی دوسرے دن میں نے سردار علی خاں سے فون پر شرکت کی دعوت دی، انہوں نے

بے انتہا مسرت کا اظہار کرتے ہوئے شرکت کا یقین دیا۔ یہ مشاعرہ جدہ کی شعری و ادبی تاریخ میں اپنی نوعیت اور کامیابی کے اعتبار سے ہمیشہ یاد رہے گا۔ مشاعرہ میں اہلِ ذوق خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی تمام شاعروں کا کلام توجہ سے سنا گیا اور ہر شاعر کو بھرپور داد تحسین سے نوازا گیا۔ مشاعرہ میں حیدرآبادی سامعین کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی۔ یہ بات نوٹ کی گئی کہ جب حیدرآبادی شاعروں کو منتظمین بلند بلایا گیا تو پُرجوش تالیوں کی گونج میں ان کا استقبال کیا گیا۔ حیدرآبادیوں نے اپنے اس عمل سے اپنے شہر کے شاعروں کی توقیر میں اضافہ کیا۔

جب مشاعرہ کے انعقاد کی پہلی خبر یکم نومبر کے سیاست میں شائع ہوئی تو خاص طور پر عزیز و اقارب اور میرے قریبی احباب میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مشاعرہ سے دو ہفتہ قبل ہی سے خبروں اور اشتہارات کے ذریعہ مشاعرہ کی تشہیر کی جانے لگی۔ ویزے انڈورس کروانے اور ٹکٹ کی خریدی کی ذمہ داری لنک ٹراویلس کو سونپی گئی۔

جدہ کو روانگی سے قبل عزیز و اقارب کے علاوہ میرے قریبی دوستوں، منان منظور، عزیز بھائی، رحمن جامی، صادق نوید، اور مومن خان شوق نے مجھے اور رئیس اختر کو امام ضامن باندھا اور گل پوشی کی۔ (شاید گل پوشی اسلئے کی گئی کہ ہمیں طوافِ خانہ کعبہ اور زیارت گنبد خضرا کا ایک خوشگوار موقع نصیب ہو رہا ہے)

ہم (سردار علی خان، رئیس اختر، صلاح الدین نیر) شہر محبت کو خدا حافظ کہتے ہوئے ۲۹ نومبر کو سہ پہر بذریعہ طیارہ بمبئی روانہ ہوئے۔ پروگرام کے مطابق بمبئی ایرپورٹ پر مسٹر شمیم سرپرست انڈیا ویلفیر سوسائٹی کے نمائندہ جناب الم ہمارے منتظر تھے۔ ہم تینوں کو شمیم صاحب کے مکان لے جایا گیا جہاں ہم سے پہلے دیگر مدعوئین موجود تھے۔ ہمیں طے شدہ پروگرام کے مطابق ۳۰ نومبر کو جدہ پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن سعودی کونسلیٹ ہمیں

بمبئی میں پاسپورٹ آفس نہ ہونے کی وجہ سے دو دن تاخیر سے یعنی ۲ دسمبر کو ہم جدہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ایر انڈیا کے ذریعہ ۱/۲ ۵ گھنٹہ کا سفر طے کرتے ہوئے ہندوستان کے وقت کے مطابق ۴ بجے جدہ پہونچے۔ (ہندوستان اور جدہ کے وقت میں ۱/۲ ۲ گھنٹہ کا فرق ہے) یعنی اگر ہندوستان میں ۴ بجے ہوں تو جدہ میں ۱/۲ ۱ بجے کا ٹائم ہوگا۔ جدہ ایرپورٹ پر سوسائٹی کے جدہ والان عارف قریشی، صلاح الدین نیر، معین خاں، مظہر الدین التمش، سید فخر الدین علی عظمت، ناظم الدین مقبول، مرزا اسماعیل بیگ، عظیم خاں فلکی اور دیگر منتظمین نے ہمارا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ہم لوگ الگ الگ موٹروں کے ذریعہ ہوٹل دار الحجاز پہونچے۔
مشاعرہ کے دن شام تک ہوٹل میں رہے۔ ۳ دسمبر کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر جدہ کی سب سے بڑی آڈیٹوریم دار لحنان میں عالمی مشاعرہ منعقد ہوا۔ جناب ادریس دہلوی مدیر شمع نے صدارت کی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے ممتاز قانون داں جسٹس سردار علی خاں ریٹائرڈ (چیف جسٹس) آندھرا پردیش ہائی کورٹ، قونصل جنرل ہند برائے سعودی عرب جناب سید محمد یٰسین ندیم، ڈاکٹر زین العابدین ڈائرکٹر برائے ادارہ مسلم اقلیتی امور لندن نے شرکت کی۔ ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیب سکریٹری جنرل اسلم ورلڈ لیگ نے جدہ میں مقیم حیدرآباد کے ممتاز شاعر جناب ناظم الدین مقبول کے ترتیب دیے ہوئے سوونیر کی رسم اجرا انجام دی۔ جناب عارف قریشی مدیر سوونیر نے پہلی کاپی حاصل کی۔ مشاعرہ میں مہمان و میزبان شاعروں کو بھرپور داد و تحسین سے نوازا گیا۔ مشاعرہ میں خاص طور پر یہ بات نوٹ کی گئی کہ جب حیدرآباد کے شاعروں کو شہ نشین پر بلایا گیا تو خاص طور پر حیدرآباد سے تعلق رکھنے والے سامعین نے فرط مسرت میں کافی دیر تک تالیوں کی گونج میں خیر مقدم کیا۔ مشاعرہ میں کلام سنانے سے پہلے اور بعد میں بھی تالیاں بجائی گئیں۔ مشاعرہ میں حیدرآبادی خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ خواتین کے لیے علاحدہ نشستوں کا انتظام تھا۔ باذوق سامعین نے تمام شعراء

کو توجہ اور دلچسپی سے سنا۔ آغاز مشاعرہ ہی سے اختتام مشاعرہ تک مشاعرہ کی خوشگوار فضا برقرار رہی۔ سرپرست سوسائٹی جناب ضیاء الدین نیر نے نہایت عمدگی سے مشاعرہ کی افتتاحی کارروائی چلائی۔ شعرا کا استقبال کیا۔ معتمد سوسائٹی علیم خاں فلکی نے پروگرام کی تفصیل بتائی۔ جسٹس سید علی خاں، ادریس دہلوی، سید محمد یٰسین ندیم، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیب نے خطاب کیا۔ صدر سوسائٹی اور مشاعرہ کے روح رواں عارف قریشی نے تعارفی و خیر مقدمی تقریر کی۔ جناب ثقلین حیدر نے خوش اسلوبی کے ساتھ نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ ضیاء الدین نیر اور عارف قریشی نے اظہار تشکر کیا۔ مشاعرہ سے قبل اور مشاعرہ کے بعد بہت سے حیدرآبادیوں سے ملاقات رہی جن میں ڈاکٹر شمس بابر، سعید محسن باغوال، ناظم الدین مقبول، محمد باقر، شریف اسلم اور محترمہ سلیم اشرف قابل ذکر ہیں۔ مشاعرہ کے بعد بیشتر حیدرآبادیوں نے لنچ اور عشائیہ پر مدعو کرنا شروع کیا۔ عارف قریشی، مظہر الدین التمش، مسٹر شمیم، معین نواز خاں، ڈاکٹر شمس بابر، طارق امیر احمد خسرو اور ضیاء الدین نیر نے پرتکلف دعوتیں دیں۔ شریف اسلم، محمد باقر، ناظم الدین مقبول اور محترمہ سلیم اشرف نے تحفے دیے۔ مشاعرہ کے دوسرے دن جناب شمیم نے تمام مہمانوں کو لنچ پر مدعو کیا۔ لنچ کے بعد ہم تمام شاعروں کو ثقلین کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ ہمارے میزبان مظہر الدین التمش نے جن کے ہاں سردار سلیم تھا، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ۴ دسمبر کی شام سے حیدرآباد واپس ہونے تک یعنی ۹ دسمبر تک مقیم رہے۔ مظہر الدین التمش کے علاوہ ان کے تینوں بھائی رئیس، مجاہد اور حمید نے نہایت خوش دلی کے ساتھ ہماری میزبانی کی اور ہمیں محسوس ہی ہونے نہیں دیا کہ ہم اُن کے مہمان ہیں۔ پروگرام کے مطابق یکم دسمبر کو مکہ شریف اور ۲ دسمبر کو مدینہ منورہ کو روانہ پایا تھا لیکن ویزے کے حصول میں تاخیر کی وجہ سے دو روز بعد یعنی ۳ دسمبر کو ہم جدہ پہنچے تھے۔ ۴ دسمبر کی شب عارف قریشی اور ان کے ایک ساتھی سید مصطفیٰ علی خلت نے

مجھے اور رئیس اختر کو عمرہ کرایا۔

مجھے عمرہ کی یہ دوسری سعادت حاصل ہوئی۔ پہلی بار ۱۹۹۱ء میں حیدرآباد کے ۴۰۰ سالہ جشن تقاریب کے مشاعرہ میں شرکت کے لیے حاضر ہوا تھا جیسے ہی مسجد الحرام کے پُرنور میناروں پر نظر پڑی فرطِ مسرت سے پلکیں بھیگ گئیں اور یوں محسوس ہونے لگا کہ کوئی غائبانہ طاقت ہے جو خانہ کعبہ کی طرف کھینچ رہی ہے۔ جب خانہ کعبہ دکھائی دیا تو دل کی کیفیت ہی بدل گئی۔ اسی عالم میں طواف کرتا رہا اور ہر بار حجرِ اسود کو بوسہ دیتا رہا۔ طواف کے بعد جب مقام ملتزم پہنچا تو دیر تک خانہ کعبہ سے لپٹا رہا۔ خدا سے جو کچھ مانگنا تھا مانگ لیا۔ سعی اور دیگر امور کی تکمیل کے بعد ہم رات دیر گئے جدہ لوٹے ——— ۵ر ڈسمبر کو دن بھر گھر میں رہے ہمارے میزبان التمش صاحب نے پُرتکلف عشائیہ دیا۔ شب کو حسبِ پروگرام میرے اخبار سیاست کے ساتھی بہترین دوست سید کرامت علی جو امریکن کونسلیٹ میں اچھی خدمت پر فائز ہیں، عمرہ کے لئے لے گئے۔ (جدہ سے مکہ تک کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہوتا ہے) ——— جب مکہ شریف کی سرحد شروع ہوئی تو ایک عجیب سی کیفیت دل پر چھائی رہتی ہے۔ میں اور رئیس اختر عمرہ کے بعد ۵ بجے صبح میں قیام گاہ لوٹے۔ ۶ر ڈسمبر کو میں اور رئیس اختر ذریعہ ٹیکسی کار مدینہ روانہ ہو گئے۔ (جدہ سے مدینہ کا فاصلہ ۵ گھنٹوں میں طے ہوا) مسجد نبوی کی توسیع کی وجہ سے ہمیں کافی فاصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ وہاں سے ہم دونوں فرطِ عقیدت احترام کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہوئے دربار رسول پاک میں پہنچ گئے۔ جب گنبدِ خضرا آنکھوں میں بس گیا تو دل و نگاہ میں اجالوں کا دریا بہنے لگا۔ دربار مصطفوی میں حاضر ہونے کے بعد ہم بھی دیگر غلامانِ نبی کی صف میں بیٹھ گئے۔ عصر اور مغرب کی نماز مسجد نبوی میں پڑھی۔ مغرب کی نماز کے بعد بادیدہ نم گنبد خضرا پر وداعی نظریں ڈالتے ہوئے ہم مسجد نبوی سے باہر نکل گئے۔ جب ہم دربار رسول سے لوٹ رہے تھے تو ایک صاحب کہہ رہے تھے معلوم ہوا ہے تھے ہم نے کہ بابری مسجد شہید کر دی گئی ہے یہ سنکر ذہن سے دھکا لگا دل و دماغ

ہو گئے۔ کھانے کافی دیر لگی۔ ایک ٹیکسی والے مدینہ شریف کے قابلِ ذکر مساجد، مسجد قبا،
مسجد قبلتین میں نماز نفل پڑھی۔ حضرت امیر حمزہؓ کی زیارت کی۔ اور دیگر مقامات مقدسہ کے
دیدار کے بعد جدہ روانہ ہونے کے لیے ٹیکسی کی تلاش میں نکل گئے۔ جدہ کو واپسی کے لیے ایک
ٹیکسی ڈرائیور سے ۸۰ ریال کرایہ کی بات کی۔ مدینہ سے کوئی ۲۰ کیلو میٹر دور ایک پٹرول پمپ
پر ٹیکسی رک گئی۔ مزید ڈیڑھ سو ریال کے لیے ٹیکسی ڈرائیور نے تکرار شروع کی۔ ہم نے ڈرائیور کے
مشتبہ رویہ کی وجہ سے ٹیکسی چھوڑ دی۔ ہماری گفتگو سنکر ہندوستانی باشندے خورشید اعظم
اور ان کے ۳ ساتھی اپنے کمرہ سے نیچے اتر آئے اور مسئلہ کی نوعیت دیکھکر ہم سے کہا کہ ہم
ان کے ہاں رک جائیں اور کہا کہ صبح واپسی کا انتظام کیا جائے گا۔ خورشید اعظم اپنے ہمراہ
ہمیں کمرہ میں لے گئے ان کے ساتھیوں میں عظمت نامی ایک صاحب ورنگل کے باشندہ ہیں۔
خورشید اعظم اس تمام احاطہ کے الیکٹرک انجینئر ہیں۔ انھوں نے ہمارے کھانے کا انتظام کیا
ہمارے لیے دو پلنگ کا انتظام کیا اور خود فرش پر سو گئے۔ خورشید اعظم نے دوران گفتگو
کہا کہ وہ شاعر ہیں چنانچہ ہم نے ان سے دو غزلیں سنیں اور میں اور رئیس اختر نے بھی ایک ایک
غزل سنائی۔ ہم صبح ۴½ بجے گہری نیند کے بعد بیدار ہو گئے۔ خورشید اعظم نے ہم سبھوں کے لئے
ناشتہ تیار کیا۔ چائے نوشی کے دوران ٹیکسی کا انتظام ہو گیا۔ ایک سو ریال کرایہ پر ہم حولا
۹½ بجے جدہ کے لیے روانہ ہو کر ۱۱½ بجے پہنچے۔ جدہ پہنچ کر خسرو بھائی (امیر احمد خسرو)
کو فون کیا۔ کچھ ہی دیر بعد واثق خسرو موٹر لے کر آگئے اور ہمیں ہمراہ لیتے گھر لے گئے۔ چائے نوشی
کے کچھ دیر بعد ہم اپنے میزبان کے ہاں لوٹے۔ ڈاکٹر شمس [illegible] سلیم اشرف کی
یہ خواہش تھی کہ ایک شام ہم ان کے دولت کدہ پر عشائیہ میں شرکت کریں۔ ہم نے ان کے
ہاں صرف چائے پی۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد خسرو بھائی کے ہاں چلے گئے۔ یوسف قریشی کے
ہمراہ یہ قافلہ پہنچا۔ خسرو بھائی منتظر تھے۔ خسرو بھائی کے لڑکوں نے پر تکلف عشائیہ دیا۔

کچھ دیر بعد ہم اپنی رہائش گاہ پہنچے۔ ۵ منٹ توقف کے بعد رئیس اختر کے سمدھی عثمان شریف کے ہمراہ ہم دونوں تیسری دفعہ عمرہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ ہم اس رات احاطہ خانہ کعبہ میں ۱۲ بجے سے صبح ۲ بجے تک رہے۔ جدہ میں قیام کے آخری دن یعنی ۹ دسمبر کی شام ۶.۴۵ پر بمبئی کے لیے ہماری فلائٹ تھی۔ ضیا الدین نیر نے شرفیہ کے ایک ہوٹل میں تمام مہمانوں کو لنچ دیا۔ لنچ کے بعد مظہر الدین التمش اور ان کے بھائی رئیس اور مجاہد کے ہمراہ ہم سعود ارشد علی (رئیس اختر کے بیٹے) ایرپورٹ پہنچے۔ ایرپورٹ پر ہمیں خدا حافظ کہنے کے لیے شریف اسلم اور عارف قریشی بھی آئے تھے۔ شریف اسلم نے ہمیں کچھ اور تحائف سے نوازا۔ چائے پلائی اور کچھ لطیفے سنائے۔ ہم ۶.۴۵ کو گلف ایر سے دوحہ قطر روانہ ہوئے اور وہاں سے ۱۱ بجے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ جب ہم بمبئی پہنچے تو ہندوستان کے وقت کے لحاظ سے ۵ بج رہے تھے۔ ایرپورٹ کی ضروری فارمالٹیز کے بعد ہم ۷ بجے صبح ڈومسٹک ایرپورٹ پہنچے۔ جب ہم ڈومسٹک ایرپورٹ پہنچے تو معلوم ہوا کہ پائلٹس کی اسٹرائک شروع ہو چکی ہے اور کئی پروازیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ ہماری سیٹ کنفرم نہیں تھی۔ ایرپورٹ کے ذمہ داروں نے بتایا کہ ویٹنگ لسٹ ختم ہونے کے بعد پوزیشن کے بارے میں بتایا جائے گا ویسے سیٹ ملنا مشکل ہے۔ لیکن ملک کے فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے کئی مسافروں نے اپنا سفر ملتوی کر دیا تھا جس کی وجہ سے ہمیں ۱۰.۴۵ کی فلائٹ ملی اور ہم ایک گھنٹہ کی مسافت طے کر کے حیدرآباد پہنچے۔ جیسے ہی ہم نے اپنے شہر میں پہلا قدم رکھا تھا۔ محسوس ہوا کہ سارے سفر کی تھکن دور ہو چکی ہے۔ شہر محبت کی مٹی ہمارے تن من کو پکار رہی ہے اور پھر ان ہی فضاؤں میں لوٹ آئے ہیں۔ جہاں کے رہنے والے ہم بے نام رشتوں کی طرح عام زندگی کے ایک ایک لمحہ سے اپنا حساب مانگ رہے تھے۔

ڈاکٹر محمد سید ابو احمد (خرطوم۔ سوڈان)
مترجم : ڈاکٹر سید حسن

جذام کے متعلق مسلم طرزِ عمل

آج میڈیکل سائنس نے یہ بتلا دیا ہے کہ جذام جلدی دھبوں والی بیماری ہے جس کا موجب ایک جرثومہ ہے جو ٹی بی کے جراثیم کا "بھائی" ہے چونکہ ۹۵-۹۹ فیصد لوگوں میں قوت مدافعت ہوتی ہے اسلیے وہ ہرگز اس سے متاثر نہیں ہوسکتے اگر قوت مدافعت مکمل نہ ہو بلکہ اچھی نوعیت کی ہو تو کچھ عرصہ گزرنے پر جسم بیماری کو چند سُن دھبوں میں قید کر کے جراثیم کو پھیلنے۔ بڑھنے سے روک دیتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے ملک کے ۸۰ فیصد مریضوں کا حال ہے اس کو قلیل الجراثیم کہتے ہیں۔ اسکے برخلاف اگر جسم میں مدافعت بالکل نہ ہو تو دھبے تعداد میں بڑھتے چلے جاتے ہیں جو سُن بھی نہیں ہوتے اور جن میں جراثیم بکثرت پلتے۔ بڑھتے ہیں اس کو کثیر الجراثیم کہتے ہیں۔ یہی قسم علاج کو متعدد بنائے رکھتی ہے ایک زمانہ میں یہ بڑھتے۔ بڑھتے بیمار کے چہرہ کو شیر ببر کی صورت بنا دیتی ہے لیکن گذشتہ چار برس۔ میں سلفون دوا کے استعمال میں رہنے سے یہ صورت بالکل ناپید ہوگئی ہے۔ چہرہ ہاتھ پیر کی اور بھی بدوضعیاں چند مریضوں میں بیماری کی دونوں قسموں میں علاج میں تاخیر ہونے سے واقع ہوتی ہیں ماضی میں مجموعی طور پر یہ ۳۰ فیصد مریضوں میں پائی جاتی تھیں آج صرف ۴ فیصد مریضوں میں ہلکے طور پر دکھائی دیتی ہیں آج کی دوائیں کم [illegible] وغیرہ ہیں

بیماری کی دونوں قسموں کو ہر اسٹیج میں مکمل طور پر شفایاب کر دیتی ہیں ڈاکٹر لطیف الابراہیم (خرطوم۔ سوڈان) نے اپنے مقالہ میں بتایا کہ حقیقی مذہبی معلومات کی تحقیق اور ابلاغ سے غلط روایات اور توہمات دور ہو کر مریض کے یا اعتمادی کے ساتھ علاج حاصل کرنے کی فضا پیدا ہوتی ہے۔۔ (مترجم)

جذام کی بیماری اس پر لگے کلنک کے ٹیکہ کی وجہ سے مشہور ہے جذام کے متعلق آج دنیا میں تمام تر سائنٹیفک معلومات کے باوجود اس بیماری اور مریض سے خوف اور تعصب پختہ اور قائم ہے کئی سوسائٹیوں میں جذام جرم و خطا، امتناع اور اخراج کے تصورات سے جڑا ہوا ہے بلاشبہ ان تصورات کی تشکیل میں غلط معتقدات اور مقامی روایات کا اتنا ہی ہاتھ تھا جتنا کہ مریضانہ عواقب کا جو مریض کی عوامی پہچان کا باعث بنتے ہیں جذام کے متعلق مسلم رویہ کے بارے میں کوئی لائق اعتماد علم نہیں ہے بہت سے اسلامی ممالک میں رائج اعتقادات، رویہ اور عمل کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مقامی روایات اور اعتقادات کی پیداوار ہیں جن میں بیشتر قبل اسلام سے چلے آرہے ہیں اور اس طرح خالص اسلامی تعلیمات سے غیر متعلق ہیں۔

ماقبل اسلام عرب میں جذام :-

جذام عربی لفظ ہے جو جذم سے نکلا جس کے لغوی معنی ہیں "کاٹ دینا" اس طرح یہ لفظ اس بیماری کے نتیجہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جذام کے مریض کو مجذوم کہا جاتا ہے مجذوم کی اصل بھی وہی ہے اور یہ لفظ ایسی چیزوں کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو کٹی ہوئی ہوں اور یہ لفظ اس دوسرے معنی میں عربی شاعری میں قبل اسلام [illegible] ہے [illegible] جذام کے لفظ کے استعمال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیماری اپنے مریضانہ عواقب [illegible] قبل اسلام سے عرب میں مشہور تھا [illegible] بیماری [illegible]

"شاداب" فروری ۹۳ء

صحت اور بیماری کے بارے میں مسلم نظریہ :-

سب سے پہلے ہم یہاں صحت اور بیماری کے متعلق مسلم رویہ پر اثر انداز ہونے والے اسلامی اصول بیان کر دیتے ہیں جہاں تک بیماری کا تعلق ہے اصولی طور پر مسلم علت و معلول (سبب اور نتیجہ) کے نظریہ کو تسلیم کرتا ہے تاہم اسباب کے قطع نظر مسلم کے لیے تمام واقعات بشمول بیماری خدا کی مرضی کے تابع ہیں (صحیح مسلم)

دوسرا اصول جو پیغمبر کی حدیثوں سے نکلتا ہے یہ کہ ہر بیماری کا معالجہ اس دنیا میں موجود ہے سوائے ناگزیر پیری کی خاص دوا کا معلوم نہ ہوتا اس کے دریافت کے امکان کو ختم نہیں کرتا۔ عملی طور پر مختلف بیماریوں کے لیے کئی دوائیں استعمال کی جاتی تھیں ان میں سب سے اہم شہد ہے جس کو قرآن پاک نے شفا کا نام دیا ہے۔ اتنا جانتے ہوئے مسلم کیلئے یہ ضروری ہے کہ علاج کے حصول کو کوشاں رہے جہاں بھی اور جب بھی دستیاب ہو (فتح الباری) وہ گہری اور پرانی غلط فہمی کہ جذام ناقابل علاج بیماری ہے صحت اور بیماری کے متعلق اسلامی نظریات اور تعلیمات سے بیگانہ چیز ہے۔ تیسرے یہ کہ اسلامی دنیا میں بیماریوں کو خدا کی طرف سے گناہوں اور بدکاریوں کا سزا نہیں سمجھا جاتا جیسا کہ دوسرے بہت سے سماجی طبقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ تاہم پیغمبر اسلام نے کہا کہ کچھ بیماریوں کے آنے سے کچھ گناہ خفیف کر دیئے جاتے ہیں۔ (کفارہ کا نظریہ) مسلم پر فرض ہے کہ وہ بیمار کی عیادت اور دلجوئی کے لیے جائے اور اس پر مہربانی کا برتاؤ کرے (فتح الباری)

" چوتھا اصول یہ ہے کہ تمام احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں تاکہ وبا کو بیمار سے تندرست انسان تک پھیلنے سے روکا جا سکے۔ (صحیح مسلم)

اس سلسلہ میں پلیگ کو متعدی سمجھا گیا اور پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ اگر کسی علاقہ میں ظاہر ہو تو لوگ ادھر نہ جائیں اور وہاں سے بھی لوگ باہر نہ نکلیں (صحیح مسلم) تاریخ بتاتی ہے کہ ابتدائی اسلامی دور میں پلیگ کی وبا کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تھا (صحیح مسلم)

جذام قرآن اور حدیث میں :-

قرآن پاک میں جذام کا ذکر موجود نہیں ہے جو بیماری قرآن میں بیان کی گئی ہے اور جسکو عیسیٰ علیہ السلام نے اچھا کیا وہ سفید داغ تھی جسکو وبا میں برص کہتے ہیں۔ (سورہ نحل آیت ۶۹) اس کا ترجمہ ایک مصنف نے غلط طور پہ جذام کیا ہے۔ جذام کے متعلق پیغمبر اسلام کی بہت سی احادیث موجود ہیں تاہم چند حدیثیں علم حدیث کے معیار پر پوری نہیں اترتیں اور غیر معتبر ہیں اسلئے ان پر بحث نہیں کی جائیگی صرف تین ایسی ہیں کہ ایک سے زیادہ کتب احادیث میں موجود ہیں اور انہی کو قابل بھروسہ سمجھا جا سکتا ہے ایک حدیث میں پیغمبر کا ارشاد ہے کہ مجذوم سے اس طرح بھاگو جیسے شیر ببر سے بھاگتے ہو۔ (فتح الباری) ایک اور حدیث میں کہا گیا ہے کہ جذام کا ایک مریض جو نبی کریم سے بیعت کرنے کیلیے مسجد میں آنا چاہتا تھا آپ نے اسے دور رکا رہنے کے لیے کہا اور یہ بھی کہا کہ تمہاری بیعت قبول کی گئی۔ (صحیح مسلم) تیسری حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ نبیؐ نے ایک مجذوم کے ساتھ کھانے کیلئے کہا اور اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کھانے کے برتن میں ڈالا۔ (فتح الباری) اور (سنن ابن ماجہ) پہلی دو حدیثوں میں حفظ ما تقدم کے اصول پر زور دیا گیا ہے تاکہ بیماری فرد اور کمیونٹی میں نہ پھیلے جب کہ تیسری حدیث خدا تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور توکل کے اصول کو مضبوط کرتی ہے۔ پیغمبر اسلام کے زمانہ میں جذام کے مریض کے ساتھ مسلم طبقہ کا رویہ آپ کی ازواج مبارک کے طرز عمل سے واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ ان کے ہاں ایک ملازم تھا جو جذام کا مریض تھا جو ساتھ رہتا تھا اور ساتھ کھانا کھاتا تھا (فتح الباری) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں سب سے بلند مذہبی طبقہ کا رویہ کیا تھا۔

ان تمام شواہد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم طبقات میں پائے جانے والے بہت سے غلط عقائد اور رویوں کا کوئی مذہبی جواز نہیں ہے اس تصور کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ جذام کسی گناہ کا نتیجہ ہے اور نہ یہ کہ یہ بہت خطرناک بیماری ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر مسلم کی ذمہ داریوں کا ایک حصہ ہے کہ جب بھی ممکن ہو بیماروں کو دلاسہ دے اور مدد کرے۔

ڈاکٹر سید حسن

کیا آپ جانتے ہیں؟

(ٹی بی اور لیپرسی کا (جسکو اردو میں جذام کہتے ہیں)
قدیم زمانہ سے کوئی علاج نہ تھا لیکن آج یہ دونوں بیماریاں نئی
جراثیم کش دواؤں کے ذریعہ مکمل طور پر قابل علاج ہو گئی ہیں)۔

ٹی بی کے برخلاف لیپرسی فی الحقیقت ایک معمولی سی بیماری ہے اور سن جلدی دھبوں سے شروع ہوتی ہے جو سپاٹ یا موٹے ہلکے رنگ کے یا لالی لئے ہوتے ہیں۔ جسم پر دھبوں پڑے رہتے ہیں صرف چند مریضوں میں ہی ہاتھ پیر یا چہرہ کی بدنمائی دکھائی دیتی ہے۔ تھوڑے مریضوں کے ہاتھ یا پیر سن بھی ہو جاتے ہیں اور وہ جھٹکے یا چوٹ لگنے یا مار لگا کر انگلیاں برباد کر لیتے ہیں جس سے احتیاط کر کے بچا جا سکتا تھا۔ بہر حال یہ بدنمائی نہ تو تیز تر چھوت کی علامت نہ بیماری کے بڑھے ہوئے درجہ کو ظاہر کرتی ہے بلکہ یہ ایک پیچیدگی ہے جو بالعموم اعصابی نسوں کے متاثر ہو جانے سے آتی ہے۔ اس بدنمائی کو صرف چند مریضوں میں دیکھ کر ہی ہم لپرسی کو پہنچانتے ہیں اور خوف کھاتے ہیں لیکن بدنمائی کے بغیر صرف جلدی رکھنے والی مریضوں کی کثیر تعداد کو نہیں جانتے حالانکہ یہی بیماری کی عام علامت ہے۔

اس کی مثال آئس برگ کی سی ہے۔ جیسی سمندر میں ایک بہت بڑا برفیلا پہاڑ موجود

ہوتا ہے جو دور سے صرف اوپر کی نوکیلی سفید برف والی چوٹی ہی نظر آتی ہے حالانکہ اس کے نیچے بہت بڑا پہاڑ سمندر میں چھپا ہوتا ہے۔ برف دار نوکیلی چھوٹی چوٹی سے دھوکہ کھا کر جہاز کو آگے بڑھایا جائے تو وہ سمندر میں چھپے ہوئے پہاڑ سے ٹکرا جاتا ہے تھوڑے مریضوں (یعنی ۱۰ فیصد سے بھی کم ہیں) لیپرسی کی نظر آنے والی بدنمائی اسی باریک چوٹی کی طرح ہے جبکہ صرف دھبے رکھنے والے مریضوں کی کثیر تعداد سمندر میں چھپے اس بڑے پہاڑ کی طرح

جس طرح ٹی بی۔ ٹائیفائیڈ۔ کالرا۔ وغیرہ کا موجب ان کا الگ الگ جرثومہ ہوتا ہے۔ اسی طرح لپرسی کا موجب بھی ایک جرثومہ ہے جس کو مائیکوبیکٹریم لپرائی کہتے ہیں جو ٹی بی کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ٹی بی کی طرح یہ بھی ہوا کے ذریعہ دور دور تک پہنچتا ہے اور صحت مند افراد پر حملہ کر سکتا ہے۔ لیکن ۹۹ فیصد لوگ اس سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ وہ لپرسی کے خلاف اپنے جسم میں قدرتی طور پر مکمل قوت مدافعت رکھتے ہیں یعنی فی ہزار صرف دس لوگ ہی متاثر ہو سکتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جراثیم ماحول میں اور ہوا میں کس طرح آتے ہیں۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ بیشتر انسانی بیماریوں کے جراثیم ان میں مبتلا مریضوں کے ذریعہ ہی ماحول میں ہوا یا پانی میں داخل ہوتے ہیں اور دوسرے افراد کو متاثر کرتے ہیں تاہم لپرسی کے ۹۰ فیصد مریضوں میں جسمانی مدافعت اچھی قسم کی ہوتی ہے اس لیے یہ بیماری صرف چند جلدی دھبوں میں مقید ہو جاتی ہے۔ ان دھبوں میں سُن پن اور خشکی پائی جاتی ہے اگر دھبوں پر نشتر لگا کر جلدی گروہ کو سلائیڈ پر لیا جا کر خوردبین میں دیکھا جائے تو لپرسی کے جراثیم موجود نہیں ملتے کیوں کہ جسم ان کو ختم کر رہا ہوتا ہے اس کو لپرسی کی قلیل الجراثیم قسم (PB) کہتے ہیں اور ان سے جراثیم کے ماحول میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کے برخلاف دس فیصد مریضوں میں جسمانی مدافعت موجود نہیں ہوتی اور بیماری پھیلی ہوئی ہوتی ہے جسم پر بے شمار دھبے پائے جاتے ہیں جو چمکتے ہوتے ہیں اور سُن پن بھی اتنا موجود

نہیں ہوتا بڑے ہوئے دھبے میں ساری جلد چکنی موٹی اور چمکدار ہو جاتی ہے اور جلدی گروہ میں شروع سے ہی بکثرت جراثیم پائے جاتے ہیں۔ جو مریض کی چھینک اور کھانسی سے خارج ہو کر فضا میں شامل ہو جاتے ہیں اس کو کثیر الجراثیم قسم (MB) کہا جاتا ہے۔ تاہم پہلے علاج کی پہلی خوراک ہی سے ان مریضوں میں تمام جراثیم ہلاک ہو کر غیر متعدی ہو جاتے ہیں اب اندازہ لگائیے کہ لپرسی سے شفا میں اور ہمارے شہر شہر اور قریہ قریہ اس بیماری کے انسداد میں علاج کی کس قدر اہمیت ہے ایک کم عرصہ میں جتنے زیادہ مریض زیر علاج آجائیں گے اتنا ہی جلد لپرسی کے مکمل انسداد کا عظیم مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

لپرسی سے مت گھبرائیے بلکہ مریض کی ہمت افزائی کیجئے تاکہ وہ بلا جھجک تشخیص قبول کر کے بخوشی زیر علاج آجائے۔ علاج کی اسی روش ہی میں لپرسی کے انسداد کا راز پنہاں ہے۔

سرکار کے لپرسی خاتمہ پروگرام کے تحت قائم کردہ مراکز میں مفت تشخیص اور علاج کیا جاتا ہے مریض کو روزانہ کھانے کے لیے کیپسول اور گولیاں مہینہ مہینہ بھر کے لیے ایک ساتھ دی جاتی ہیں۔ اسطرح چند ماہ میں مکمل شفا حاصل ہو جاتی ہے۔

سلسلہ صفحہ ۲۲

طرف ہاتھ بڑھایا جا سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا کا بے وقوف سے بے وقوف شخص بھی آم ہی کو توڑے گا نہ کہ پتے کو۔ لہٰذا اس عزیز عمر اور قیمتی وقت کو ضائع نہ کیجئے۔ نیکیوں میں سبقت کیجئے اور برائیوں سے بچئے۔ (اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِین)

ماہنامہ
شاداب
حیدرآباد
جلد (۱۰) شمارہ [۴] اپریل ۱۹۹۳ء
قیمت =/6

ایڈیٹر: محمد قمر الدین صابری۔ جائنٹ ایڈیٹر: رشید الدین۔ منیجنگ ایڈیٹر: محمد نہال احمد صدیقی

زر تعاون

ہندوستان	سالانہ 65 روپے	۲ سال 120 روپے	تاحیات 1500 روپے
خلیجی ممالک	" 200 "	" 360 "	" 3700 "
امریکہ	" 40 ڈالر	" 70 ڈالر	" 700 ڈالر
انگلستان	" 25 پونڈ	" 45 پونڈ	" 400 پونڈ
پاکستان	" 75 پاکستانی روپے	" 300 پاکستانی روپے	" 3000 پاکستانی روپے

:- ترسیل زر کا پتہ -:

ماہنامہ "شاداب" 147-5-11 ریڈ ہلز حیدرآباد ۴

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد قمر الدین صابری نے نیشنل فائن پرنٹنگ پریس کیلئے پبلک پرنٹرس چھتہ بازار سے چھپواکر دفتر شاداب 147-5-11 ریڈ ہلز حیدرآباد اے پی سے شائع کیا۔

فہرست

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

٣

ظلم و سفاکی اور اس کا علاج — قسط دوم

میں کہہ رہا ہوں کہ سب سے زیادہ ڈرنے والی چیز جو ہے وہ ظلم ہے، دنیا کے سارے مذاہب، سارے کلچر، سارے دفاتر، سارے صوفی، سنت اس بات پر متفق ہیں کہ انسان سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے اور ہر مذہب کا انسان، ہر شہر کا انسان، ہر قابلیت کا انسان، ہر صلاحیت کا انسان، مفید ہو یا غیر مفید وہ خدا کی صنعت ہے اور خدا کی رحمت کا مظہر ہے ہم اس کو (MASTER PIECE) نہیں کہہ سکتے ورنہ اس سے بڑھ کر (MASTER PIECE) اور کیا ہو سکتا ہے؟

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے، اس پر اعصابی اور جنون کا دورہ پڑ جاتا ہے اور یہ دورہ فرد (INDIVIDUAL) پر بھی پڑتا ہے، سوسائٹی پر بھی پڑتا ہے اور پوری قوم (NATION) پر بھی پڑتا ہے اور تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مرض کا یہ دورہ، جنون (پاگل پن) کا یہ دورہ، ظلم و سفاکی کا یہ دورہ، انسان کی تحقیر و تذلیل کا یہ دورہ، صرف افراد ہی پر نہیں بلکہ پورے پورے معاشرہ، پوری پوری سوسائٹی، پورے پورے ملک اور پورے پورے عہد پر پڑا ہے۔ اور یہ دورہ پڑنا کوئی انوکھی اور تعجب خیز بات نہیں ہے۔ لیکن جو چیز دیکھنے کی ہے اور خطرناک بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس دورہ کو دور کرنے والے اور اس بیماری کا علاج کرنے والے لوگ نہ ہوں، ہم نے انسانی تہذیب اور نسل انسانی پر ایسے بڑے بڑے دورے پڑتے ہوئے دیکھے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ تہذیب زندہ نہ رہ سکے گی، اور یہ نسل اب آگے نہیں چل سکے گی، لیکن ہمت والے لوگ سامنے آ گئے اور انہوں نے واقعات کا رخ بدل دیا، اس کی مثالیں میں آپ کو اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں ایک نہیں دس دے سکتا ہوں لیکن اس وقت پر میں صرف دو مثالیں دوں گا۔

ایک تو جب چین کی سرحد سے ترکستان کے تاتاری اٹھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب

نسلِ انسانی سب کچھ کھو دے گی، اور اب کچھ بھی باقی نہ رہے گا، معلوم ہوتا تھا کہ اب دنیا کو اپنا تہذیبی سفر دوبارہ شروع کرنا پڑے گا کیونکہ سب کچھ برباد ہو جائے گا، نہ کتب خانے رہیں گے، نہ مدرسے رہیں گے، نہ دانشور رہیں گے، نہ پڑھے لکھے انسان رہیں گے، اور یہ حملہ آور حملے تھے ترکستان سے لیکن یورپ میں لوگ ان سے ڈرتے تھے، یہاں چند تاریخی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں جو یورپ کے مستند و مشہور مصنفوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

گبن (GIBBON) اپنی مشہور کتاب "تاریخِ انحطاط اور سقوطِ روما" (THE DECLINE AND FALL OF THE ROMANEMPIRE) میں لکھتا ہے۔

"سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی، ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لیے نہیں نکلے۔"

ایچ جی ویلز (H.G.WELLS) کا قول ہے کہ:

"اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیرِ اقتدار آ جائے گا۔"

ہیرالڈ لیمب (HAROL DLAMB) لکھتا ہے:

"چنگیز خاں کی جہاں آشوبی و غارت گری نے تمدن کو ایسا سخت صدمہ پہنچایا کہ نصف دنیا میں تہذیب و شائستگی کو پھر از سرِ نو جنم لینا پڑا۔ خوارزم کی سلطنت، بغداد کی خلافت، روس کی مملکت اور کچھ دنوں کے لیے پولینڈ (پولان) کی حکومتیں مٹ گئیں۔"

۵

لیکن کیا ہوا؟ کچھ صوفیا (سنت لوگ) کچھ اہلِ دل اٹھے انہوں نے کوشش کی، ان سے ملے، خدا کی یاد دلائی، اس کے غضب سے ڈرایا، ان کو انسان پر ترس کھانے کی تلقین کی۔ اور اپنے اخلاق سے، اپنی روحانیت سے، اپنی بے غرضی اور خلوص سے، اپنی ہمدردی نورعانی ی سے ان کے دلوں کو موہ لیا، ان کے دلوں کو بالکل ایسا نرم بنا لیا کہ وہ بالکل موم ہو گئے جس کے ایسے قصے ہیں کہ بیان نہیں کئے جا سکتے، ان صوفیوں اور درویشوں کا دولت سے بے پرواہ ہونا اور ان کے خلوص کی حد یہ ہے کہ چند بزرگوں کے علاوہ ان میں سے اکثر کے نام بھی ہماری تاریخ میں نہیں ملتے، انہوں نے اپنے نام بھی چھپائے انہوں نے پوری تاتاری نسل کو آدمی بنا دیا اور ایسا آدمی بنایا کہ ان میں مصنف بھی پیدا ہوئے، ان میں بڑے بڑے قانون دان پیدا ہوئے، بڑے بڑے بانیٔ سلطنت پیدا ہوئے، انہوں نے انسانی تہذیب کی حفاظت کی اور صدیوں تک دنیا کی رہنمائی کرنے کے قابل ہوئے۔

تو میرے بھائیو! کسی ملک پر، کسی فرقہ پر، اور مجھے معاف کیجئے میں صاف کہوں گا کہ کسی کمیونٹی (COMMUNITY) پر، کسی مکتب خیال (SCHOOL OF THOUGHT) پر، کسی سماج پر، کسی کلچر اور سویلیزیشن (CIVILISASION) پر یہاں تک کہ کسی ایج (AGE) پر پورے پورے ایج (AGE) پر اس دورہ کا پڑ جانا، اس کا بیمار ہو جانا اور جنون کا شکار ہو جانا کوئی بعید بات نہیں ہے یہ بار بار ہوا ہے۔

لیکن اصل ڈرنے کی بات یہ ہے کہ اس دورے کو علاج کرنے اور آدمی کو پھر آدمیت کے حدود میں لانے اور آدمی کو آدمی بنانے، اور آدمی کو ظلم سے، خون ریزی سے ڈرانے اور انسان کی آدمی سے دل میں محبت پیدا کرنے اور اپنے ملک کی سچی خیر خواہی اور سچی حب الوطنی سچا ملازم اور اپنے ملک کی محبت پیدا کرنے کی تعلیم دینے کے لئے کوئی پارٹی اور کوئی جماعت قائم ہو، یہ جیمس ڈونلڈ کہتے ہیں ایک آدمی جو فلسفۂ تاریخ پر نظر رکھتا ہے اور جس کی

مذاہب کی تعلیمات پر بھی نظر ہے، جس نے آسمانی کتابیں پڑھی ہیں، جس نے روحانی شخصیات کے ملفوظات اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ فکر توڑتے رہتے ہیں دولت پرستی کا دورہ پڑ گیا، خواہشات نفس کی پرستش کا دورہ پڑ گیا. اور آدمی سے بیزار ہونے اور آدمی کی صورت دیکھنے کا روادار نہ ہونے، اور ظلم سے لطف اٹھانے (SADISM) کرنے کی بیماری پیدا ہو جائے، جن کو جائز تفریحات اور فطری لذتوں میں وہ مزہ نہیں آتا اور کسی دلکش گیت اور عمدہ نغمہ سننے میں مزہ نہیں آتا. جو آدمی کو مارنے میں مزہ آتا ہے، یہ ایک بیماری ہے، انسانیت کی آخری حد تک گراوٹ ہے اور آخری درجہ کی ذلت ہے، لیکن انسان اس کا شکار ہوتا ہے اور ہوا ہے اور اگر کہوں کہ ہزاروں بار شکار ہوا ہے تو غلط نہیں ہوگا، پوری پوری تاریخیں لکھی گئی ہیں. ایک قوم کے ظلم پر، ایک سلطنت کے دوسری سلطنت کو غلام بنانے پر، اور ظلم کے نئے نئے طریقے نکالنے پر، اور انسان کشی اور انسان سوزی کے واقعات پر، مگر یہ سب تاریخ کی نذر ہو گیا، تاریخ کے سوا ڈھونڈے سے نہیں ملے گا. معاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ چیز دور نہیں ہو سکتی یہ قہر خداوندی ہے، جس رقبہ کی یہ چیز تھی، اس کی جو حدیں تھیں، اس میں جو انسانی آبادی آباد تھی اب پنپ نہیں سکے گی، اب یہ سر اٹھا کر عزت سے چل نہیں سکے گی، اس کے بچے پڑھ نہیں سکیں گے، اس کی خواتین اور عورتیں عزت کے ساتھ رہ نہیں سکیں گی.

لیکن اچانک ہوا کا رخ بدلا اور بہار کا ایسا جھونکا آیا، روحانیت کا ایک ایسا جھونکا آیا اور قربانی دینے کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ لوگوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کی، اپنی عزتوں کی پرواہ نہیں کی، عہدے تو عہدے کیا ہیں اپنی صحت کی اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کی، خوف کا بادل چھٹ گیا، وہ کہر دور ہو گیا، وہ انسان جو بالکل عقل کھو بیٹھا تھا، جو اس باختہ ہو چکا تھا اور اس کے منہ کو خون لگ گیا تھا، اس کو کھانے میں وہ مزہ نہیں آتا تھا جو

جو انسان کا خون بہانے میں مزہ آتا تھا وہ انسان اور انسانیت کا محافظ بن گیا، جو رہزن اور حملہ آور تھا وہ پاسبان اور چوکیدار بن گیا، جو قاتل تھا وہ معالج اور تیماردار بن گیا۔

ایک ایسا دور بھی گزرا ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہو پاتے اور آج بھی کہیں کہیں ایسا ہو رہا ہے کہ لوگ اپنے بچوں، پوتوں اور نواسوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتے، بچے ہنستے ہوئے آتے ہیں کہ دیکھ کر پیار آ جاتے گا مگر پیار کے بجائے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں کہ کل نہیں معلوم کہ ان کا کیا حشر ہوگا، کب ہسٹریا کا دورہ پڑ جائے اور ان بچوں کو ان کے ماں باپ کے سامنے چیر پھاڑ کر رکھ دیا جائے، ہزار افسوس اور شرم ایسی زندگی پر کہ آدمی اپنے جگر کے ٹکڑوں کو، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت کو اور ہنستے مسکراتے بچوں، نواسوں، پوتوں اور پوتیوں اور پردہ نشین خواتین کو جن پر کسی کا سایہ نہیں پڑا، جن پر آج تک کسی کی نگاہ نہیں پڑی ان کو دیکھ کر یہ خطرہ محسوس کرے کہ معلوم نہیں کب جنون کا ایک دورہ آئے، دیوانگی کا ایک ابال آئے اور اس کے بعد نہ شریف عورت رہے نہ معصوم بچہ معصوم بچہ رہے، نہ یتیم کو یتیم سمجھا جائے نہ بے کس پر رحم کیا جائے، نہ بیوہ پر ترس کھایا جائے، یہ ایک بیماری ہے اور انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہے، خدا کے پیدا کرنے کے منشا کے خلاف ہے، اور خدا کے پیغمبروں، رسولوں اور ریفارمرس کی تعلیمات کے خلاف ہے لیکن یہ ہوتا ہے اور جو چیز ہوتی ہے اس کا ذکر بھی کرنا پڑتا ہے، دل پر پتھر رکھ کر ذکر کیجئے، آنکھوں پر پٹی باندھ کر ذکر کیجئے، رو کر کیجئے، چیخیں مار کر کہئے، کراہوں کے ساتھ کہئے، آہوں کے ساتھ کہئے لیکن اس کو کہنا پڑتا ہے اور کہنا ہی نہیں پڑتا، لکھنے پڑھنے والا آدمی ہوں لکھنا بھی پڑتا ہے، تاریخ میں ایسے واقعات درج ہوتے ہیں اور آنے والی نسل انھیں دیکھتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ کس نسل کے لوگ تھے؟ ان کو کیا ہو گیا تھا۔ ان کو یہ دیوانگی کا دورہ کیسا پڑا تھا۔ اور ان کی انسانیت کہاں چلی گئی تھی؟ اور کیا دل نکال کر انھوں نے پھینک دیا تھا؟

کیا آنکھیں انہوں نے پھوڑ لی تھیں؟ کیا ان کو کسی کے دکھ سے تکلیف نہیں ہوتی تھی؟ کیا انسان کے رستے ہوئے زخموں کو دیکھ کر ان کے آنسو نہیں نکلتے تھے؟ جہاں خون بہا ہے وہاں کم سے کم آنسو تو بہنے چاہیئے تھے، آنسو بہنے میں کیا لگتا ہے؟ آنسو بہنے میں کیا جاتا ہے، لیکن نہیں وہ ایسے سنگدل تھے کہ انسان کے جسم سے خون بہتے ہوئے دیکھتے رہے اور ان کی آنکھ سے ایک آنسو نہیں ٹپکا، کیوں کہ وہ انسان کو جانچتے تھے تاریخی روایات سے انسان کو جانچتے تھے افسانوں سے اور کہانیوں سے انسان کو جانچتے تھے، لوگوں کی افسانہ طرازیوں سے جس پر سینکڑوں برس نہیں ہزاروں برس گزر گئے، لیکن وہ ان کے نزدیک ایک زندہ چیز تھی اور وہ خدا جو حیّ و قیّوم ہے وہ ان کے نزدیک زندہ نہیں ہے؟ وہ انسانیت جو دنیا میں پنپ رہی ہے، پھل پھول رہی ہے، گل کھلا رہی ہے، شاہکار بنا رہی ہے کتب خانے بھر رہی ہے اور اب بھی اس کے اندر ذہانت کا خزانہ ہے، اب بھی اس کے اندر محبت کا خزانہ ہے اب بھی اس کے اندر گل سا کھلا رہا ہے، یہ انسان جس سے دنیا کی بہار ہے، اگر انسان نہ ہو تو دنیا کی کیا قیمت ہے، انسان ہی سے اس کی بہار ہے، انسان ہی سے اس کی رونق قائم ہے، انسان ہی سے اس کی چمک دمک برقرار ہے، چلے جائیے آپ قبرستان میں کیا آپ کا دل وہاں لگے گا۔ چلے جائیے عجائب گھروں میں کیا وہاں رہنے کو دل چاہے گا، کیسے کیسے جانور ہیں، کیسی کیسی شاہکار اور صنعت کی چیزیں ہیں، لیکن وہاں آپ ٹھہر نہیں سکتے، دیکھیں گے اور چلے آئیں گے لیکن انسان کی بستی سے انسان نہیں گھبراتا، جنگل سے گزرتا ہے تو ڈرتا ہوا، خدا سے دعا کرتا ہوا کہ خیریت سے گزر جائے اور انسانوں کے پاس صحیح سالم پہنچ جائے، اگر انسان کو انسان سے محبت نہ ہو، انسان کو انسان کے دکھ درد کا احساس نہ ہو، انسان انسان پر ترس نہ کھائے، انسان انسان سے ہمدردی نہ کرے تو وہ انسان نہیں بھیڑیا ہے، اور کون ہے جو بھیڑیے کی تعریف کرتا ہے اور کون ہے جو بھیڑیئے سے نفرت نہیں کرتا ہے، اور کون ہے جس کا بھیڑیئے کی لڑائی

دل نہیں دکھتا ہے، اتنے بڑے مجمع میں ہے کوئی شخص جو یہ کہے کہ آپ بھیڑیئے کی برائی کیوں کر رہے ہیں، لیکن جب انسان بھیڑیا بن جائے تو کیوں آپ کا دل نہیں دکھتا، کیوں آپ کے دل پر چوٹ نہیں آتی، اس کے نام سے نفرت کا اظہار کیوں نہیں ہوتا، انسان بھیڑیا بننے کیلئے بنایا گیا ہے؟ انسان تو فرشتہ بننے کے لیے بنایا گیا ہے، انسان تو ولی بننے کے لیے بنایا گیا ہے انسان کو تو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا ہے اور ہماری شاعری ہماری بول چال، ہمارے احساسات اور ہماری مجلسوں میں اسی حیثیت سے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بھیڑیا بھیڑیا ہے، آج تک بھیڑیا ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شاعر نے بھیڑیئے کی شان میں قصیدہ کہا ہو اور کسی صحیح الدماغ آدمی نے بھیڑیئے کو اپنا ہیرو بنایا ہو اور اپنا آئیڈیل سمجھا ہو، سانپ بچھو سے تو ہم نفرت کریں، بھیڑیئے اور تیندوے سے تو ہم نفرت کریں، شیر اور چیتے سے تو ہم نفرت کریں، اور وہی کام ہم کریں اور ہمیں شرم نہ آئے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک انسان کا ایک انسان پر ہاتھ اٹھتا کیسے ہے، اس ہاتھ کو دیکھنا چاہیئے اس کو ڈاکٹروں کے پاس لے جانا چاہیئے۔ اس کی پوری جانچ کرانا چاہیئے اس کو کاٹ کر دیکھنا چاہیئے کہ اس کے اندر کون سی چیز بھری ہوتی ہے اور اس کا خون اس کے اندر دوڑ رہا ہے، یہ ہاتھ انسان پر اٹھنے کے لیے نہیں بنایا گیا تھا! یہ ہاتھ بنایا گیا تھا انسان پر ظلم روکنے کے لیے، انسان خواہ یورپ کا ہو، انسان خواہ افریقہ کا ہو، انسان خواہ امریکہ کا ہو، کہیں پر جہاں بھی زیادتی ہو ہمارا ہاتھ اٹھنا چاہیئے، اور زیادتی کو روکنا چاہیئے اگر گھر میں ہے تو وہاں بھی، راستہ چل رہا ہے تو وہاں بھی بازار میں ہے تو وہاں بھی۔ حالی کہتے ہیں ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

اور ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ۔

" الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک و تعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء ۔

(رحم کرنے والوں پر وہ خدا رحم کرتا ہے جس کا نام ہی رحمٰن ہے تم اہل زمین پر رحم کرو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے)

مولانا حالی نے اس کا ایک شعر میں خوب ترجمہ کیا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اور یہ وہ حدیث ہے جو حدیث کے حلقے میں سب سے پہلے سنائی جاتی ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ اس حدیث کو کتنی اہمیت دی گئی ہے ۔

موجودہ صورت حال کے پیش نظر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن اس وقت سب سے پہلے ضرورت اس کی ہے کہ ہمارے مذہبی پیشوا اور ہمارے پولیٹیکل لیڈر نکل آئیں اور ہاتھ پکڑ پکڑ کر کہیں کہ اس ملک کی عزت رکھ لو، اس ملک کی شہرت پر بٹہ نہ لگاؤ " آدمی بن کر رہو، ایک دوسرے سے محبت کرو، زندگی کا سارا لطف اس میں ہے کہ آدمی آدمی کو دیکھے، آدمی آدمی کو پہچانے اور امید رکھے کہ ہم پر اگر کوئی آفت پڑے گی، ہم پر اگر کوئی مصیبت آئے گی تو یہ بچائیں گے، اسی کا نام زندگی ہے، اسی کا نام تمدن ہے اور اسی کا نام حب الوطنی ہے اور اسی کا نام سیاست بھی ہے، سیاست بھی یہی ہے کہ ملک میں سب رل مل کر رہیں ۔

بس حضرات میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے ملک پر اس وقت جنون کا دورہ پڑا ہے دیوانگی کا جو دورہ پڑا ہے، جذباتیت کا جو دورہ پڑا ہے، مذہبی سیاسی استحصال

(EXPLOITATION) کا جو دورہ پڑا ہے یہ دورہ ہے اور دورہ عارضی ہوتا ہے، یہ دورہ چلا جائے گا مگر اس کے دور کرنے کے لیے علاج کرنے والوں کی ضرورت ہے، ہمدردوں کی ضرورت ہے، دل رکھنے والوں کی ضرورت ہے۔ جو اپنے گھروں سے گھبرا کر نکل آئیں اور اس کا بھی خیال نہ کریں کہ ہم کیا کھائیں گے کیا پئیں گے؟ اور دیوانے بن کر اس ملک میں پھریں، جتھے بنا کر جلسے کریں، عوام کو جمع کریں، اور ملک کے نام پر، انسانیت کے نام پر، عقل و انصاف کے نام پر اور خدا کے خوف اور اس کی پہچان کے نام پر ان سے اپیل کریں کہ اب اسے ختم کرو، اب ٹھنڈے ہو جاؤ، اور اب جو تعمیری کام ہیں، ترقی کے کام ہیں، ملک کو بنانے والے کام ہیں ملک کا نام روشن کرنے والے کام ہیں اور ملک کی عزت بڑھانے والے کام ہیں وہ کام کرو۔ یہ ملک بہت بدنام ہو چکا ہے، آپ کو شاید معلوم نہیں لیکن میں آپ سے کہتا ہوں، مجھے یاد نہیں اور تاریخ کے اندر ریکارڈ موجود ہے اس ملک پر کبھی ایسا دھبہ نہیں آیا تھا، اور یہ ملک باہر کی دنیا میں کبھی اس نظر سے دیکھا نہیں گیا تھا جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے، اس میں ہم سب شریک ہیں، ہندو مسلمان سب شریک ہیں اس لیے کہ ہم بھی ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی رہیں گے۔ ان شاء اللہ ہندوستان ہمیں عزیز ہے، یہاں کی تہذیب ہمیں عزیز ہے، یہاں کی تاریخ ہمیں عزیز ہے، یہاں کا سویلیزیشن ہمیں عزیز ہے اور مسلمانوں نے اس ملک کو چھوڑا نہیں، وہ کہیں بھی جا سکتے تھے، ان کے لیے بہت سی جگہیں تھیں لیکن ان سے اپنا وطن چھوڑا نہیں گیا اور نہ چھوڑا جائے گا، مگر اس کے لیے ہمت سے کام لیں، حوصلہ سے کام لیں، پاور سے کام لیں، تنظیم سے کام لیں، حکومتیں اپنا کام انجام دیں، اسکول اور کالجز اپنا فرض انجام دیں، پولیس اپنا فرض انجام دے، پریس اپنا فرض انجام دے۔

ملک کی تین پولیس اگر بیٹھ جائیں تو ملک باقی رہ جائے گا اور وہ تین پولیس ہیں، ایجوکیشن، پولیس، اور پریس، یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر یہ درست ہو جائیں تو پھر کوئی بڑا

خطرہ نہیں ہے، آدمی پڑھ کر نکلے تو روشنی کا سبق پڑھ کر نکلے، انسان کی عزت کا سبق پڑھ کر نکلے، اس کے بعد پولیس، جس میں خدمت کا جذبہ ہو، میں آپ سے صاف کہتا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ یہاں پولیس کی کتنی نمائندگی ہے لیکن میں ایک حقیقت بیان کرتا ہوں میں کتنے ملکوں میں گیا ہوں۔ وہاں پولیس کو دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے وہاں پولیس کو رہنما اور مددگار سمجھا جاتا ہے، مجھے خود اتفاق ہوا ہے کہ لندن میں ایک کانسٹیبل سے پتہ پوچھ لیا تو پوچھ کر پچھتایا، صرف اتنا ہی نہیں کہ اس نے پتہ بتایا بلکہ ساتھ ساتھ چلا، اور پولیس وہاں ہے ہی اس کام کے لیے کہ زیادتی نہ ہونے دے اور کمزور کی مدد کرے اور یہی نہیں بلکہ رہنمائی کرے، انگریزوں نے اپنا رعب قائم کرنے کے لیے (کہ وہ سمندر پار سے آئے تھے) انہوں نے پولیس ایجنسی بنائی تھی کہ اس کے ذریعہ اپنا رعب قائم کریں، انگریزوں کو پولیس کے ذریعہ مرعوب کرنا تھا، اب آج کل اس کی کیا ضرورت ہے، آج کل تو یہ ہونا چاہیے کہ آدمی پولیس کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرے کہ میں خطرہ میں پڑ گیا تھا، مال خطرہ میں پڑ گیا تھا، عورتیں بڑے خطرہ میں پڑ گئیں تھیں، بچوں کی جانیں خطرہ میں پڑ گئی تھیں، یہ پولیس والے تھے جنہوں نے بچایا، ایسا ہونا چاہیئے تھا، یہ احساس عام ہونا چاہیئے تھا، میں کہتا ہوں ایجوکیشن، پولیس، اور پریس تین چیزیں ہیں اگر درست ہو جائیں تو اس ملک میں اس طرح کے واقعات پھر نہیں ہو سکتے جس طرح کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ دورہ پڑنے سے نہ گھبرایئے، بیماری پھیلنے سے نہ گھبرایئے، انسان ہیں زندگی میں سب کچھ ہوگا، یہ نشیب و فراز ہیں زندگی کے، اتار چڑھاؤ ہے زندگی کا، لیکن ڈرنے کی بات یہ ہے کہ اس دورہ کا علاج کرنے کے لیے، اس بیماری کا خطرہ ختم کرنے کے لیے، اس مریض کو بچانے کے لیے کوئی جماعت نہ ہو، کوئی آرگنائزیشن نہ ہو، کوئی پارٹی نہ ہو اور محب وطن ہمدرد انسانیت صاحب دل اور منصف مزاج لوگ نہ ہوں، کسی بھی ملک کے لیے خواہ اس کی زمین خزانے اگلے، اس کا آسمان سونا برسائے اور اس کا دریا سونے اور چاندی کے بن جائیں اور اس ملک میں بہنے لگیں

اور بے محنت کے سب کو روزی ملے، اطمینان نہیں اگر آپس کے تعلقات درست نہیں، اگر ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ نہیں۔

یہ کیا بات ہے ہم آدمی کو دیکھ کر گھبرائیں، گھبرانے کی چیز بھیڑیا ہے، گھبرانے کی چیز تیندوا ہے، گھبرانے کی چیز سانپ ہے، گھبرانے کی چیز بچھو ہے، گھبرانے کی چیز آدمی نہیں ہے۔ کیا یہ آدمی کیلئے پیدا ہوا تھا کہ آدمی آدمی کو مارے، آدمی کیلئے اور اندیشے اور خطرات کیا کم تھے۔

میں کہہ رہا تھا کہ ان تاتاریوں کو جس نے آدمی بنایا، قانون کا احترام دیا، تہذیب کا محافظ بنایا، وہ اللہ والے لوگ تھے، وہ دل والے لوگ تھے، وہ روحانی لوگ تھے، ہندستان کا آزاد کرانا آسان نہ تھا، آپ دیکھئے انگریزوں کی سلطنت۔ برٹش امپائر کہاں تک تھی، ہم نے بچپن میں یہ مثل سنی تھی کہ انگریزوں کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا، کہیں نکلو گے کوئی نہ کوئی کونا ایسا مل جائے گا جہاں آفتاب روشن ہوگا، یہاں سے لے کر عدن تک ان کی حکومت تھی اور یہ ایک خواب تھا کہ کبھی یہ ملک آزاد ہوگا، لیکن ہندو مسلمان جو محبان وطن تھے انہوں نے گاندھی جی کے ساتھ، مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ، مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے ساتھ، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، اور شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ساتھ، اور ان کے بعد مولانا حسین احمد مدنی اور نہرو خاندان کے ساتھ یہ نعرہ دیا کہ انگریزوں کا بائیکاٹ کرو، گاندھی جی اور مولانا آزاد سب سے آگے آگے تھے اور اس وقت ہندو اور مسلمان اپنے کلچر کے اختلاف کے باوجود، اپنے زبان کے اختلاف کے باوجود، اس طرح باہم مربوط تھے اور اس طرح ملے ہوئے تھے جیسے گھی اور شکر، دودھ اور پانی ملا ہوتا ہے، میرا شروع کا زمانہ تھا میں نے امین آباد پارک میں گاندھی جی کی تقریر سنی ہے، میں نے موتی لال نہرو کو دیکھا ہے، مولانا آزاد سے تو ہمارے ملنے تعلقات تھے، ان لوگوں نے دل کر ان ہونی بات ہونی کر دی کہ ہندوستان آزاد ہوا۔ اس وقت کوئی کہتا تو اس سے کہا جاتا کہ میاں اپنے دماغ کا علاج کرالو، اپنے ہوش و حواس کا علاج کرا

پیدا ہوئے تھے، انہوں نے تمام بودھ عبادت گاہوں کو ہندو مندروں میں تبدیل کر دیا تھا، میں نے وہاں جاکر دیکھا ہے، میں نے نالندہ کی بودھسٹ یونیورسٹی بھی دیکھی ہے جو کھدائی میں نکلی ہے، اور جگہ جگہ میں نے دیکھا ہے کہ جینیوں کے ہزاروں مندر بدل گئے، بدھوں کے سینکڑوں، ہزاروں معبد ہندوؤں کی تحویل میں چلے گئے، راجیو جی سے لے کر جو پرائم منسٹر آیا میں نے ان کو خط لکھا، میرے وہ خط چھپے ہوئے ہیں، میں نے لکھا کہ تاریخ کو الٹا سفر نہ کرائیے، تاریخ کو الٹا سفر کرانا بڑی غلطی ہے، تاریخ کو آگے بڑھائیے فرصت کہاں ہے اتنی، کتنے دن کی زندگی ہے، کتنے ہمارے وسائل و ذرائع ہیں اور کتنے مواقع و امکانات ہیں، اور دنیا میں کیسے کیسے حوادث پیش آ رہے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جن کی عمریں نوّے سے متجاوز ہوتی ہیں، پھر کیوں وقت ضائع کیا جا رہا ہے، کیوں تاریخ کو الٹا سفر کرایا جا رہا ہے، کیوں اپنی طاقت، اپنی انرجی، اپنی صلاحیت اور اپنی قابلیت کو برباد کیا جا رہا ہے، تاریخ کو آگے بڑھائیے۔ ملک کو آگے لے جائیے، یہ کیسا دورہ ہے کہ ملک کو پیچھے لے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اگر یہ ہوتا رہا کہ پہلے یہ تھا وہ تھا، پھر اس سے فرصت نہیں ملے گی، اور پھر ایسی خرابیاں پیدا ہوں گی کہ جینے کا مزہ نہ رہے، ہندوستان کا نام ڈوب جائے گا، اس کے نام پر خاک پڑ جائے گی۔ اور یہاں جو ہیروز، تھنکر اور فلاسفر پیدا ہوئے ہیں وہ سب چھپ جائیں گے اور سامنے صرف یہ رہے گا کہ وہ ہندوستان جہاں آدمی جلایا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں آدمی کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں آدمی کو آرا مشین میں لکڑی کی طرح چیر دیا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں معصوم بچوں کو چلتی ٹرینوں سے اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ باتیں خدا کو پسند نہیں، آپ ستاروں تک پہنچ جائیں، چاند تک پہنچ جائیں، لیکن جیسے کہ ایک انڈین فلاسفر نے کہا تھا سی ای ایم جوڈ (C.M. JOAD) نے لکھا ہے، وہ لندن میں فلاسفی ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ تھا، اس نے لکھا ہے کہ یہ بات ہندوستانیوں کے لیے فخر کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ایک

نازل حالت میں ہو؟ انگریزوں کو کوئی نکال سکتا ہے لیکن یہ ہندو مسلم اتحاد تھا، یہ حب الوطنی اور ملک کی محبت تھی جس نے انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا۔

اس کے بعد تین چیزیں تھیں گاندھی جی نے اور ان کے ساتھیوں نے اور مولانا آزاد نے (مولانا آزاد سب سے نمایاں اور سب سے آگے ہیں) تین چیزوں کو پیش کیا تھا کہ یہ تین شرطیں ہیں جب تک یہ رہیں گی ہندوستان آزاد رہے گا، پرامن رہے گا، خوشحال رہے گا اور محبت کا گہوارہ رہے گا، ایک سیکولرزم، ڈیموکریسی اور نان وائلنس SECULARISM، NONVIOLENCE، DEMOCRACY۔ یہ تین چیزیں ہیں جو ضروری ہیں ملک کی بقا کے لیے، یہ رہیں گی ملک رہے گا، اسکالرز بھی سن لیں، ہسٹورین بھی سن لیں اور سب سن لیں اور لوح دل پر محفوظ کر لیں، کچھ بھی ہو جائے یہ ملک ان تین چیزوں کے بغیر نہیں رہ سکتا، آج میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ملک تین چیزوں پر باقی رہ سکتا ہے، ایک یہ کہ ڈیموکریٹ اسٹیٹ ہو، نان وائلنٹ ہو اور سیکولر ہو۔ اس لیے کہ تقدیر الٰہی نے یہ فیصلہ کر دیا ہے (اور خدا کا فیصلہ کوئی بدل نہیں سکتا) کہ اس ملک میں ہندو بھی رہیں گے اور مسلمان بھی، جینی بھی رہیں گے اور بودھ بھی، سکھ بھی رہیں گے اور عیسائی بھی، اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کیوں باہر سے بھیجتا، کیوں یہ آسانی پیدا ہوتی، یہ ملک اسی طرح رہ سکتا ہے کہ یہ ملک سیکولر ہو، عرب شاعر کہتا ہے کہ "جب آگ کو کچھ اور کھانے کو نہیں ملتا تو وہ اپنے کو کھانے لگتی ہے" یہ اسلام سے پہلے کی شاعری میں ہے کہ آگ اپنے کو کھانے لگتی ہے اگر اسے کچھ کھانے کو نہ ملے، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج اگر آپ نے مسلمانوں سے خدانخواستہ کس منہ سے کہوں مگر کہنا پڑتا ہے۔ فرض کر لیں آپ نے مسلمانوں کے عزیز اور مقدس مقامات کو اپنی تحویل میں لے لیا تو یاد رکھئے پھر یہ اختلاف آپ کے اندر چلے گا، یہ بیک ورڈ کلاسز ہیں، جینی ہیں، بدھسٹ ہیں، کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ہماری عبادت گاہیں واپس کرو، آٹھویں صدی عیسوی میں سارے ہندوستان میں شنکراچاریہ

انڈین فلاسفر آئے غالباً رادھا کرشنن تھے وہ آئے ہمارے یہاں کے ایک بڑے ذہین لڑ
والے نے کہا آپ کو خبر ہے ہم کہاں سے کہاں پہونچ گئے ہم چاند پہ پہونچ گئے۔ ہم نے مہینا
اتنے گھنٹوں میں طے کرلی، ہم ایک براعظم کے فلاں کنارے سے دوسرے براعظم کے کنارے تک
ہوائی جہاز سے پہونچ گئے۔ پہلے وہ سنتے رہے پھر سب سننے کے بعد انہوں نے کہا کہ ہاں! پانی
پر تم مچھلیوں کی طرح تیرنے لگے اور فضا میں چڑیوں کی طرح اڑنے لگے مگر زمین پر آدمیوں کی طرح
چلنا تم کو نہیں آیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب نے اس بات کو کوٹ کیا ہے، جامعہ کی پچاسی سالہ ج
میں میں بھی وہاں موجود تھا کہ جو بچہ دنیا میں آتا ہے وہ اس بات کا ثبوت لاتا ہے کہ خدا انسا
سے مایوس نہیں ہے ورنہ اس بچہ کو دنیا میں نہ بھیجتا، مگر ہمارا فعل بتاتا ہے (اس زمانہ میں فسا
کی ایسی وارداتیں ہو رہی تھیں) کہ ہم انسانوں سے مایوس ہیں خدا مایوس نہیں اگر وہ مایوس ہو
بچہ کو اس دنیا میں نہ بھیجتا۔' آپ انسان کو آزما کر تو دیکھیے کہ وہ کیا چیز ہے آزمائیے تو
کہ خدا نے وہ دل دیا ہے جو اپنی مخلوقات میں کسی کو نہیں دیا۔ میں یہ کہتا ہوں مذہب کا جا
والا اور مذہب سے تعلق رکھنے والا ہونے کے باوجود کہ یہ دل فرشتوں کو بھی نہیں دیا گیا، خدا نے ج
دل انسان کے درد میں جلنے والا پگھلنے والا، تڑپنے والا آنکھوں سے آنسو بہانے والا خدا
سے مانگنے والا، اس کے سامنے گڑگڑانے والا دل انسان کو دیا ہے وہ کس کو دیا ہے!
یہ انسان تو اس قابل تھا کہ اس کو آنکھوں میں بٹھایا جائے، سر پر جگہ دی جائے، اپنے د
میں اس کو رکھا جائے۔ کہ ہمارا بھائی ہے لیکن اسی انسان پر ہاتھ اٹھتا ہے، اسی انسان کو
روندا جاتا ہے۔ کمزور عورتوں اور معصوم بچوں کو ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، بمبئی، احمدآباد
اور خاص طور سے سورت میں آپ دیکھیے کہ کیا ہوا اور دنگے گھر میں ہو جاتے ہیں میں آپ سے
صاف کہتا ہوں مجھے بہت جگہ جانا ہوتا ہے میرے دوست احباب ہر جگہ ہیں کہا نہیں جا سکتا
وہاں جو ہوا، عورتوں کو برہنہ کر کے سڑکوں پر چلایا گیا، ان کے ساتھ برا سلوک کیا گیا اور ا

گولی تک مار دی گئی، یہ کسی طرح سے نہ مذہب کے شایان شان ہے نہ انسانیت کے، نہ علم کے، نہ عقل کے، نہ شرافت کے اور نہ ہندوستانیت کے آپ کو پتہ نہیں کہ ہندوستان کو باہر کی دنیا میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اس کو کیا مقام ملا ہوا تھا، یہاں اللہ کے ایسے ایسے بندے پیدا ہوئے کہ بتلانے پر آؤں تو شام ہوجائے لیکن آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا آخر میں پھر یہ کہتا ہوں پتہ کی بات ہے، نوٹ کرنے کی بات ہے، بیماری ڈرنے کی چیز نہیں ہے، بیماری کا علاج کرنے والوں کا نہ ہونا ڈرنے کی چیز ہے بیمار کی بیماری دیکھ کر علاج کا جذبہ رکھنے والوں کی کمی، یہ بات ہر ملک، ہر سوسائٹی، ہر تہذیب اور ہر عہد کے لیے خطرناک ہے اور یہ دنیا جو اب تک باقی ہے یہ انہیں علاج کرنے والوں کی بدولت باقی ہے، اولاً پیغمبروں کی برکت سے پھر صوفیوں اور دل والوں، ہمدردوں اور انسان دوستوں کی برکت سے قائم ہے، جنہوں نے اپنا آرام چھوڑا، کھانا پینا بھول گئے، گھر والوں کو بھول گئے اور انسانوں کو دکھ سے بچانے کے لیے اور انسانوں کو انسانوں کے خنجر سے محفوظ رکھنے کے لیے اور انسان دشمنی کا علاج کرنے کے لیے گھروں سے باہر آگئے فاقے کئے، جاگ کر راتیں گذاریں، جان کو خطرہ میں ڈالا اور دیوانہ وار نکل پڑے۔ آج اس ملک میں اسی کی ضرورت ہے۔

ہم امید کرتے ہیں ہمارے یہ معزز بھائی جو یہاں اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بہت سے معزز بھائی جن کو اسٹیج پر جگہ نہیں ملی یہ لوگ ہمت کر کے اور دوسرے پولیٹکل لیڈر اور مذہبی پیشوا باہر نکلیں اور اس صورت حال کو ختم کرنے کی کوشش کریں کہ اب یہ دوبارہ تر ہونے پائے کچھ بھی ہوجائے یہ نہ ہونے پائے خدا کو اس سے خوش ہوتا ہے کہ آپ اس کا نام لیں، آپ اس کے بندوں کی خدمت کریں، خدا کو اس سے خوشی ہوتی ہے اور یہ بنا دیا، وہ بنا دیا، خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے، انسانوں ہی کے لیے اس نے سب چیزیں بنائی ہیں یہاں تک کہ مسجد و مندر بھی انسانوں ہی کے لیے بنائے گئے، وہاں جاکر جا نور عبادت کرتے ہیں، میں نے آپ کا بہت وقت لیا

باقی صفحہ ۳۹ پر

سلطان زاہد محی الدین
(ایم اے عثمانیہ)

ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی اور قیام خلافت

ہماری پہلی ضرورت ہے

بیسویں صدی عیسوی کا اہم واقعہ علوم و فنون کی ترقی اور سائنس و ٹکنالوجی کا کمال ہے تو اس سے بھی زیادہ اہم واقعہ انسانی اقدار کا پامال، عالمی اخلاقی بحران اور ملت اسلامیہ کا زوال ہے اگرچہ یہ قانون قدرت اور فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر عروج کے بعد زوال اور ہر خزاں کے بعد بہار آتی ہے ہر شب کی ایک سحر ہوتی ہے لیکن شب تاریک طویل ہو جائے تو یہ غیر معمولی بات ہوگی۔ ملت اسلامیہ کے خزاں رسیدہ چمن میں کیوں بہاریں لوٹ نہ آئیں؟ اور زوال و انحطاط کا یہ سلسلہ دراز کیوں ہو گیا یہ بات غیر فطری معلوم ہوتی ہے اور شب غم کی درازی کا یہ افسانہ کسی شاعر کا خواب پریشاں نہیں بلکہ ایک تلخ حقیقت ہے ایک مہلک بیماری ہے خدا نے ہر بیماری کا علاج پیدا کیا ہے سعی مدام ہے کوشش پیہم!

عالم اسباب کا ہر واقعہ قانون علت و معلول (Cause and effect) کے تابع ہوتا ہے ہمارے اسلاف کے ہاتھوں میں علوم و فنون کی مشعل تھی اور ہم تہی دست ہیں روشنی علم و ہنر سے یورپ کے، نئی دنیا کے در و دیوار جگمگا اٹھے ہیں، بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہوا سے ہمارا دیا روشن کر دیتی ہے اور جہالت کے اندھیرے تا [illegible]

اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس میں علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کا فرض قرار دیا گیا، اور آنحضرت صلعم دنیا کے آخری پیغمبر ہیں جن پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا پہلا حکم ہے "پڑھو" حق کا اعلان کرو۔ لیکن مسلمانوں کے لیے اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی موجودہ علمی اور سائنسی ترقی میں دنیا کی معمولی اقلیت پر مشتمل یہودیوں کا حصہ اٹھیاسی فیصد ہے اور سو کروڑ سے زاید مسلمان کسی شمار میں نہیں آتے۔ حالانکہ ہمارا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ کی شریعت مطہرہ تمام شریعتوں کی جامع شریعت ہے آپ کا دین، دین مکمل ہے اور آپ کی شخصیت دنیا کی سب سے زیادہ کامل اور جامع شخصیت ہے جس کے تاریخی شواہد موجود ہیں آپ رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے ایک نمونہ ہیں

آج دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں مسلمان آباد نہیں لیکن فرزندان توحید کی مظلومی بیکسی اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ انتشار اور خلفشار کا ایک عبرتناک نمونہ بنے ہوئے ہیں۔ آج کے عالم اسلام میں کوئی عمر بن خطابؓ یا عمر بن عبدالعزیزؒ تو بڑی بات ہے ایک سلطان سلیم یا ایک شاہ فیصل بھی نہیں ہے۔ اس عظیم تضاد اور عدم توازن کا سبب کیا ہے اور وہ کیا چیز ہے جس سے امت کی اصلاح ہو سکتی ہے؟ امت مسلمہ کے لائق ذہین و فطین علما کا فیصلہ ہے کہ وہ نسخہ کیمیا قرآن حکیم ہے اور رسول اللہ کی سیرت طیبہ ہے جو ہماری ہر خامی کو خوبی سے بدل سکتی ہے جس کی بدولت عرب گڈریوں کو دنیا کی امامت نصیب ہوئی اور انھوں نے عالمی قیادت کو وہ معیار عطا کیا کہ اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اگر ہم تاریخ سے سبق سیکھیں تو یہ تاریخ ضرور دہرائی جائے گی۔

قرآن حکیم میں ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں سے اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ انہیں "خلافت ارضی" عطا کی جائے گی۔ یہاں خلافت کا مطلب کسی [illegible] کی [illegible] اور [illegible] اور وہ سیاسی قوت ہے۔

جس سے عدل قائم کیا جاسکتا ہے۔ جس طاقت سے باطل کی سرکوبی کی جاتی ہے، جس کا مقصد جنگ کی دعوت دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔ جن خوش بختوں کو خلافت عظمیٰ عطا کی جاتی ہے وہ دنیا کے عیش و راحت میں مصروف نہیں ہوتے بلکہ نماز قائم کرتے زکوٰۃ وصول کرتے اور مستحقین تک پہنچاتے ہیں اسطرح معاشرہ میں سماجی عدل اور نیکی کا تصور فروغ پاتا ہے ایسے لوگ اللہ کے نزدیک آخرت میں بھی بہترین جزا پانے والے ہیں، دین و دنیا کی بھلائی ان کا مقدر ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ نے کیا خوب کہا تھا کہ دنیا کی بدترین قوم وہ ہے جو دنیا کی ترقی میں پوری اترتی ہے نہ دین میں ۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، دین و دنیا کی بہتری توازن اور اعتدال ہی اسلامی تعلیم ہے جس کے بغیر امن قائم ہوسکتا ہے نہ کسی ترقی کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کے معنی ہی امن و سلامتی میں داخل ہوتا ہے لیکن دشمنوں نے اسلام کو جنگ و جدل کا مذہب مشہور کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور مسلمان باہمی رنجشوں، سیاسی آویزشوں میں اپنی توانائی ضائع کرتے رہے، ایک طرف رہبانیت سے عاری فقر کو اسلامی تصوف کا نام دیا گیا، جس میں رہبانیت اور دنیا بیزاری کی تعلیم تھی تو دوسری طرف جبر و تشدد ظلم اور لوٹ کھسوٹ کو سیاست کا جزو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اسطرح اسلامی حکومت بھی خلافت کے تصور سے خالی ہوگئی۔

اسلامی قانون کے مطابق کامل اقتدار تو صرف اللہ کو اور اس کے رسولؐ کو حاصل ہے۔ مسلمانوں کا خلیفہ رسول اللہ کا جانشین ہوتا ہے اسے صرف نیابت حاصل ہوتی ہے جماعت کی ترقی حفاظت و صیانت خلیفہ کی ذمہ داری ہے جس کے لئے وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور اور دنیا میں عوام کے سامنے جوابدہ ہے ایک کمزور بڑھیا بھی خلیفہ کا دامن پکڑ کر یہ سوال کرسکتی ہے کہ "تم یہاں انصاف کرو گے یا وہاں؟" یہ جرأت و حق گوئی کا قانون عطا کرتا ہے، اسطرح [illegible]

اور خلافت کے بغیر نماز جمعہ کی شرط پوری ہوتی ہے، وہ کیسے ان مقاصد کی تکمیل کر سکتے ہیں؟ خلافت کے ادارہ کو اور اداروں پر ویسی ہی عظمت حاصل ہے جیسی رمضان المبارک کو اور مہینوں پر فضیلت حاصل ہے دین کی اس قدر اہم ضرورت سے تغافل برتنا ملت اسلامیہ کا بہت بڑا المیہ ہے جو ناقابل فہم ہے۔ دنیا کے انقلاب بڑے عجیب ہوتے ہیں لیکن انقلاب عالم سے تغافل و بیگانگی عجیب تر ہے۔

علامہ اقبال نے کہا تھا۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ بھی نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا "جو جماعت سے الگ ہوا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے" افراد تباہ ہو سکتے ہیں لیکن ایک صالح جماعت کبھی تباہ نہیں ہو سکتی" جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے اللہ کبھی ایسا نہ ہونے دے گا کہ ساری امت گمراہی پر جمع ہو جائے۔ خلیفہ پیغمبرؐ کا جانشین امت کا امام اور امیر ہے، امیر کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ امت مسلمہ کے لیے اور ساری دنیا کے لیے رسول اللہ کی زندگی ایک مکمل کتاب ہے۔ آپؐ مسجد نبوی میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے والے مومنوں کے امام بھی تھے اور ان کے سربراہ حکومت بھی، ان کے معلم و مربی بھی انہیں تعلیم و تربیت دینے والے قانون وضع کرنے والے مقنن بھی آپؐ ہی فیصلے صادر کرنے والے منصف بھی آپ ہی اور قانون کی حکومت نافذ کرنے والے مقتدر رہنما بھی ہیں ۔

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

آنحضور [illegible]

مجاہد اعظم، فاتح مکہ بھی آیات الٰہی سنانے اور تزکیۂ نفس کرنے والے ہادی اعظم بھی ہیں وہ
آخری پیغمبر، راتوں کو خدائے تعالیٰ کے آگے گڑگڑانے اور دستِ دُعا دراز کرنے والے،
زاہد شب زندہ دار عارفِ ربانی رحمتِ یزدانی، فاتح عالم، دلوں کو فتح کرنے والے اور ایمان
کو مسخر کرنے کے گُر بتانے والے دانائے راز خدا کے محبوب پیغمبر، ملکوں سے خراج وصول کرنے
والے اور خدا کے لئے سب کچھ قربان کر دینے والے غریبوں کا سہارا اور امیروں کی
آنکھ کا تارا۔ قیامت تک آنے والوں کے لیے بہترین نمونہ رحمتِ عالم ہیں بندوں کو خدا
سے واصل کرنے والے ہیں آپ ہی کے چشمۂ علم و عرفان سے فیضیاب ہونے والے خلفائے
راشدین رض کا طرزِ حکمرانی اور اندازِ جہانبانی دانشورانِ عالم کو حیران کر دیتا ہے۔ حضرت
ابوبکر صدیق رض کے اہم اور مختصر عہدِ خلافت کے بعد حضرت عمر رض کی خلافت، اسلامی آئینِ
جہانبانی کا ایک لاثانی نمونہ ہے، آپ مجلس مشاورت کے صدرِ محترم بھی ہیں اور ملت
اسلامیہ کے قائدِ سیاسی بھی، آپ فقہی مسائل پر اجتہاد کرنے والے امام اعظم رح
اور امام شافعی رح بھی ہیں اور روحانی تربیت دینے والے جنید رح و شبلی رح بھی ہیں،
علمائے اُمت کو جمع کرنے والے فقیہ حرم بھی ہیں اور مجتہد عصر بھی، قرآن حکیم کی سورتوں
کو جمع کرنے والے بھی ہیں اور محدّث بھی، اجماعِ امت پیدا کرنے والے، اور مجرموں کو
کوڑے لگوانے والے بیت المال قائم کرنے اور مسکینوں کو وظیفے جاری کرنے والے
مالِ غنیمت کا حساب طلب کرنے والے اور فوجوں کو ترتیب دینے والے بیرونی سفیروں
کو طلب کرنے والے بلادِ اسلامیہ کے گورنر مقرر کرنے اور ان سے بازپرس کرنے والے
سپہ سالار اعظم خالد بن ولید رض جیسے اعلیٰ افسرانِ فوج کو ایک جنبشِ قلم سے معزول
کر دینے والے مقتدر رہنما، فاتح بیت المقدس ہیں جن کے عدل و احسان اور احساس
ذمہ داری کی نظیر زمانے میں ترس گئی۔ تیس سال تک خلافتِ راشدہ کا مبارک دور

اسلامی فلاحی ریاست کی عملی تصویر پیش کرتا رہا پھر تاریخ کروٹ بدلتی ہے اور خلافت ملوکیت میں بدل جاتی ہے بنی امیہ کے ابتدائی عہد کے بعد مسلمانوں کی سیاسی وحدت کا خاتمہ ہو گیا دنیا کے مختلف گوشوں میں جہاں جسکو موقع مل گیا وہ خود مختار حکمراں بن گیا لیکن اس تمام تبدیلی کے باوجود خلافت کا ادارہ باقی رہا اور ایک دوسری شکل میں تیرہ سو سال سے زیادہ مدت تک مسلمانوں کی نگہبانی کرتا رہا۔

بلاد اسلامیہ بصرہ بغداد مصر و حجاز کو ہمیشہ اسلامی اقتدار کے سرچشمے اور مبدء کی حیثیت حاصل رہی ہے رسول کریمؐ نے جزیرۃ العرب کو اغیار کی مداخلت سے پاک رکھنے کا حکم دیا تھا قیامت تک اس حکم کی تعمیل مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے خلفائے مصر کے بعد ترکوں نے اس حکم کی تعمیل میں اپنا خون نچھاور کر دیا اور عالم اسلامی کی ذمہ داری وہ بحسن و خوبی انجام دیتے رہے اس طرح اسلامی خلافت بلاد عرب ہی میں مرکوز رہی۔

سلطان عبدالحمید خاں نے اپنے عہد خلافت میں مجلس شوریٰ کے قیام سے خلافت راشدہ کی جانب مراجعت کی اور عربوں نے بھی یہ اعتراف کیا کہ "ہمیں خلافت کا دعویٰ نہیں ہم ایمانداری سے یقین رکھتے ہیں سلطان معظم ہی ہمارے جائز خلیفہ ہیں" لیکن ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کا وہ منحوس دن تھا جب مصطفیٰ کمال پاشا نے "مرد بیمار" ترکی کو بچانے کے لئے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا تھا، اسلام دشمنوں نے گھی کے چراغ جلائے کہ اس طرح عالم اسلام مستقلاً انتشار و خلفشار سے دوچار کر دیا گیا، کلیسا کے محافظوں نے صلیبی جنگوں کی بدترین شکست اور اپنے مقدس شہر قسطنطنیہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد خلافت کے خاتمہ پر جشن منایا، سامراجی طاقتوں کے منصوبے سے چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں عالم وجود میں آئیں حکمرانوں کی خود مختاری، سیاسی چپقلش اور لیڈروں عداوتوں کا سیلاب [illegible] خلافت میں عالم اسلام کی طاقت کی علامت تھی۔

صلیب کی زخم خوردہ طاقتوں نے خلافت کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا انھوں نے نہایت عیاری سے سلطان عبدالحمید کے ذریعہ ترکی کو غیر مسلح کر کے نوجوان ترکوں کو ورغلایا اور خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا گیا، اور دوسری طرف فوجی محاذ پر ترکوں کو پے در پے شکستوں سے ذلت آمیز معاہدہ پر مجبور کیا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں جب فرانسیسی جنرل الن بیری نے غازہ فتح کر لیا تو ترکوں کو پیچھے ہٹنا پڑا تھا، اس موقع پر برطانوی وزیراعظم لارڈ جارج نے یہ زہر افشانی کی تھی کہ "الن بیری نے صلیبی جنگوں کے سلسلے کی آخری جنگ لڑی اور اس میں فتح حاصل کر کے اس سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا" عالم اسلام کے مشہور مدبر علامہ جمال الدین افغانی نے ایک مرتبہ چرچل سے کہا تھا "مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان تم انگریزوں نے پہنچایا، روسیوں نے صرف چند علاقے ہتھیا لئے لیکن تم نے مسلمانوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا" ـــــ اقوام مشرق کا المیہ مغرب کی تہذیب اور برتری کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہے جس کا آغاز اسی صدی کے شروع میں ہوا تھا لیکن اسی صدی کے خاتمہ سے پہلے ہی مشرق کی عظمت بحال ہونے لگی ہے، اور اس عظیم انقلاب کو بپا کرنے میں اقوام عالم جاپانیوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہیں۔ دریں اثنا ملت اسلامیہ کو جس نقصان سے دوچار ہونا پڑا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا مرکزی حکومت کے خاتمہ کا ناگزیر نتیجہ مقامی طاقتوں کا سر ابھارنا اور آپس میں دست گریباں ہو جانا تھا، اگرچہ زعمائے ملت کی کوششوں سے "رابطہ عالم اسلامی" جیسی تحریکیں شروع ہوئیں اسلامی وزرائے خارجہ کے اجلاس بھی بڑی دھوم سے ہوئے لیکن کوئی کوشش پچھلے ستر سال سے خلافت بدل نہ ہو سکی اور نہ ہو سکتی ہے!

اسلامی تعلیمات کا مرکز اور محور توحید ہے، توحید صرف خدا کی ذات و صفات تک محدود نہیں بلکہ اس کا نتیجہ عالم اسلام کی وحدت اور پھر عالم انسانیت کی وحدت ہے۔

اس وسیع تر دائرہ کا مرکز ہے خلافت! جس طرح سورج ۔ ستاروں کو روشنی عطا کرتا ہے خلیفۂ عالم اسلام کا اقتدار مرکوز ہوجانے پر ہر ذرہ کو آفتاب بنا سکتا ہے عالم نباتات میں کسی پیڑ کے پھلوں پھولوں شاخوں اور پتوں کے سرسبز و شاداب ہونے کا انحصار جڑ کے سرسبز رہنے سے ہے جب جڑ خشک ہوجاتی ہے تو لازماً پتے جھڑ جاتے ہیں اور چمن ویران ہوجاتا ہے خلیفۂ دین کی مثال جسم انسانی میں قلب کی سی ہے جسکی حرکت حیات کی ضامن ہے جو جسم کے ہر حصّہ کو خون پہنچاتا ہے جب حرکت قلب بند ہوجاتی ہے تو تنِ مردہ بے روح ہوجاتا ہے ۔ آج عالم اسلام کی زندگی حرکت و حیات کا انحصار ادارۂ خلافتِ اسلامیہ کے احیا پر ہے جس سے نہ صرف سیاسی اور فوجی فوائد حاصل ہوں گے بلکہ اُمت مسلمہ کی دین دنیا کی بہتری کی راہیں ہموار ہوں گی صرف زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم نظام کا بحال کر دیا جائے تو ہمارے صدیوں کے افلاس و نکبت کا خاتمہ ہوجائے، جہالت کے اندھیرے چھٹ جائیں اور ایک نئی صبح اُمید کا آغاز ہوجائے۔

خلافت کا احیا عالم اسلام کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے ۔ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے بلکہ بغیر خطبہ جمعہ کی تکمیل ہوتی ہے نہ مقاصد حج پورے ہوتے ہیں مسلمانوں کو ہر روز پانچوں وقت نمازوں میں اطاعتِ امیر کی عملی تربیت دیجاتی ہے امیر کے بغیر جماعت کا تصور نہیں کیاجاسکتا جس طرح سر کے بغیر حیات کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا ہمارے پیغمبرؐ نے فرمایا اگر تم میں تین آدمی ہوں تو ایک کو اپنا امیر مقرر کرلو، سفر میں ہوں یا حضر میں امیر کی اطاعت لازم ہے پس امارت اور خلافت کا قیام ہماری ملّی ذمہ داری ہے جس سے فرار ممکن نہیں امیر کے بغیر جینا جاہلیت کی زندگی بسر کرنا ہے اور امیر کے بغیر مرنا دوزخ کو اپنا ٹھکانہ بنالینا ہے ہماری دینی بصیرت اور سیاسی حکمت کا تقاضہ ہے [illegible] خلافت!

خرد دیں جس کو نہ ہم اپنے ہو سے
مسلماں کو ہے تنگ وہ پادشاہی

اس وقت عالم اسلام کو سب سے بڑا خطرہ کسی بیرونی دشمن سے نہیں بلکہ ہمیں خود اپنی جہالت سے خطرہ ہے آج ہمیں دنیا کے لیے دین کو فراموش کر دینے والی ذہنیت سے اور اپنے کٹ ملاؤں کی تنگ نظری سے خطرہ ہے، ہمیں خود اپنی جہالت کے خلاف اور اپنے نفس کی بیجا خواہشوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا دراصل یہی "جہاد اکبر" ہے۔

اطاعت امیر کے جذبہ کو فروغ دینے اور علم کی روشنی پھیلانے کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جہالت اور خود غرضی کے اندھیرے دور ہو جائیں گے۔ اور فرقہ وارایت کا زہر بے اثر ہو جائے گا ہماری ملی وحدت نا قابل تقسیم ہے۔ یہی فکر شیعہ سنی اختلافات جیسے دیرینہ تنازعات کی یکسوئی کر سکتی اور ہم آہنگی پیدا کر سکتی ہے دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کا اختلاف کیا حقیقت رکھتا ہے جو وحدت ملی پر اثر انداز ہو سکے؟ اگر ہم اپنے مفاد کے بندے نہیں خدا کے بندے بن جائیں اور خدا کے رسول کا نمونہ پیش نظر ہو تو ہماری بہت سی سماجی بیماریوں کا خود ہی علاج ہو جائے گا اسلامی معاشرت کی سادگی اور پرکاری کا حسن جلوہ نما ہوگا تو ایمان اور یقین کی دولت ہاتھ آئیگی اور تزکیۂ نفس سے ہماری نیتوں کا فتور جاتا رہے گا اس طرح ہم عمل صالح کے خوگر ہو جائیں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت کسی کمزور سے کمزور مسلمان کا بال بیکا نہ کر سکے گی۔

تمام مسلمانوں کا مرکز کعبۃ اللہ ایک ہے، سب کے رسول محترم ایک ہیں اور آپ پر نازل ہونے والا کلام ربانی ایک ہے جو ہمارا دستور العمل ہے تو پھر کہاں کسی اختلافی مسئلہ میں یہ تاب و مجال کہ ملت اسلامیہ کا وسیع تر مفاد نظر انداز کر دیا جائے؟ ملت کا باشعور طبقہ گھٹیا باتوں کو وقعت نہیں دیتا اور سواد اعظم کا ضمیر اتحاد ملی کی

کی ضرورت تسلیم کرتا ہے ایسے میں منافقت کو عام کرنے والی "سبائیت" کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شکست فاش سے دوچار ہونا پڑے گا۔

آج خلافت کا احیاء حرمین شریفین سے ہو سکتا ہے۔ کرۂ ارض کی ہر مسجد ایک اکائی ہے اس وحدت کی' ہر مسجد کے منبر سے یہ آواز بلند ہو سکتی ہے کہ خلافت کا احیاء ہمارے تمام مسائل کا حل ہے۔ یہ وقت کی پکار ہے لیکن کوئی وقتی چیز نہیں ہے بلکہ اس خیر کثیر کی برکتیں دائمی ہیں۔ اس طرح مسلمان نہ صرف اپنے مسائل خود حل کر سکیں گے بلکہ وحدت عالم اسلامی کا تصور' وحدت اقوام تک وسیع ہو جائے گا۔ اور قیام امن کا جو کام دو عظیم جنگوں کے بعد اقوام متحدہ سے نہ ہو سکا وہ ادارہ خلافت اسلامیہ سے تکمیل پائے گا' اسلامی وحدت کا تصور اور انسانیت کی وحدت کا تصور اس قدر جاندار ہے کہ وہ تمام علاقائی قومی اور بین الاقوامی مسائل کے حل کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کر سکتا ہے۔ اس طرح ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ سے عالمی امن کی ہوائیں چلیں گی اور "وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں" آج اگر ممالک کے مابین علاقائی تعاون کی انجمنیں بن سکتی ہیں' یورپ کی مشترکہ منڈی بن سکتی ہے اور ایک متحدہ ریاست کا قیام ممکن ہے تو خلافت اسلامیہ کا قیام بدرجۂ اولیٰ ممکن ہے' ہمارا صدیوں کا تجربہ اور دین و ایمان کا سرمایہ سب سے قیمتی دولت ہے اس کی حفاظت کے لیے ہم اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتے ہیں۔

سلسلے میں ملک کے پانچ سیمینار [illegible] میں منعقد ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی سطح کا سیمینار فروری ۱۹۸۷ء میں نئی دہلی میں منعقد ہوا تھا جو طب یونانی کی تاریخ میں پہلا عالمی سیمینار تھا اور جس میں ۲۸ ملکوں کی نمائندگی ہوئی تھی۔

[illegible] جو کونسل قائم کی گئی تھی اس کا [illegible]
سال [illegible]

ارجن سنگھ
انسانی وسائل کی ترقی و فروغ کے مرکزی وزیر

انسانی وسائل کی ترقی و فروغ

بھارتی سیاق و سباق میں، انسانی وسیلہ، بہت سے دیگر وسائل کے برخلاف ترقیاتی کوششوں کی راہ میں سب سے زیادہ حائل ہوتا ہے۔ گوناگوں ثقافت، ترقی پذیر معیشت کے چیلنج اور دیگر سماجی و اقتصادی تقاضے اس وسیلے کو ایک مخصوص نوعیت عطا کرتے ہیں۔ اس کے لئے ایک کثیر پہلوئی حکمت عملی کی ضرورت ہے تاکہ اس کثیر وسیلے کو زیادہ سے زیادہ بروئے کار لایا جائے چنانچہ انسانی وسائل کی ترقی و فروغ کے معاملے کو آٹھویں پنجسالہ منصوبے کا اہم موضوع بنایا گیا ہے۔ انسانی وسائل کی ترقی و فروغ کے اہم شعبے اس منصوبے کی کامیابی کی کلید کے حامل ہوں گے۔ گزشتہ کامیابیوں کو یکجا اور مستحکم کرنے کے علاوہ حکومت نے متعدد نئے اقدامات بھی کئے ہیں۔

تعلیم کے بارے میں نظرثانی شدہ پروگرام عمل میں ذمہ داری یا جوابدہی، کم اخراجات اور تعلیم کے انتظامات پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس میں ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کے لیے ایک قومی مشن شروع کرنے، قومی خواندگی مشن (این ایل ایم) کو مستحکم بنانے اور آپریشن بلیک بورڈ کی توسیع کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ناخواندگی کا خاتمہ حکومت کی اعلیٰ ترجیحات میں سے ایک رہا ہے۔ قومی خواندگی مشن کی سرگرمیاں اب ۸۸

ضلاع میں شروع کی گئی ہیں۔ شرح خواندگی ۔ ۸ فیصد تک پہنچا کر آٹھویں منصوبے کے ختتام تک مکمل خواندگی مہم کے تحت ۳۴۵ اضلاع کو مستفید کرنے کی تجویز ہے۔ تمام سطحوں پر اسکول کے طالب علموں اور خاص طور سے نوجوان طالب علموں کے نصاب تعلیم کے بوجھ کو کم کرنے کے طریقوں پر غور و خوض کرنے کے لئے ایک قومی مشاورتی کمیٹی قائم کی گئی ہے

مالی پہلو کا جائزہ لینے کے لئے بھی ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ یہ کمیٹی مرکزی یونیورسٹیوں لائبریری اور دیکھ بھال کے لیے گرانٹ دینے کے موجودہ طریقے، گرانٹ کے استعمال اور اخراجات کے لیے قواعد و ضوابط وضع کرنے کے امکانات کا جائزہ لے گی۔ عرصہ سے چلی آ رہی مانگیں پوری کرنے کے لیے بھی ایک بین الاقوامی ہندی یونیورسٹی ایک اردو یونیورسٹی قائم کی جا رہی ہے۔ انکی جگہ اور مالی اہتمام کے سلسلے میں تفصیلات طے کی جا رہی ہیں۔

تعلیمی پالیسی کے بارے میں غیر یقینیوں کو دور کرنے کے لیے تعلیم سے متعلق ترمیم شدہ قومی پالیسی ۱۹۸۶ء میں پارلیمنٹ میں پیش کر دی گئی ہے۔ تعلیم کے بارے پالیسی سے اعلیٰ مشاورتی ادارے تعلیم کے مرکزی مشاورتی بورڈ (سی اے بی ای) سمیت مختلف سطحوں پر صلاح مشورے اور تبادلہ خیالات کے بعد ترمیمات کر دی گئی ہیں۔

عوامی خواندگی کے سلسلے میں بھارت کی کوششوں کو بین الاقوامی طور سے تسلیم کیا گیا ہے۔ کیرالا اور مغربی بنگال کے بعد پانڈیچری کو ۱۹۹۲ء کے لیے یونیسکو خواندگی انعام دیا گیا ہے۔ یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل مسٹر فیڈریکو میور نے اپنے دورہ بھارت کے دوران ضلع کو مکمل طور سے خواندہ قرار دینے کے لیے مہاراشٹر میں وردھا کے مقام پر تقریب میں شرکت کی تھی اور ناخواندگی دور کرنے کے سلسلے میں بھارت کی کوششوں کو سراہا۔

ستمبر ۱۹۹۳ء میں بھارت سب کے لیے تعلیم کے بارے میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کی میزبانی کرے گا۔ یہ کانفرنس یونیسکو، یونیسف کے ان اقدامات کا ایک حصہ ہے،

جن میں سب سے زیادہ آبادی والے نو ترقی پذیر ممالک پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ جہاں دنیا بھر کے کل ناخواندہ افراد کا ۷۵ فیصد حصہ رہتا ہے۔ بھارت اور چین نے حال ہی میں تعلیم کے سلسلے میں تعاون کے ایک معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔ اس معاہدے کے تحت تعلیمی پالیسی اور انتظام، بنیادی تعلیم، بالغوں کی خواندگی اور اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں تجربات تبادلہ کیا جائے گا۔

خواتین اور بچوں کے گروپ پر توجہ دینے کے لیے متعدد اقدامات کئے گئے ہیں حکومت نے بچوں کے حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ قرارداد کو مان لیا ہے۔ نیز بچوں کے لیے ایک قومی منصوبہ اور بچیوں کے لیے سارک منصوبۂ عمل وضع کیا ہے۔ ایک حالیہ اہم تبدیلی آنگن واڑی کارکنان اور معاونین کے لیے اعزازی رقم کی شرحوں میں اضافہ تھی اس سے ۲.۵ لاکھ آنگن واڑی کارکنان اور معاونین کو فائدہ ہوا ہے، جو ملک بھر میں بچوں کی فلاح و بہبود کی مربوط خدمات کے پروگراموں کے تحت کام کر رہے ہیں۔

پارلیمنٹ نے شیر خوار اور بہت چھوٹے بچوں کے لیے دودھ کی متبادل اشیا دودھ کی بوتلوں، اور شیر خوار اور بہت چھوٹے بچوں کے لیے خوراک کی تیاری، سپلائی اور تقسیم کی ضابطہ بندی کے بل ۱۹۹۲ء کو منظوری دے دی ہے، جس کا مقصد ماں کے دودھ پلانے کو فروغ دینا۔ نیز شیر خوار اور بہت چھوٹے بچوں کی خوراک کے مناسب استعمال کو یقینی بنانا ہے۔ خواتین کے لیے قومی کمیشن کے قیام اور خواتین کے لئے خواندگی کے بارے میں رسالہ نکالنے سے آگے چل کر خواتین میں بیداری پیدا ہوگی

سال ۱۹۹۲ء میں ثقافت کے بارے میں ایک قومی پالیسی وضع کرنے کا عمل بھی شروع کیا گیا ہے تمام ریاستوں کے ثقافت کے محکموں کے [illegible] اور سکریٹریوں کے ساتھ میٹنگ کے بعد ایک رسمی دستاویز تیار کی گئی ہے [illegible] کانفرنس

گزشتہ سال نومبر میں منعقد کی گئی تھی، جس میں ثقافت کے مختلف پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا تھا۔ ثقافت کے بارے میں کسی قسم کی پالیسی عائد کیا جانا خارج از امکان قرار دیا گیا ہے اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ثقافت کے بارے میں ایک پالیسی صرف تخلیقی برادری کے تعاون سے ہی اختیار کی جائے گی۔

سوامی وویکا نند کے بھارت پریکرما اور شکاگو میں مذاہب کی پارلیمنٹ میں ان کی تاریخی تقریر کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبات کے ایک حصہ کے طور پر ایک قومی کمیٹی قائم کی گئی ہے، جو سوامی وویکا نند کی حیات، اصول اور تقاریر پیش کرنے والے مناسب پروگرام وضع کرے گی۔ صد سالہ سالگرہ کا سال "راشٹریہ چیتنا ورش" یعنی قومی بیداری کے سال کے طور پر منایا جائے گا۔

مختلف سطحوں پر ثقافتی تال میل کی پالیسی جاری رکھتے ہوئے ایک چھ ہفتے طویل چینی میلے کا افتتاح دسمبر ۱۹۹۲ء میں نئی دلی میں ہوا تھا۔ یہ میلہ کسی بھی ملک میں سب سے پہلا اہم اور بڑا چینی ثقافتی میلہ تھا۔ مظاہرہ جاتی فنون کے اس انوکھے اور عجیب وغریب ثقافتی میلے میں نٹوں کے کھیل، اوپیرا، کٹھ پتلیوں کے ناچ، چینی مصوریوں اور دستکاریوں کی نمائشیں نیز سیمیناروں کا اہتمام شامل تھا۔ ایک بھارتی میلے کا اہتمام بھی گزشتہ سال بون میں جرمنی میں کیا گیا تھا۔ چار سو سے زیادہ بھارتی فنکار، سائنسداں اور مصنفین میلے کے دوران جرمنی گئے۔ یہ میلہ نمائشوں، سیمیناروں، فلم شوز نیز کلاسیکی اور عوامی موسیقی و رقص کی محفلوں پر مشتمل تھا

ڈاکٹر میر محبوب حسین ، ایم اے ایل ٹی ، ایس (مدراس)
ایم اے، ایم فل (سیاسیات) ایم اے، پی ایچ ڈی (اردو)
شعبۂ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد

دکن میں اردو تحقیق اور اس کا ارتقاء

دریائے گوداوری، کرشنا، پنار و مانجرا اور ناگاولی وغیرہ کے کناروں پر یا ان کے قریب و بعید فاصلوں پر آباد شہروں، قصبوں اور قریوں پر محیط علاقہ دکن کہلاتا تھا۔ لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تشکیل کے نتیجہ میں یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو ریاست آندھرا پردیش وجود میں آئی اس سے قبل اسے ریاست حیدرآباد کہا جاتا تھا اور اس سے قبل ممالک محروسہ سرکار عالی حیدرآباد فرخندہ بنیاد۔ بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی حکمراں شاعر و ادیب بھی تھے اور انہوں نے شاعروں اور ادیبوں کی ہمت افزائی بھی کی۔ آصف جاہ اول اورنگ آباد میں قیام کر کے حیدرآباد آئے اور ریاست کا پایۂ تخت حیدرآباد قرار دیا۔ نواب میر محبوب علی خاں اور نواب میر عثمان علی خاں کے دورِ حکومت میں علم و فن اور شعر و سخن کی قسمت جاگ اٹھی اور حیدرآباد نے ثقافتی ہند میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔

لفظ تحقیق کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ قاضی عبدالودود کے مطابق تحقیق کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔ مولانا کلب عابد کہتے ہیں

تحقیق عربی لفظ ہے اس کے اصل حروف ح ق ق ہیں اور اس کا مطلب حق کو ثابت کرنا یا حق کی طرف پھیرنا ہے۔ عبدالرزاق قریشی تحقیق کا مقصد نامعلوم حقائق کی تلاش یا معلوم حقائق کی توضیح یا ان کی تصحیح قرار دیتے ہیں جبکہ رشید حسن خاں کے خیال کے مطابق حقائق کی بازیافت تحقیق کا مقصد ہے۔ تحقیق کی ان تعریفوں سے اس کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے جس سے ذخیرۂ معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے نئی کاوشوں سے نئے نئے واقعات کا علم ہوتا رہتا ہے۔

محمد حسین آزاد اور سرسید احمد خاں نے تحقیقی کام کیا۔ گل کرسٹ ہندوستانی زبان کی گرامر لکھ چکے تھے۔ لیکن ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے مطابق اُردو کے قدیم ادب پر تحقیقی کام کا ابتداً کا سہرا گارساں دتاسی کے سر ہے اور جدید معیار کا تحقیقاتی کام محمود شیرانی نے شروع کیا۔ ان کے زیر اثر مولوی عبدالحق، پروفیسر وحیدالدین سلیم، مرزا فرحت اللہ بیگ اور پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی وغیرہ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔

آزادی سے قبل یونیورسٹی سے باہر رہ کر اہم کام کرنے والوں میں مولوی عبدالحق، نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، عبدالقادر سروری اور حبیب الرحمٰن خاں شروانی اور ڈاکٹر سید محمد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ لندن یونیورسٹی سے اُردو کے پہلے ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ہیں جنہوں نے ۱۹۲۹ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اردو کے پہلے ڈاکٹر سید رفیق حسین نے ۱۹۴۲ء میں ڈگری لی۔ آزادی سے قبل اردو تحقیق کا کام ضرور ہوا لیکن اسے فروغ آزادی کے بعد ملا ہے۔

دکن کے محققین میں سرفہرست ڈاکٹر محی الدین قادری زور، مولوی عبدالحق، نصیر الدین ہاشمی، ماہر عبدالقادر سروری، حکیم شمس اللہ قادری، پروفیسر محمد عمر وغیرہ کے نام لئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے منظم تحقیق و جستجو سے بنیادی کام کیا۔ دکنی ادبیات کے گمشدہ خزانوں کا سراغ لگایا۔

اور تحقیق کی راہ ہموار کی۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے اردو شہ پارے ۱۹۲۸ء میں مرتب کیا اور ۱۹۲۹ء میں حیدرآباد سے شائع کیا جو دکنی ادب میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ زور صاحب کا دوسرا گراں قدر کام تذکرہ اردو مخطوطات کی تیاری اور اشاعت ہے جسکی پہلی جلد ۱۹۴۳ء دوسری ۱۹۵۱ء تیسری ۱۹۵۷ء چوتھی ۱۹۵۸ء اور پانچویں جلد ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی اس طرح دکنی ادب کے بہت بڑے ذخیرہ کا تحفظ ہو گیا۔ ان پانچ جلدوں میں (۱۱۵۰) قلمی کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ دیگر تصانیف میں کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ اور حیات محمد قلی قطب شاہ اہم ہیں جو ۱۹۴۰ء میں شائع کیے گئے۔ زور صاحب کی مزید کتابوں میں حیات [illegible] داستان ادب حیدرآباد، سرگزشت شاہ ظہور الدین حاتم، [illegible] ، گلزار ابراہیم، ارشاد نامہ شاہ برہان الدین جانم، ابراہیم نامہ، [illegible] قابل ذکر ہیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق اپنی ذات سے ایک انجمن [illegible] گراں قدر کاموں میں اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام، نصرتی، [illegible] مرحوم دلی کالج، سر سید احمد خان، [illegible] افکار، خطبات عبدالحق، مقدمات عبدالحق وغیرہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے [illegible] کی جنگ نامہ عالم، علی نامہ اور [illegible] کو بھی مرتب کرکے ۱۹۳۲ء میں شائع کیا تھا۔

نصیر الدین ہاشمی [illegible] ۱۹۲۹ء میں یورپ سے واپس آئے اور اس کے [illegible] میں دکنی مخطوطات [illegible] اسے ۱۹۳۲ء میں شائع کیا۔ اس [illegible] ان تمام مخطوطات کی ایک [illegible] جو [illegible] بکھرے پڑے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے [illegible]

کی وضاحتی فہرست تیار کر کے ۱۹۵۲ء میں شائع کروایا۔ کتب خانۂ آصفیہ کے اردو مخطوطات کی جلد اول بھی مرتب کی اور اسے ۱۹۶۱ء میں شائع کروایا۔ ان کی دیگر اہم تصانیف میں دکن میں اردو ۱۹۲۶ء، مدراس میں اردو ۱۹۳۸ء اور سلاطین دکن کی ہندوستانی شاعری ۱۹۴۲ء، مولوی عبدالقادر ۱۹۴۳ء، آج کا حیدرآباد اور خیابانِ نسواں، خواتین دکن کی اردو خدمات قابل ذکر ہیں۔

پروفیسر عبدالقادر سروری کی کتاب "اردو مثنوی کا ارتقا" ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی۔ نصرتی پر جو کتاب لکھی وہ ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔ سراج اورنگ آبادی کا کلیات سراج بھی مرتب کر کے ۱۹۳۸ء میں شائع کیا۔ دیگر کاموں میں ابن نشاطی کی پھول بن ۱۹۳۷ء، سراج سخن ۱۹۳۶ء اور اردو کی ادبی تاریخ۔ یہ تمام کام بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔

حکیم شمس اللہ قادری نے دکن کے شعرا کی تاریخ "اردوئے قدیم" کے نام سے لکھی اور ۱۹۳۰ء میں شائع کروایا۔ اردو مخطوطات انڈیا آفس بھی ۱۹۲۲ء میں مرتب کر کے شائع کی۔ پروفیسر سید محمد کے کاموں میں یادگار ولی ۱۹۳۹ء، کلیات عبداللہ قطب شاہ کی تدوین ۱۹۳۹ء، نصرتی کی مثنوی گلشن عشق ۱۹۳۹ء، ارباب نثر اردو، ایوان سخن ۱۹۳۷ء اور مثنوی رضوان شاہ کی تدوین قابل ذکر ہیں۔

پروفیسر اکبر الدین صدیقی نے ادارۂ ادبیات اردو کے کتب خانے کی فن وار فہرستیں مرتب کی ہیں۔ اس کی تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔ دیگر کاموں میں مشاہیر قندھار دکن ۱۹۳۶ء، قصۂ بے نظیر ۱۹۳۹ء، چندر بدن و مہیار ۱۹۵۶ء، دیوان عشق ۱۹۶۰ء، کلمۃ الحقائق ۱۹۶۱ء، کشف الوجود ۱۹۶۵ء، ارشاد نامہ ۱۹۷۱ء، انتخاب محمد قلی قطب شاہ ۱۹۷۲ء، مجھے چراغ [illegible] وغیرہ تصانیف و تدوین قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات کے تذکرہ کے بعد محققین کی ایک طویل فہرست ہے جن کا مختصر ترین

ذکر کیا جاتا ہے۔ محمد معشوق حسین خاں نے فرمان حضرت بندہ نواز "گیسو دراز" کو ۱۹۴۴ء میں شائع کیا۔ محمد سعادت علی کا تذکرہ شعرائے اورنگ آباد ۱۹۳۶ء، سکینہ بیگم کی کتاب تذکرہ دکن ۱۹۲۹ء، شیخ ابوالقاسم کی شائع شدہ فہرست مطبوعات و مخطوطات ۱۹۳۶ء، عارف ابوالمعانی دکن کی زبان ۱۹۳۶ء، سید علی بلگرامی کی نثر دکن ۱۹۳۲ء، میر سعادت علی رضوی کی مرتب کردہ غواصی کی مثنویاں طوطی نامہ اور سیف الملوک و بدیع الجمال ۱۹۳۹ء وغیرہ۔

پروفیسر فریدہ سلطانہ نے قدیم اردو ادب کی تحقیق کے سلسلہ میں زبردست کام کیا جو دکنی اردو ادب پر کام کرنے والوں کے لیے بہترین ماخذ کا درجہ رکھتا ہے۔ ان کے کاموں میں اردو نثر کا آغاز و ارتقا، دکنی نثر پارے ۱۹۶۷ء فن اور فنکار اور برہان الدین جانم کے نثری رسالے کلمۃ الحقائق کی تدوین ۱۹۶۱ء شامل ہیں۔ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی نے ولی گجراتی ۱۹۵۰ء اور سخنوران گجرات لکھیں۔ حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے میر حسن کا تذکرہ شعرائے اردو مرتب کرکے ۱۹۲۲ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے مثنوی پرت نامہ مرتب کیا۔ ڈاکٹر حنیف قتیل کا تحقیقی کام معراج العاشقین کا مصنف شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر غلام عمر خاں نے غواصی کی مثنوی مینا ستونتی نو مخطوطات کے تقابلی جائزہ کے بعد مرتب کرکے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ اسی طرح محمد ابن احمد عاجز کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کو بھی مرتب کرکے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا۔ انھوں نے ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے ساتھ "دکنی اردو لغت" بھی تیار کی۔ ان کی دیگر تصانیف میں اقبال کا تصور عشق، اقبال کا تصور خودی شامل ہیں۔ ڈاکٹر حسینی شاہد کا پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ "شاہ امین الدین علی اعلیٰ۔ حیات اور کارنامے" ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ دوسری تصنیف شاہ معظم بھی ۱۹۸۰ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ پروفیسر مغنی تبسم کا تحقیقی کام فانی بدایونی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ دوسری تصنیف فانی کی نادر تحریریں ہیں۔ ڈاکٹر محمد ہاشم علی کا تحقیقی کام حضرت میراں جی شمس العشاق کا

مثنوی معجزۂ فرخ و چہار شہادت کی تدوین ہے جو ۱۹۶۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔
دوسری تحقیقی کاوش میراں جی شمس العشاق ۱۹۶۷ء میں چھپ چکی ہے۔ پروفیسر حمیدہ شوکت
کے گراں قدر تحقیقی کاموں میں نصرتی [illegible] شکار نامہ کی تدوین ۱۹۶۲ء اور
مہاراجہ چندو لال شاداں و حیدرآباد کا سیاسی و سماجی پس منظر شامل ہیں۔ سید مبارز الدین
رفعت نے بھی شکار نامہ مرتب کر کے اسی سال ۱۹۶۲ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ نے
علی عادل شاہ ثانی تخلص شاہی کا کلیات ۱۹۶۲ء میں مرتب کیا۔ اسی سال سید مبارز الدین
رفعت نے بھی یہی کلیات مرتب کیا۔ رفعت نے پروفیسر اکبر الدین صدیقی کے اشتراک سے
معزالدین فقیر کی مثنوی ابلیس نامہ بھی مرتب کی ہے۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ کا ایک اور تحقیقی
کارنامہ اشرف بیابانی کا نوسرہار ہے۔ پروفیسر سیدہ جعفر کے کئی تحقیقی کام منظر عام پر
آچکے ہیں جن میں دکنی رباعیات ۱۹۶۶ء، اردو مضمون کا ارتقا، من سمجھاون،
ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقا میں ان کا حصہ، دکنی نثر کا انتخاب، بیجاپور کے شاعر
شاہ ابوالحسن قادری کی مثنوی سکھ انجن کی تدوین ۱۹۶۸ء، احمد جنیدی کی مثنوی ماہ پیکر
۱۹۶۲ء اور شیخ احمد شریف گجراتی کی مثنوی یوسف زلیخا کو ایڈٹ کر کے ۱۹۸۳ء میں شائع
کروایا۔ انھوں نے کلیات محمد قلی قطب شاہ بھی مرتب کیا ہے۔ پروفیسر یوسف سرمست کا تحقیقی
مقالہ بیسویں صدی میں اردو ناول کے رجحانات کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید
کے تحقیقی کاموں میں رشید احمد صدیقی، تلگو ادب اور فنون لطیفہ کی مختصر تاریخ، تلگو زبان
ادب شامل ہیں۔ پروفیسر اشرف رفیع کا وقیع تحقیقی کام نظم طباطبائی ہے۔ ڈاکٹر
[illegible] الدین شکیب کی کتابیں غالب اور حیدرآباد، غالب اور [illegible] ہیں۔ خواجہ
[illegible] الدین شاہد نے بھی [illegible] مثنوی [illegible] ترتیب دی اور
[illegible] شائع کیا۔ [illegible] ۱۹۶۲ء [illegible]

ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ کے تحقیقی کاموں میں مرزا علی لطف حیات اور کارنامے ۱۹۷۹ء دیوان لطف ۱۹۸۳ء، گلشن نقاں ۱۹۸۲ء قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر محمد علی اثر کے کئی تحقیقی کارنامے شائع ہو چکے ہیں جن میں غواصی۔ شخصیت اور فن ۱۹۷۷ء دبستان گولکنڈہ مباحث اور تجزیے ۱۹۸۱ء دکنی اور دکنیات ۱۹۸۲ء دکنی غزل کا نشوونما ۱۹۸۶ء دکن کی تین مثنویاں ۱۹۸۷ء، دکنی شاعری ۱۹۹۸ء انہوں نے پروفیسر اکبر الدین صدیقی کے اشتراک سے تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو کی جلد ششم بھی تیار کی ہے۔ ڈاکٹر افضل الدین اقبال کے بھی کئی تحقیقی کارنامے شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے مدراس میں اردو ادب کا نشوونما جلد اول ۱۹۷۹ء تذکرہ سعید ۱۹۷۳ء فورٹ سینٹ جارج کالج ۱۹۷۹ء جنوبی ہند کی اردو صحافت ۱۹۸۱ء پرنٹنگ کی کہانی ۱۹۶۵ء اردو کا پہلا نثری ڈرامہ اور کیپٹن گرین آدے ۱۹۸۴ء اور نواب اعظم و مثنوی اعظم نامہ ۱۹۸۷ء وغیرہ۔ ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کا کام وجہی کی سب رس پر ہے انہوں نے حضرت برہان الحق واصلین کے نثری رسالے کلمۃ الاسرار بھی مرتب کیا ہے بدیع حسینی نے منتخب کی شمائل الاتقیا کا انتخاب ۱۹۷۷ء میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح دکن میں ریختی کا ارتقا بھی قابل ذکر ہے۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد نے اردو الفاظ شماری پندرہ سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب کرکے ۱۹۷۴ء میں شائع کیا ہے۔ ان کے بیشتر تحقیقی کاموں میں انگریزی شاعری کے منظوم اردو ترجموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ شامل ہے۔ ڈاکٹر سید حمید شطاری کا کام قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک ہے۔ ڈاکٹر رضیہ اکبر کا کام تنائی گنجی پر ہے۔ ڈاکٹر مرزا صفدر علی بیگ کا کام تصوف اور اردو شاعری [illegible] پر ہے۔ ڈاکٹر محمد عبدالرشید الرشد کا تحقیقی کام "اردو ذریعہ تعلیم" ڈاکٹر [illegible] کے اردو تراجم پر ہے۔ صاحبزادہ میر [illegible] نے [illegible] لکھ کر شائع کیا ہے۔ [illegible]

کا حیدرآباد کے اردو اداروں کی خدمات، مسز انیسہ سلطانہ کا حیدرآباد میں [illegible] کا نشوونما ۱۹۵۰ء تا ۱۹۸۰ء، اسید نصرت مہدی کا اردو ادب میں [illegible] کا حصہ [illegible] تا [illegible] ہے [illegible] نسرین نے میراں جی شمس العشاق کی تحقیق و بیت النور دریافت کر کے شائع کیا ہے۔ مسٹر [illegible] دکنی ادب کے غیر ملکی محققین آزادی کے بعد پر کام کیا ہے ڈاکٹر محمد انوار الدین کا پی ایچ ڈی کا مقالہ حیدرآباد دکن کے علمی و ادبی رسائل کا تنقیدی جائزہ ۱۹۴۷ء تک ہے۔ ڈاکٹر مسز اختر سلطانہ نے قرۃ العین حیدر پر اور ڈاکٹر بیگ احساس نے کرشن چندر پر تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر رحمت علی خاں کا کام اردو ادب صنائع اور بدائع پر ہے ڈاکٹر مس اودیش رانی کا کام دکنی پر دیگر ہندوستانی زبانوں کا اثر اور ڈاکٹر محمد عبدالرحمن قریشی کا کام لسانی ریاستوں میں اردو کا موقف ۱۹۵۶ء کے بعد ہے۔

اسطرح دکن میں مختلف موضوعات پر تحقیقی کام ہوا ہے۔ یہ فہرست یقیناً نامکمل ہے۔ اس کے علاوہ دکن میں تحقیقی کاموں کی ایک طویل فہرست ہے جو ایک علاحدہ مضمون چاہتی ہے۔

سلسلہ ص ۱۲

لیکن پھر میں وہ شعر پڑھوں گا امیر مینائی کا ہے ؎

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

زندگی کا بھروسہ نہ ہمارے آپ کے جمع ہونے کا اطمینان، نہ اس [illegible] زندگی کا یقین کہ آپ اس تعداد میں جمع ہوں جس تعداد میں آج جمع ہوئے شاید کسی کے دل کو لگ جائے اور [illegible] اور پھر اس کے ساتھ [illegible] بھی چلیں گے اور ملک کی موسیقی [illegible] بگڑ جائے اور [illegible]

مہر عالم خان
پی آئی بی حیدرآباد

طبِ یونانی میں تحقیقاتی سرگرمیاں

طبِ یونانی کی ابتدا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، یونان سے ہوئی۔ اب سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل یونانی فلسفی حکیم بقراط نے جو نظریۂ اخلاط پیش کیا تھا وہی یونانی طریقۂ علاج کی فلسفیانہ اساس بنا۔ اس نظریے کے مطابق انسانی جسم میں چار قسم کے سیال مادے پائے جاتے ہیں جنہیں اخلاط کہا جاتا ہے۔ جب تک ان اخلاط یعنی خون، بلغم، صفرا اور سودا۔ میں توازن قائم رہتا ہے جسم صحت مند رہتا ہے اور بصورتِ دیگر بیماری کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بقراط کے ہم عصروں اور اس کے بعد کے آنے والے یونانی طبیبوں اور دانشوروں نے اس نظریے کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ طب یونانی کی بنیادوں کو مزید مستحکم بنایا لیکن ان بنیادوں پر طب یونانی کے ایک عظیم الشان قصر کی تعمیر کا سہرا اہل عرب اور اہل فارس کے سر جاتا ہے۔ ساتویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے دوران میں عربی اور ایرانی دانشوروں نے نہ صرف تمام اہم یونانی طبی تصانیف کو عربی زبان میں منتقل کیا بلکہ طب کے مختلف پہلوؤں پر بیش بہا طبع زاد رسائل اور کتب بھی تحریر کیں اور اس فن کو ترقی کی نئی منزلوں سے ہمکنار کرایا۔

طب یونانی کا یہ خاصہ رہا ہے کہ یونان سے نکل کر یہ فن مصر، شام، عراق، وسط ایشیا یا مشرقی ایشیا کے مختلف ملکوں میں جہاں بھی گیا وہاں سے اس ملکوں اور تہذیبوں میں لائج تمام سوائی طریقہ ہائے علاج کے مثبت اور سود مند عناصر کو اپنے اندر جذب کر لیا۔

دسویں صدی عیسوی کے آس پاس طب یونانی کا قافلہ ہندوستان آیا اور ایسا کہ پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ جن یونانی اطبا نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا انہوں نے صرف انہیں ادویہ پر اکتفا نہیں کیا جن کا ذکر قدیم یونانی لٹریچر میں تھا بلکہ ہندوستانی دواؤں پر تجربے بھی کئے اور اپنے تجربات کی بنیاد پر ہندوستانی ادویہ کو بھی اس طب کے قرابا دین میں شامل کر کے اس کے علمی خزانوں میں مزید اضافہ کیا یہ عمل صدیوں سے جاری ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان میں جو طب یونانی رائج ہے اس کی شکل ابتدائی یونانی طب سے یکسر مختلف ہے نیز آج کی طب یونانی کا علمی ذخیرہ بھی پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ہمارے ملک میں نہ صرف طب یونانی کی ایک طویل اور شاندار روایت رہی ہے بلکہ آج پوری دنیا میں ہندوستان کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ یہاں اس طب کے معالجے، اسپتال اور تعلیمی اور تحقیقی ادارے نہ صرف تعداد میں سب سے زیادہ ہیں بلکہ فی زمانہ سب سے فعال بھی ہیں۔

طب یونانی میں سائنسی تحقیق کا خیال سب سے پہلے ہندوستان ہی کے ایک مایہ ناز فرزند اور بذات خود اس طریقہ علاج کے ایک عظیم دانشور حکیم اجمل خاں کے ذہن میں آیا تھا۔ حکیم اجمل خاں ہی کے مسلسل کوششوں سے ۱۹۲۶ء میں طب یونانی میں ریسرچ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور ایسا محکمہ ریسرچ ... کے قیام کر کے ... ویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج ... اس ... ہندوستان میں

پائے جانے والے ایک دوائی پودے اسرول کے کیمیائی تجزیے سے متعلق تھا، جیسے چھوٹا چاند اور پاگل بوٹی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اور جس کا سائنسی نام Rauwolfia Serpentina ہے۔ اس پر ڈاکٹر سلیم الزماں پودے پر ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کی نگرانی میں جو مطالعات کیے گئے ان سے اس بوٹی کے دل و دماغ کے امراض میں استعمال کو ایک طرح سے سائنسی سند حاصل ہوئی۔ یونانی طب اور دوسرے ہندوستانی طریقہ ہائے علاج میں باضابطہ ریسرچ حکومت ہند کی سرپرستی میں ۱۹۶۹ء میں اس وقت شروع ہوئی جب سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن اینڈ ہومیوپیتھی (CCIMH) کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا۔ تقریباً دس سال تک دیگر ہندوستانی طریقہ ہائے علاج کے ساتھ ساتھ طب یونانی میں بھی تحقیق اسی ادارے کے تحت ہوتی رہی۔ مگر ان طبوں میں اپنے اپنے بنیادی فلسفوں کے مطابق آزادانہ تحقیق کو مزید ترقی دینے کی غرض سے ۱۹۷۸ء میں اس کونسل کو چار کونسلوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس طرح طب یونانی کے علاوہ آیوروید اور سدھا، یوگا اور نیچروپیتھی اور ہومیوپیتھی کے لیے علاحدہ تحقیقی کونسلیں وجود میں آئیں۔ یونانی طب میں تحقیقی کونسل جو کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن کے نام سے جانی جاتی ہے، گزشتہ گیارہ برسوں سے اس طبی طریقے کے متعدد نظریاتی اور عملی پہلوؤں پر ہمہ جہتی تحقیق میں مصروف ہے۔ کونسل کے ریسرچ پروگرام میں معالجاتی تحقیق، ادویہ کی معیار بندی، دوائی پودوں کے سروے اور ان کی کاشت، تحقیق اور اخلاقی بہبود سے متعلق تحقیق شامل ہیں۔ اس وقت کونسل کے تحت ملک کے مختلف حصوں میں بیس ریسرچ یونٹ اور انسٹی ٹیوٹ ان میدانوں میں تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ اس وقت معالجاتی تحقیق کے پروگرام میں ۱۷ عام بیماریوں پر ۵۵ یونانی مرکبات کے اثرات کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔

گذشتہ چند برسوں میں طبی کونسل کے حیدرآباد میں واقع سینٹرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نے برص یعنی سفید داغ کے کامیاب علاج میں عالمی شہرت حاصل کرلی ہے اس انسٹی ٹیوٹ میں گذشتہ ۱۸ برسوں میں برص کے تقریباً ۲۵۰۰۰ مریض رجسٹرڈ ہوئے ہیں اور ۶۰۰۰ مریضوں پر چھ مرکبات کے تاثیر کو سائنسی طور پر ثابت بھی کیا جا چکا ہے یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۷ء میں کیوبا اور ہندوستان کے درمیان سائنسی اور تکنیکی تعاون کے ایک معاہدے پر دستخط کئے گئے تھے۔ برص پر مشترکہ طبی تحقیق کے لیے اس معاہدے میں سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن کی ہندوستانی ادارے کے طور پر نشاندہی کی گئی ہے۔ کونسل کے معالجاتی تحقیقی پروگرام میں برص اور بیماریوں مثلاً ضیق النفس یعنی دمہ، وجع المفاصل یعنی ہڈیوں کے جوڑوں میں درد، یرقان وغیرہ کے علاوہ ملیریا، فائلیریا یعنی فیل پا اور اسہال اطفال جیسی قومی ترجیحات والی بیماریوں کے کامیاب علاج کی سمت میں اہم پیش رفت ہوئی ہے ایک دوسرا شعبہ جس میں کونسل نے امتیازی کام کیا ہے یونانی ادویہ کی معیار بندی کا ہے۔ طب یونانی کی تاریخ میں اس نوعیت کا کام پہلی بار ہندوستان میں ہی ممکن ہو پایا ہے اور سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن بجا طور پر اس پر فخر کرسکتی ہے۔ کونسل اب تک ۲۰۰ مرکب اور ۱۵۰ مفرد ادویہ کی معیار بندی کا کام مکمل کرچکی ہے۔ مرکبات کی تیاری کے طریقوں کے معیارات بھی طے کئے گئے ہیں۔

دوائی پودوں کے سروے اور کاشت سے متعلق پروگرام کے تحت کونسل کے تحقیقی کارکن ملک کے مختلف جنگلات سے اب تک تقریباً ۳۵۰۰۰ دوائی پودوں کے نمونے جمع کرچکے ہیں۔ اسی پروگرام کے تحت کونسل نے کچھ اہم دوائی پودوں جیسے — [illegible] کی غیر ملکی تجرباتی کاشت میں بھی کامیابی حاصل کی

پیش رفت کی بنا پر کونسل ایسے دوائی پودوں کی کاشت پر زیادہ زور دے رہی ہے جو کمیاب ہیں یا درآمد کئے جاتے ہیں۔ کونسل کے علمی تحقیق پروگرام میں کمیاب طبی مخطوطوں کی ایڈیٹنگ، ترتیب، ترجمے اور انکی اشاعت کا کام شامل ہے۔ اس پروگرام کے تحت بعض نہایت کمیاب کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ ان میں ابن رشد کی تصنیف کتاب الکلیات، ابن بیطار کی کتاب الجامع لمفردات، ابن سینا کی سوانح حیات بعنوان سرگزشت، ابن زہر کی کتاب التیسیر اور ابن القف مسیحی کی تصنیف کتاب العمدہ فی الجراحت قابل ذکر ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق تحقیقی پروگرام میں کونسل سستی اور موثر مانع حمل گولیاں تلاش کر رہی ہے۔ اس غرض کے لیے ایسی خوردنی مانع حمل ادویہ پر معالجاتی تجربے کیے جا رہے ہیں جن کا ذکر یونانی طب کے قدیم لٹریچر میں ملتا ہے۔ اب تک کے تجربات سے ایسی عورتوں میں ایک حمل سے دوسرا حمل ٹھہرنے کی درمیانی مدت چھ ماہ سے دو سال تک کا اضافہ ممکن ہوسکتا ہے جو ابھی خاندانی منصوبہ بندی کے کسی بھی طریقے پر عمل پیرا نہیں تھیں۔

کونسل کی جانب سے ان شعبوں میں ہوئی تازہ ترین پیش رفت کو منظر عام پر لانے کی غرض سے کونسل نے نئی دہلی میں سہ روزہ سیمینار کا انعقاد بھی کیا تھا جس کا افتتاح سابق مرکزی وزیر مملکت برائے صحت و خاندانی بہبود جناب رشید مسعود نے کیا تھا۔ اس سیمینار میں دیگر سفارشات کے ساتھ ساتھ بین شعبہ جاتی تحقیق پر زور دیا گیا۔ سیمینار میں یہ بھی سفارش کی گئی کہ طب یونانی اور دیگر دیسی طریقہ ہائے علاج کے ماہرین نہ صرف باہم گفت و شنید کی رفتار تیز کریں بلکہ جدید طب کے ماہرین کے ساتھ بھی تبادلہ خیال کرتے رہیں اور ایسی بیماریوں کے علاج پر خصوصی توجہ دیں جو وبائی نوعیت کی ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں کونسل کی جانب سے [illegible]
[illegible]

اختر واجدی
شبلی گنج حیدرآباد

غزل

درد احساس وفا غم کی ضیا لیکے اُٹھے
ہم اٹھے بھی تری محفل سے تو کیا لیکے اُٹھے

دیکھتے دیکھتے منزل کا پتہ لیکے اٹھے
اپنی آنکھوں میں جو نقشِ کفِ پا لیکے اٹھے

مسکراتے ہوئے پوچھا دلِ بیتاب کا حال
چشمِ پرنم سے مری کتنی دعا لیکے اٹھے

دیکھکر سنگدلی اُن کی خدا یاد آیا
ہم صنم خانے سے اُٹھے تو خدا لیکے اُٹھے

جنکو ہر سانس میں مارا غمِ محرومی نے
سچ تو یہ ہے وہی جینے کا مزہ لیکے اُٹھے

کاش اختر کو وہ تنکا ہی بنا دے قسمت
جو زمیں سے ترے دامن کی ہوا لیکے اُٹھے

محمد منظور احمد

غزل

نذرِ سلیمان اریب

جو بات واقعی روشن سی اک حقیقت ہے
بنا دیا ہے اسے آپ نے اک افسانہ

ہماری بزم میں اپنائیت ہے اور یہاں
سب اپنے لوگ ہیں کوئی نہیں ہے بیگانہ

یہ زندگی کے تماشے، یہ کھیل دنیا کے
ہُوا ہی کرتے ہیں، دیکھا کئے ہیں روزانہ

غلط جو باتیں ہیں مشہور اُن میں یہ بھی ہے
"دکن کی خاک سے اٹھا نہ کوئی دیوانہ"

کرشمے اس کے کسی کی سمجھ میں آ نہ سکے
جنونِ شوق میں کھو یا گیا ہے فرزانہ

غزل

ڈاکٹر منشاء الرحمن خاں منشا

خیال و خواب میں خوش رنگ پیکر ڈھونڈتے رہنا
حماقت ہے خزاؤں میں گل تر ڈھونڈتے رہنا

عمل کے ہم ہیں شیدائی نہیں بھاتا نہیں ہرگز
ہتھیلی کی لکیروں میں مقدر ڈھونڈتے رہنا

سراسر چشم نظارہ کی رسوائی کا ضامن ہے
کسی نادیدہ کو منظر بہ منظر ڈھونڈتے رہنا

کوئی بتلائے آخر یہ کہاں کی ہوشمندی ہے
جو دل میں جلوہ گر ہے اس کو باہر ڈھونڈتے رہنا

اسے دیوانگی کا نام دیں یا خود پرستی کا
خود اپنا چہرہ آئینے میں اکثر ڈھونڈتے رہنا

ہمارا تو یہی اک رات دن کا مشغلہ ٹھہرا
جنہیں انساں کہیں وہ لوگ گھر گھر ڈھونڈتے رہنا

وبال دوش بنتے والے سر ملتے ہیں ہر جانب
[illegible] چمکیں نوک نیزہ پر وہی سر ڈھونڈتے رہنا

غم ہستی عذاب جان و دل کتنا بھی ہو منشا
تم اس میں [illegible] برابر ڈھونڈتے رہنا

شاداب

غزل

۳۸

اپریل ۱۹۹۳

ڈاکٹر محبوب راہی
بارسی ٹاکلی ۴۴۴۴۰۰ مہاراشٹرا

تو تو اللہ ہے سب دیکھ رہا ہے، کیا ہے
بے اثر کس لئے پھر میری دعا ہے، کیا ہے

یہ جو جذبات میں طوفاں سا بپا ہے، کیا ہے
میرے سینے میں یہ کیا ٹوٹ رہا ہے، کیا ہے

دن کے دروازے پہ پھر رات نے دستک دی ہے
پھر وہی سلسلۂ کرب و بلا ہے، کیا ہے

آپ جو کہیے سر آنکھوں پہ حضور والا..
آپ جو کہیے، بجا سب ہے، بجا ہے، کیا ہے

نام تم دیتے ہو اخلاص و وفا کا جس کو
چاپلوسی ہے، خوشامد ہے، ریا ہے، کیا ہے

خون ہندو کا وہی، خون مسلماں کا وہی
پھر یہ ہر سمت جو ہنگامہ بپا ہے، کیا ہے

وہ جو تھا دعویٔ پندار انا وہ کیا تھا
یہ جو ہاتھوں میں ترے کاسہ نما ہے، کیا ہے

عہد و پیمان وفا، دوستی، اظہار خلوص
جھوٹ ہے، مکر ہے، دھوکا ہے ریا ہے کیا ہے

میں تو حالات سے سمجھوتا کئے بیٹھا ہوں
میرے اندر جو کوئی چیخ رہا ہے کیا ہے

ہے جو گرداب حوادث میں سلامت راہی
صرف یہ اس کے بزرگوں کی دعا ہے کیا ہے

شاداب

جلد [۱۰] شمارہ [۶]

جون ۱۹۹۳ء حیدرآباد

فون ۲۳۹۱۶۴ : قیمت 6/ روپے

○ زرِ تعاون

ہندوستان فی شمارہ [illegible] سالانہ کیلئے 120 روپے		تاحیات 1500 روپے
سعودی عرب 55 ریال	" 100 ریال	" 1000 ریال
امریکہ 40 ڈالر	" 70 ڈالر	" 700 ڈالر
انگلستان 25 پونڈ	" 45 پاؤنڈ	" 400 پاؤنڈ
پاکستان 175 پاکستانی روپے	" 300 پاکستانی روپے	" 3000 پاکستانی روپے

ترسیل زر کا پتہ : [illegible] 11-5-163 [illegible] حیدرآباد 500004

پرنٹر پبلشر قمرالدین صابری نے نیشنل پرنٹنگ پریس [illegible] سے چھپوا کر دفتر شاداب [illegible] سے جاری کیا۔

فہرست

حرفِ اول: اردو یونیورسٹی

حکومتِ ہند کی وزارت فروغ انسانی وسائل نے مسٹر رشید قریشی رکن پارلیمنٹ کی قیادت میں جو کمیٹی اردو یونیورسٹی کے قیام اور اسکے امکانات و وسائل کا جائزہ لینے کے لئے قائم کی تھی اس نے اپنی رپورٹ مرکزی وزیر فروغ انسانی وسائل مسٹر ارجن سنگھ کو پیش کردی جسکے مطابق کمیٹی مذکورہ نے یہ سفارش کی ہے کہ اردو یونیورسٹی ایک اوپن یونیورسٹی ہوگی جو ابوالکلام آزاد کے نام سے موسوم ہوگی اور اس کا پورا نام ابوالکلام آزاد اردو اوپن یونیورسٹی ہوگا۔ اس کے صدر مقام کے بارے میں اس کمیٹی نے تین شہروں کے نام سجھائے ہیں۔ ایک دلی، دوسرا بنگلور، اور تیسرا حیدرآباد ہمارے خیال میں اس کا صدر مقام حیدرآباد ہی موزوں رہے گا۔ ہندی علاقہ کے مقابلہ میں دکن میں اور دکن کے مرکزی مقام حیدرآباد میں اس کا قیام اس لیے قابل ترجیح ہے کہ یہاں اردو میڈیم اسکول اور کالج پہلے سے قائم ہیں اور اس کے اطراف مہاراشٹرا اور کرناٹک میں بھی اردو میڈیم ادارے قائم ہیں اور اردو یونیورسٹی کے قیام سے استفادہ کے لیے طلبا موجود ہیں۔ نیز حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام سے اردو میں اعلیٰ تعلیم کا کامیاب تجربہ کیا گیا۔ دارالترجمہ قائم کرکے سائنس ٹکنالوجی کی اعلیٰ کتب کا ترجمہ کیا گیا۔ یونیورسٹی میں اردو کا ایک عظیم کتب خانہ قائم کیا گیا۔ نیز اردو کے دیگر نایاب ذخیرے آصفیہ لائبریری، سالار جنگ ذخیرہ، [illegible] سنٹر اور مینوسکرپٹ لائبریری اور دوسرے ذخیرے حیدرآباد میں موجود ہیں جن سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ طلبا کی فراہمی اور انفرااسٹرکچر کی حیدرآباد میں موجودگی اردو یونیورسٹی کے یہاں قیام کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

سلطان زاہد محی الدین

دین و حکمت کا تقاضا قیام خلافت ہے

اجتہادی مسائل کے حل کیلئے ایک دینی ضرورت ہے، ایک ایسی ضرورت جسمیں فیصلے کی غلطی پر بھی اللہ کے پاس اجر ہے۔ اگر فیصلہ غلط نہ ہو تو دوہرا اجر ہے۔ ایسی ہی ایک دینی ضرورت ہے "قیام خلافت" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر ایک حبشی غلام بھی تم پر حاکم بنادیا جائے تو اسکی بھی سمع و اطاعت کرو"۔ اگر حاکم امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رض کی طرح قریشی اور رفیق النبی کا عامل ہو اور حضرت عمر رض کا دبدبہ اور وجاہت اسے حاصل ہو تو پھر کیا کہنا۔ اگر ملت اسلامیہ کے تمام منتخبین اعلیٰ تکنیکی خوبیوں سے عاری ہوں تو بھی امیر مقرر ہو، اسکی اطاعت گویا اللہ کے رسول کی اطاعت ہے۔ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری حکم الٰہی ہے۔

اجتہاد کی بنیادی ضرورت علم ہے، اور خلافت کی اہمیت کو سمجھنے کے ضروری چیز عقل ہے۔ ملت اسلامیہ پر آج علم کی کمی کا الزام ممکن ہے کہ درست ہو لیکن عقل کی کمی کی بات عقل نہیں مانتی! ہمارے پیغمبر صلعم نے فرمایا "اللہ نے عقل سے زیادہ معزز کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی اور آخرت میں عقل ہی سے محاسبہ ہوگا۔ یہ بات تو معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ اچھی چیز اچھی ہوتی ہے، اور بُری چیز بُری۔ لیکن کیا چیز زیادہ اچھی ہے اور کیا زیادہ ضروری ہے اسکا فیصلہ

"عقلِ سلیم" بھی کرتی ہے، جسطرح نت نئے مسائل کا حل اجتہاد سے نکالا جاتا ہے اسی طرح جماعت کی فلاح اور ملی ترقی کی پہلی ضرورت قیامِ خلافت ہے۔ خلیفۃ المسلمین کی شخصیت پوری ملتِ اسلامیہ کی طاقت کا مرکز ہوتی ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ارتکازِ قوت سے فیصلہ کن کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ بغیر جماعت کے مسلمانوں کے لیے علمِ دین و عمل سے بیگانگی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے اور ہم نے مدتوں سے اجتہاد کے دروازے بند کر لئے ہیں اب یہ عالم ہے کہ مسلم فرائضِ دینی سے تغافل برتنے کے ہم عادی ہو چکے ہیں۔ یہ تغافل اور تجاہلِ عارفانہ ہماری ذلت و رسوائی کا اصل سبب ہے!

آج ماحول کی بے دینی کو اسقدر الزام نہیں دیا جا سکتا جسقدر کہ ہماری بے عملی اور جمود کو اس میں دخل ہے دین کا ایک اہم فریضہ ہے نماز قائم کرنا۔ نماز کو مومن اور غیر مومن کے بیچ امتیازی عمل قرار دیا گیا ہے کوئی مسلمان نماز نہ پڑھے تو اللہ کا گنہگار ہے، اگر کوئی اپنے مسلم بھائیوں کا اور پڑوسیوں کا حق ادا نہ کرے تو وہ حقوق العباد ادا نہ کرنے والا اللہ کے بندوں کا مجرم ہے لیکن وہ گناہ وہ جرم کسقدر خوفناک ہے جو ایک مسلمان کو اللہ کا گناہ گار بھی بناتا ہے اور اسکے بندوں کا گناہ گار بھی؟

وہ بھیانک جرم اور گناہ عظیم ہے امیر کے بغیر جینا، جاہلیت کی زندگی بسر کرنا اور جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنا لینا ہے جو جماعت سے کٹ گیا وہ گمراہ ہو گیا، جماعت کے بغیر فرد کی زندگی لائقِ التفات ہے نہ موت! بغیر امیر کے زندگی بسر کرنا ایک ایسا جرم ہے جسکی سزا پہلے دنیا میں ملتی ہے پھر آخرت میں۔ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ ساری جماعت کی ترقی اور امتِ مسلمہ کی بہبودی کیلئے نہایت ضروری چیز خلافت اور امارت ہے۔ علمائے دین کے نزدیک اسلامی شریعت میں کسی مسلمان بھائی کی

آبرو ریزی سب سے بدترین گناہ ہے اور اس گناہ کے وبال کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جس سے ساری ملت کی بے عزتی ہو رہی ہو! آج ساری امت مسلمہ کے انتشار و خلفشار اور جنگ و منافقت کا سبب ہے امارت اور خلافت کی قربانیت سے آنکھیں چرانا یہ بدترین جہالت اور مجرمانہ غفلت ہے جس کے لئے ملت کا ہر فرد ذمہ دار ہے ہمارے علمائے دین متین بھی اور جہلائے قوم بھی، جدید تعلیم یافتہ افراد، دانشور اور بے نمازی بھی، صوم و صلوٰۃ کے پابند ملا بھی، مسجدوں کے امام اور خطیب بھی اسکے ذمہ دار ہیں اور مکتبوں کے معلمین اخلاق و مصلح قوم بھی، ہمارے سیاسی رہنما بھی اور سماجی کارکن بھی اسکے لئے جوابدہ ہیں آج اس اجتماعی جرم میں غریب مفلس گنوار دیہاتی بھی شریک ہیں دولت مند مہذب شرفائے شہری بھی کل قیامت میں ہم سب کو خدا کے حضور اسکا سبب بتانا ہوگا!

پہلے شاعر مشرق علامہ اقبال نے جو بات ہندوستان کیلئے کہی تھی اب وہ بات سارے عالم اسلام کیلئے کہی جا سکتی ہے کہ۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدہ کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

O

از
سید غلام محی الدین شاہ نظامی
آغا پورہ - حیدرآباد

اقبالؒ کا پیام آزادی

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد　　تجلی کی فراوانی سے فریاد
گوارا ہے اسے نظارۂ غیر　　نگہ کی نامسلمانی سے فریاد

وقت کے دربار کا نقیب: سچا شاعر وقت کے دربار کا نقیب ہوتا ہے۔ اور وہی باتیں اس کی زبان سے شعر کا جامہ پہن کر نکلتی ہیں جو وقت اور زمانہ کا تقاضا ہوتی ہیں۔ اگر اقبالؒ انیسویں صدی میں پیدا ہونے کے بجائے پندرھویں صدی یا سولھویں صدی میں پیدا ہوئے ہوتے تو شاید ان کی شاعری میں ہم کچھ اور پاتے ہماری خوش نصیبی سے وہ اس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ نہ صرف ہندوستان بلکہ سارا عالم اسلام نہ صرف عالم اسلام بلکہ سارا جہان مشرق معاشی سیاسی اور ذہنی حیثیت سے مغرب کی غلامی کی لعنت میں گرفتار تھا۔ اقبال کا دل اور وہ حساس دل جس کو قدرت کا بہترین عطیہ کہنا چاہیئے اپنے ماحول کی ان کیفیات سے تڑپ اٹھتا ہے اور وہ اپنی اس غلامی کا نوحہ پڑھنے لگتے ہیں۔

جب وہ سیاسیات حاضرہ کی تماشہ گاہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو ہر طرف اصحاب تسلط و استبداد کی مکر سامانیوں اور فریب کاریوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ بلکہ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ غلاموں میں کس طرح نشۂ غلامی

کو تیز تر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور غلاموں کے قلب و دماغ کو کس طرح دیلا
مجلس میں آسودہ رہنے کی تعلیم دی جا رہی ہے وہ مرغ نوپرک کی دانہ مستی پر تڑپ
جاتے ہیں اور اُس سیاست حاضرہ کے طلسم کو توڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس کی
نسبتاً یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں ۔

حریت می خواند او را بے بصر ؛ می کند بند غلاماں سخت تر
باکلیدش ہیچ در نتوان کشود در فضایش بال و پر نتوان کشود

اقبال کو اقوام مستبد و غالب کی ان فسوں کاریوں سے زیادہ اقوام
مغلوب و محکوم کی کوتاہیوں پر غصہ آتا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ غالب اپنی حاکمیت
پر اتنا قصوروار نہیں جتنا مغلوب اپنی محکومیت کے لیے قصوروار ہے۔ [illegible]
جان بھی گرو غیر، بدن بھی گرو غیر افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے
یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

انہوں نے بارہا اس بات کو ظاہر کیا کہ خواجگی کی مشکلوں کو آسان
کرنے میں تمام تر مجرم غلام کی خوئے غلامی ہے ۔

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی دورِ قدیم
اہلِ سجادہ ہیں یا اہلِ سیاست ہیں امام
اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے زور
سینکڑوں صدیوں سے خوگر ہیں غلامی کے غلام
خواجگی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پختہ ہو جاتے ہیں جب خوئے غلامی میں غلام

انہوں نے ان صفات کو ایک ایک کر کے گنایا جو قوموں میں گھن کی طرح لگی ہیں

آگ کی طرح بھڑکنے لگتی ہیں اور ان کو عضو معطل بنا دیتی ہیں۔ ان صفات کا ذکر جس درد بھرے اشعار میں انہوں نے کیا ہے وہ ان کے قلب کی دردمندانہ کیفیات کا آئینہ دار کہے جا سکتے ہیں۔

وائے قومے کشتۂ تدبیر غیر کار او تخریب خود تعمیر غیر
می شود در علم و فن صاحب نظر از وجود خود نہ گردد صاحب نظر

اقبال کو قوم سے زیادہ امیرانِ قوم پر غصہ ہے تو اس گلہ کے پیرایہ ہے وہ اور اس قافلہ کے سالار اور جن کی تن پرستی اور جاہ پرستی نے کم نگاہی اور کلیسا دوستی نے نورِ جان سے محرومی اور لاالہ سے بدنصیبی نے قوم کو غلامی کے بڑے دن دکھائے ہیں ان کی نسبت کہتے ہیں

داغم از رسوائیِ ایں کاروان
در امیر او ندیدم نورِ جان

غلام قوم کے دانشور : آپ کو جتنا غصہ امیروں پر ہے اتنا ہی قوم کے شعرا حکما اور علما پر ہے جو ہمیشہ قوموں کی زندگی میں راہبر و رہنما رہے ہیں جن کی گرمیِ گفتار اور پختگیِ کردار سے قوم کے لیے نشانِ راہ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے فہمِ صحیح اور فکرِ مرتب نے مشکلات کے دشت و جبل کاٹ کر منزل کے قریب ترین راستے پیدا کیے۔ اقبال کو غم ہے کہ غلام قوموں میں شعرا بھی ہوتے ہیں اور علما حکما بھی لیکن ان کی فکر شیروں کو رمِ آہو سکھاتی ہے قوموں کو غلامی پر رضامند کرتی ہے اور جب ان کا ضمیر ان کو ملامت کرتا ہے تو ان کا دماغ ان کو تاویل کا رستہ سکھا دیتا ہے۔

شاعر بھی ہیں پیدا علمأ و حکمأ بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر اک ہے تو شرح معانی میں یگانہ
بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

اقبال ان سب سے زیادہ ان غدارانِ ملت کی یاد سے آتش زیر پا ہو جاتے ہیں جنہوں نے حقیر اور ناقابل لحاظ قیمت پر ملت کی آزادی فروخت کر دی جن کی جاہ پرستی اور خطاب دوستی نے قوموں کی زنجیر غلامی کی کڑیاں مضبوط کیں۔ سب سے زیادہ عجیب "جاوید نامہ" کا وہ مقام ہے۔ جہاں اقبال پیر رومیؒ کی معیت میں ہفت افلاک کی سیر کرتے ہوئے "فلک زحل" پر پہونچتے ہیں اور اس دریائے خون کو دیکھتے ہیں جس کی موجیں طوفانِ خون اٹھا رہی ہیں۔ جس کی فضاؤں میں طیور خوش الحان کی بجائے مار و کژدم آڑ رہے ہیں اور جن کے التہاب میں پارہ پارہ ہائے کوہ پگھل رہے ہیں ان کو حیرت ہوتی ہے کہ اس طوفانی سمندر خونین میں ایک چھوٹی سی کشتی پر دو بدنصیب تھپیڑے کھاتے دکھائی دیتے ہیں اقبال ان کی معیت پر تڑپ اٹھتے ہیں اور پیر رومیؒ سے ان کا حال دریافت کرتے ہیں۔ پیر رومیؒ نے بتایا کہ وہ قوم فروش غدار ہیں جنھوں نے ہندوستان کی آزادی اقوام مغرب کو بیچی اور بہت ارزاں بیچی۔ ان میں ایک بنگال کا میر جعفر اور دوسرا دکن کا میر صادق ہے۔ اقبال کے آنکھوں سے حیرت

واشتعال کی کیفیت ابھی مٹی بھی نہیں کہ ابواب فلک وا ہوتے ہیں اور اقبال ایک حسینہ کو فضائے بسیط کی پہنائیوں میں اترتا ہوا دیکھتے ہیں اس کا حسن عالم آشوب اقبال کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے لیکن اس کے پاؤں کی مضبوط اور وزنی زنجیریں چنز صیادی ہوتی آنکھوں کو اشک آلود بنا دیتی ہیں اور اقبال کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔

تب وہ پیر رومیؒ سے سنتے ہیں کہ یہ حسینہ روح ہندوستان ہے جس کے پاؤں میں غلامی کی مضبوط زنجیریں پڑی ہوتی ہیں۔ روح ہندوستان اپنے ایک فرزند سعید کو دیکھ کر بے اختیار وجد سا ہوتی ہے اور اس کا نوحہ اقبالؒ کا شاہکار ہے جاوید نامہ کا شاہکار ہے سنئے اور کانوں سے سنئے جن کانوں سے اقبالؒ نے سنا تھا تڑپ جائیے اور اس طرح تڑپئے جس طرح اقبالؒ تڑپا تھا۔ اور کوشش کیجئے کہ سرزمین ہند پھر کسی جعفر و صادق کو پیدا نہ کر سکے۔ اگر پیدا ہو تو آپ کے دست و بازو اس کو قوم فروشی کا موقع نہ دیں۔

اس غلامی کے تصور سے اقبال پر ندامت و شرمندگی کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہی ان کے کلام اور کلام کے اثر کی روح ہے۔ غلامی میں ساری قوم کی شرمندگی سمٹ کر قلب اقبالؒ میں جمع ہو گئی ہے وہ اس عالم غلامی میں اپنے "قیام صلوٰۃ" کو بے حضور اپنے سجدے کو بے سرور پاتے ہیں۔ باوجود اس کے حق نے اپنے صدہا جلوؤں کو ان پر بے نقاب کر دیا لیکن ان کی حق پرستی کا اعلیٰ ترین مقام یہ ہے کہ وہ قلب غلام کو کلمۂ حق کے ایک نفس کا بھی مستحق نہیں پاتے ان کے نزدیک غلام جلال خداوندی اور جمال الٰہی سے بے خبر ہے اور اس سے بڑھ کر وہ غلام میں وہ کسی لذت ایمانی کی تلاش کو بے سود سمجھتے ہیں چاہے وہ حافظ قرآن ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے نزدیک صرف حیات دل و شکوہ ملک و دین ہے اور غلاموں کی عید مومن کہلانے والوں کے ہجوم سے

زیادہ کچھ نہیں ؎

از قیامِ بے حضورِ من مپرس / از سجودِ بے سرورِ من مپرس

جلوۂ حق گرچہ باشد یک نفس / قسمتِ مردانِ آزاد است و بس

مردِ آزادے چو آید در سجود / در طوافش گرم رو چرخِ کبود

از غلامے لذتِ ایماں مجو / گرچہ باشد حافظِ قرآں مجو

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں / عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں

اس ندامت و شرمندگی کا انتہائی مقام وہ ہے جہاں اقبالؒ حالتِ غلامی میں اپنی زبان سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور شکوہ درد و غم شکستہ لب کشائی کرتے ہوئے خجالت سے عرق عرق ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک اس بندۂ ندامت و خود آگاہ کا اسمِ گرامی پاکی کا وہ نشان ہے جس کو کسی غلام کی زبان سے آلودۂ تکلم نہ ہونا چاہیئے۔ جس کی صدائے قم نے غلاموں کی قبروں سے لاکھوں مردوں کو اٹھا کر آزادی کے تخت پر بٹھایا۔ اقبالؒ اپنے آپ کو عالمِ غلامی میں اس کے نامِ نامی پر درود پڑھنے کے قابل بھی نہیں پاتے۔

گرچہ دانا حالِ دل باکس نگفت / از تو دردِ خویش نتوانم نہفت

تا غلامم در غلامی زادہ ام / ز آستانِ کعبہ دور افتادہ ام

چوں بنامِ مصطفیٰؐ خوانم درود / از خجالت آب می گردد وجود

عشق می گوید کہ اے محکومِ غیر / سینۂ تو از بتاں مانندِ دیر

تا نداری از محمدؐ رنگ و بو / از درودِ خود میالا نامِ او

اقبالؒ نے ایک سے زیادہ مقامات پر آزاد و محکوم کا فرق ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ایک کا دل زندہ پر سوز و طربناک اور دوسرے

کا دل مردہ، افسردہ اور نومید ہوتا ہے۔ ایک کی دولت دلِ روشن اور نفسِ گرم اور دوسرے کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک یہاں تک کہ ایک خواجۂ افلاک ہے اور دوسرا بندۂ افلاک اقبالؒ اپنی قوت کو پہلی صف میں دیکھنا چاہتے ہیں اور دوسری صف کو الگ کرنا چاہتے ہیں۔ پر اس کو صحیح [illegible] رہے ہیں۔

آزادی کی رگ سخت ہے مانند رگِ سنگ
محکوم کی رگ نرم ہے مانند رگِ تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پُرسوز و طربناک
محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک
محکوم ہے بیگانۂ اخلاص و مروت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندۂ افلاک ہے یہ خواجۂ افلاک

پیشِ رو یا رہی تھا۔ اس فرق کو نمایاں کرنے کے بعد انہوں نے کبھی دنیا کی ہر مقہور و محکوم قوم کو اور کبھی ان میں سے ہر ایک کو جدا جدا مخاطب کیا ہے۔ اور انہیں آزادی دیا ہے۔ وہ کبھی اقوام مغرب کی طرف پلٹ کر کہتے ہیں کہ جلوہ کے رنگ رنگ سے باہر نکلیں اور ترک فرنگ کے ذریعہ اپنی خودی کو پہنچائیں اور [illegible] سکتے ہیں کہ [illegible] واقف ہو جانے کے لیے پیشہ رہا ہی [illegible] کا شیر [illegible] سکتے ہیں اور معروف [illegible] [illegible] [illegible]

محمد اسحاق
الجبیل ۔ سعودی عربیہ

بابری مسجد سے سبق

آزادیٔ ہند کے بعد بابری مسجد کا مسمار کیا جانا مسلمانوں کے لیے ایک عظیم حادثہ ہے بلکہ ہر شریف ہندو کا سر شرم سے جھک گیا ہے اور ساری دنیا کے لوگوں نے اس کی مذمت کی ہے۔ بابری مسجد کو ڈھانے کا مسئلہ محض وقتی اور ہنگامی نہیں ہے بلکہ فاشسٹ تنظیموں کا پچاس سالہ پلان کا یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے تاکہ وہ بتلا سکیں کہ یہ ملک ان کا ہے اور مسلمان 'ہندوتو' کی تحریک کو قبول کر لیں ورنہ ان کا صفایا کرنا مشکل نہیں یہ ایک چیلنج ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی زندگی اور موت، عزت و آبرو کا سوال ہے اگر اب بھی مسلمان ہوش و حواس اور صبر و تحمل سے کام نہ لیں اور اب بھی ان کا کوئی طویل مدتی لائحہ عمل تیار نہ ہو تو وہ اس طوفان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے جو جلد یا بدیر آنے والا ہے۔

تقریریں، تحریریں، نعرے، ہڑتالیں اور احتجاجات سب وقتی اور ہنگامی جوش و جذبے کے مظاہر ہیں۔ نہ تو اس سے قوم بنتی ہے اور نہ قوم سنبھلتی ہے صرف بلاوجہ ان کا خون سڑکوں پر بہہ جاتا ہے۔ جان و مال اور آبرو دن دہاڑے لٹ جاتی ہے لیکن مسلمان اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ ویسے مسلمانوں کی [illegible] سارے ملک [illegible] مسلمان [illegible]

روزگار کا انحصار بالکلیہ مقامی آبادی کے رحم و کرم پر ہے۔

ان فسطائی طاقتوں کا مقابلہ نہ کرسکنے کی چند وجوہات ہیں:

۱۔ آر۔ ایس۔ ایس کے اس وقت ۲۷ لاکھ والینٹرلیس باضابطہ ٹریننگ پائے ہوئے ہیں جنہیں فسادات کروانے اور لوٹ مار کی ٹریننگ کوئی چالیس برس سے دی جارہی ہے۔ اس وقت ۲۴ ہزار شاکھائیں یا سنٹر ہیں ان کی تربیت جاری ہے۔ یہ ہر اسکول، کالج، مندر، میدان میں ان کی ٹریننگ کا کام دن رات جاری ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے معصوم ذہنوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کا زہر بھر دیا جاتا ہے اور یہ زہر ان کے لٹریچر میں تو صاف ہے۔ اس کے علاوہ اب آثار قدیمہ کے ہر گائیڈ کا کام بھی ہے اور تاریخ کی کتابوں اور اسکول کی نصابی کتابوں میں بھی یہ زہر اتار دیا گیا ہے۔ ان ہی شاکھاؤں میں تربیت پائے ہوئے بچے بڑے ہو کر آج پولس، فوج، سیاست، ایڈمنسٹریشن، میڈیکل کالج اور یونیورسٹی میں موجود ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ ان فسطائی طاقتوں کے پیچھے حکومت اور ایڈمنسٹریشن کی ہمدردیاں حاصل ہیں، اس لیے مسلمان اپنے کو مجبور محض پاتے ہیں۔ اگر حکومت کا رویہ صحیح ہوتا، ہیں [illegible] انصاف ہوتا، انصاف اس وقت ہوتا جب [illegible] صاف ہو۔

انصاف جو کسی قوم کا صاف نہیں ہے
طاقت جو کسی قوم کی عزت نہیں ہے

مسلمانوں [illegible] کے

[illegible]

تیار ہوا ہے وہ نوشتۂ دیوار پڑھنے کے لیے تیار نہیں اور کل کے متعلق سوچنے کی انہیں فرصت نہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ادب، شعر، [illegible] خطے، جذباتی اور رومانی طرز زندگی پر زور، اور بھی بہت سے اسباب نے حقائق زندگی سے فرار کا راستہ ہموار کر دیا ہے۔ مسلمان اس بات کو سوچنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ حضور اکرم صلعم یا صحابہ کا تائید کے اور کون مستحق ہو سکتے تھے لیکن رسول خدا نے جنگ بدر میں پوری امکانی تیاری کے ساتھ تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ نکل آئے تب غیبی امداد بھی آئی یعنی امکانی تدبیر ہی تقدیر ہے (اقبال) لیکن مسلمان اس راز سے واقف نہیں ہیں

مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ مسلمان کی ترقی اور زوال کا ایک ہی سبب ہے وہ آندھی کی طرح آتے ہیں اور بجلی کی طرح گزر جاتے ہیں۔ وہ ایک مسجد کے شہید کر دینے پر اپنا خون پانی کی طرح بہا دیں گے لیکن ایک مسجد کی تعمیر کا کام ان سے نہیں ہو سکے گا۔ وہ کوئی تعمیری کام عمل میں لا کر کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا جوش قابل تعریف اور ہوش قابل افسوس۔ دنیا کی دوسری قومیں مسلمانوں کی اس کمزوری سے واقف ہیں۔

۳۔ تقسیم ہند یا پاکستان کا بننا مسلمانوں کی سیاسی [illegible] ایک نشان ہے ہندوستان پر ایک ہزار سال تک حکومت کرنے کے بعد ایک الگ گھر بنا لینا سیاسی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے اب تو یہ بحث بے سود ہے کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو کیا ہوتا۔ یہ لیکن آئندہ مورخ اور محقق [illegible] کریں گے۔

۴۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد سے ان کی [illegible] سیاسی قیادت آج تک قائم نہ ہو سکی اور نہ آئندہ کوئی امید [illegible] قوم میں اتحاد اور [illegible] ۵

ساری طاقت اور انرجی ضائع ہو جائے گی۔ گزشتہ الیکشن میں ایک سرسری سروے کے مطابق یہ پتہ چلا تھا کہ سارے ملک میں ممبران پارلیمنٹ کے ۱۴۲ حلقے ایسے ہیں جہاں پر مسلمانوں کے ووٹ کسی ایک امیدوار کو قطعی کامیاب کر سکتے ہیں لیکن ہمیشہ کی طرح یہ ووٹ بکھر گئے اور اس "جمہوری ایٹمی طاقت" DEMOCRATIC ATOMIC POWER کو انھوں نے ہی ضائع کر دیا۔

جمہوریت اور سیکولرازم دستور ہند کی دو باتیں ایسی ہیں جو مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے حق میں دو بڑی نعمتیں ہیں۔ پروفیسر ہمایوں کبیر کا کہنا تھا کہ سیکولرزم مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کے حق میں مفید ہے۔ اگر حکومت کا کوئی خاص مذہب ہوگا تو ہندوستان بہت جلد آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔

جمہوریت ایک آزمائی ہوئی طرز حکومت ہے۔ اس کی ساری خرابیوں کے باوجود اس کی جگہ اور کوئی حکومت بہت عرصہ تک کامیاب نہ ہو سکی۔ سیاست ہماری زندگی کے ہر شعبے پر چھائی ہوئی ہے۔ جس کے ہاتھوں میں حکومت ہوتی ہے وہ نہ صرف اپنوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں بلکہ ان کی ترقی کا راز بھی حکومت ہے جب تک مسلمان سیاست اور ملک کے جمہوری نظام سے دور رہیں گے وہ سخت نقصان میں رہیں گے بلکہ ایک غیر مسلم دانشور کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کا جمہوری نظام سے الگ تھلگ رہنا ملک کی بدقسمتی ہے جب تک مسلمان کو ابھرنا [illegible] نے کا [illegible] تک [illegible] نہ کریں گے [illegible] [illegible] مسلمانوں [illegible] گی [illegible] کے [illegible] [illegible]

اس کے لیے ضروری ہے کہ ساری مسلم سیاسی تنظیموں کا ایک وفاق قائم ہو اور وہ اپنی واضح پالیسی کے ساتھ کسی آل انڈیا سیاسی پارٹی کا ساتھ دیں جو قومی سطح پر قائم ہو چکی ہو۔

مسلمان سیاست کو اب تک شجر ممنوعہ سمجھے ہوئے ہیں اس کا بڑا فائدہ دوسروں کو ہوا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہمارے دانشور اور اہل ثروت اس طرف متوجہ ہوں۔ یہ ایک کڑوا کسیلا پھل ہے جسے قوم کی صحت کے لئے ہضم کرنا ضروری ہے۔

کوئی سیاسی یا سماجی تنظیم مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کا کوئی تعلیمی اور سماجی ترقی کا پروگرام نہ رکھتی ہو۔ ملک میں پڑھے لکھے لوگوں کا اوسط فی صد ۳۵ ہے اور مسلمانوں کا ۱۵، ۲۰ فیصد سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ مسلم خواتین میں تعلیم کا فیصد دس سے زیادہ نہیں ہوگا۔ ہمیں تعلیم کے میدان میں بڑے پیمانے پر پروگرام بنا کر چلنے کی ضرورت ہے۔ اب تک ہم اہل وطن سے کوئی پچاس برس پیچھے ہیں۔ ہمیں یہ فاصلہ طے کرنے تک دوسرے سو برس آگے بڑھ جائیں گے۔ ضرورت ہے کہ دستور ہند کے تحت کھلے میں ابتدائی پرائمری تعلیم کو مسلمان اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ گیارہ سال سے ۱۴ سال کی عمر تک پانچویں یا آٹھویں جماعت تک کی تعلیم کا انتظام اقلیتیں اپنی مرضی سے کر سکتی ہیں۔ اس لائحہ عمل کے بڑے مفید نتائج نکل آئیں گے۔

مسلمانوں میں عام طلبہ یونین سروس تنظیموں کے [illegible] بنگال طلبہ [illegible] [illegible] [illegible]

اللہ کے لیے خدمت کے سینکڑوں مواقع ہیں۔ ہر خدمت کے موقع کو غنیمت جانیں اس سے معاشرے میں ایک خوش گوار تبدیلی ہی نہیں بلکہ جاندار حرکت پیدا ہو گی۔

بابری مسجد کا تقدس اور اس کی تاریخی اہمیت ختم ہو چکی اب اسی مقام پر دوبارہ مسجد بننے کے آثار کم ہیں۔ پہلے تو اس کا دوبارہ تعمیر ہونا مشکل ہے۔ اگر تعمیر ہو جائے تو باقی رہنا اور بھی مشکل ہے۔ دوبارہ تعمیر کے بعد وہ کسی طرح بابری مسجد تو نہیں ہو گی بلکہ وہ کسی اور نام سے ہو گی۔ پھر یہ ایک آثار قدیمہ کی طرح ہی ممکن ہے باقی رہے کیونکہ شاید ہی کوئی اس میں جاکر نماز ادا کر سکے۔ بہتر ہے اس سارے قضیے کو حکام کے ہاتھوں میں دے دیں اور مسلمان ان کے جو ضروری کام ہیں اس طرف لگ جائیں۔

اس وقت قوم کی نکبت، غربت و افلاس اور جہالت دور کرنے کے طویل مدتی منصوبوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ بابری مسجد کے مسئلے نے ساری قوم کو ذہنی پریشانی میں الجھا رکھا ہے۔ وہ اپنے ضروری مسائل کو پس پشت ڈالتے ہوئے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ نا سمجھ، نا عاقبت اندیش لیڈروں کی باتوں پر قطعاً دھیان نہ دیں۔ ان کی شعلہ بیانی نے ساری قوم کو شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ لیڈران تقاضوں سے ناآشنا ہیں جو آج مسلمانوں کے لیے ایک باعزت قوم کے طور پر ابھر آنے کے لیے کاوش، جہد مسلسل کی ضرورت ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ بابری مسجد کے حادثے اور اس کے بعد کے واقعات پر ملک کے انگریزی پریس نے بھرپور فسطائی طاقتوں کی سرزنش اپنے اداریوں اور مضامین میں کی [illegible] کے لیے ہمیں شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ ایسا تو کم از کم انگریزی [illegible] مضامین کے [illegible] اندازہ ہوتا ہے کہ فسطائی طاقتوں نے صرف وہ چار فی صد اہل وطن کو ہی متاثر کیا ہے۔ ملک کا وسیع

مولانا آزاد اور قومی یکجہتی

محمد قمرالدین صابری
ایڈیٹر شاداب، حیدرآباد

مولانا ابوالکلام آزاد ایک نادر روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا ۱۸۸۸ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ انکی پیدائش کے دو سال بعد ان کے والد مولانا خیرالدین پورے خاندان سمیت کلکتہ آگئے۔ ان کے والد ایک بہت بڑے پیر تھے جن کے مرید ہندوستان اور ہندوستان سے باہر عرب دنیا اور ترکی میں پھیلے ہوئے تھے۔ پیری مریدی کے اس ماحول اور سخت ترین مذہبی رسم و رواج میں مولانا کی پرورش ہوئی۔ گھر ہی پر تعلیم کا انتظام ہوا اور اس زمانے کی مروجہ مذہبی تعلیم کی مکمل درسیات سے بالکل چھوٹی عمر میں فراغت حاصل کی۔

بنگال سیاسی اعتبار سے ہندوستان کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ صوبہ تھا۔ انگریزوں نے ۱۹۰۵ء میں فیصلہ کیا کہ اسے تقسیم کر کے کمزور کر دیا جائے نیز ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی مستقل خلیج پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دیا جائے۔ مولانا نے انگریزوں کی اس [illegible] سے بلا [illegible] کیا [illegible] کے [illegible] اور [illegible]

اسی زمانے میں مولانا بیرونی سفر پر تشریف لے گئے۔
۱۹۰۸ء میں عراق پہنچے۔ وہاں کے انقلابیوں سے ملے مصر
میں مصطفیٰ پاشا کے ساتھیوں سے اور ترکی میں ینگ ترکس
تحریک کے لیڈروں سے ملاقات کی چند اور ممالک کا سفر
بھی کیا۔ اس دوران سفر میں فرانسیسی زبان سیکھی۔ اور
وہاں سے واپسی پر ہندوستان کے مسلمانوں میں
حصول آزادی کا ولولہ پیدا کرنے کے لیے ضروری سمجھا کہ ایک
اخبار جاری کیا جائے۔

چنانچہ جون ۱۹۱۲ء میں "الہلال" کا پہلا شمارہ
شائع ہوا۔ اس ہفتہ وار اردو جرنل نے تین سال کے اندر
مسلمانان ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں ایک بالکل
نئی حرکت پیدا کر دی۔ پہلے وہ اپنے ہندو بھائیوں کی سیاسی
سرگرمیوں سے نہ صرف الگ تھے بلکہ اس کی مخالفت
کے لیے بیورو کریسی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کی طرح
کام کر رہے تھے۔ "الہلال" نے مسلمانوں کو تعداد
کی جگہ ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اور ہندوؤں
کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی۔ اس سے وہ
تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا ایک اچھا نتیجہ متحدہ تحریک خلافت
اور سوراج کی صورت میں ظاہر ہوا۔

برطانوی حکومت کے لیے یہ سب کچھ ناقابلِ برداشت تھا۔ اس نے "الہلال" کا گلا گھونٹنے کے لیے پہلے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی۔ پھر دس ہزار کی ضمانت مانگی۔ اس سے بھی کام نہیں چلا تو ۱۹۱۴ء میں الہلال پریس ضبط کرلیا۔ مولانا نے البلاغ پریس کے نام سے نیا پریس قائم کرکے اسی نام کا اخبار جاری کیا تو حکومت نے انہیں ڈیفنس آف انڈیا ریگولیشن کے تحت کلکتہ بدر ہونے کا حکم دیا۔ پنجاب، یوپی، دہلی اور بمبئی میں ان کا داخلہ پہلے ہی بند تھا۔ وہ بہار کے شہر رانچی گئے تو حکومت نے ۱۹۱۶ء میں انہیں نظربند کرکے ۳۱/۱۲/ ۱۹۱۹ء تک حراست میں رکھا۔ رانچی کے قیام کے دوران ان کا زیادہ تر وقت تالیف وتصنیف میں بسر ہوا۔ ترجمان القرآن اسی زمانے میں ختم ہوا۔ فقہ اسلامی پر صرف کتاب وسنت کو پیش نظر رکھ کر متعدد رسائل "الصلوٰۃ" "الزکوٰۃ" "الحج" "النکاح" ترتیب دئے، سوانح مجدّدین کا سلسلہ شروع کیا۔ نیز "الہلال" اور "البلاغ" کے ذریعہ مولانا نے انگریزی داں نوجوانوں میں قرآن پاک کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا اور اس طرح ان کے لیے ایمان اور یقین کے نئے نئے دروازے کھول دیئے نیز قرآن پاک کے معانی ومطالب کی بلندی و وسعت کو پوری طرح نمایاں کیا۔

مولانا نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ اس خیال کی وضاحت کی کہ قرآن نے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کی بنیاد چار باتوں پر رکھی ہے اور بتلایا ہے کہ ہر طرح کی انسانی ترقی و کامیابی انہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، ایمان، عمل صالح، توصیۂ حق، توصیہ صبر۔

توصیۂ حق کے معنی ہیں ہمیشہ حق اور سچائی کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا چونکہ حق کے اعلان کا لازمی نتیجہ یہ نکلے مصیبتیں پیش آئیں اس لئے حق کے ساتھ صبر کی وصیت بھی ضروری تھی تاکہ مصیبتیں برداشت کرنے کیلئے ہر حق گو تیار ہو جائے۔

اسلام کی بنیاد عقیدہ "توحید" پر ہے، "توحید" مسلمانوں کو سکھلاتی ہے کہ ڈرنے کے لیے صرف خدا ہی کی عظمت و جبروت ہے اس کے سوا کوئی اور ہستی نہیں ہے پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا "سب سے بہتر موت اس آدمی کی موت ہے جو کسی ظالم حکومت کے سامنے حق کا اظہار کرے اور اسی کی پاداش میں قتل کیا جائے" (ابوداؤد)۔ وہ جب اسلام کا عہد و اقرار لیتے تو ایک اقرار یہ ہوتا تھا۔ "میں ہمیشہ حق کا اعلان کروں گا۔ خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں" (بخاری و مسلم)۔
چنانچہ امر بالمعروف اور اعلان حق جس قدر بھی امکان میں ہو مسلمان کو حکم ہے کہ وہ کرتا رہے۔ اسلام کی تعلیم کسی حال

یہ روا رکھی جا سکتی ہے۔ وہ جائز نہیں رکھتی کہ آزادی کھو کر مسلمان زندگی بسر کریں۔

مولانا نے تحریک آزادی کے لیے مذہبی آگاہی کو ضروری سمجھا۔

مولانا لکھتے ہیں :

"ہندوؤں میں آج مہاتما گاندھی مذہبی زندگی کی جو روح پیدا کر رہے ہیں، "الہلال" اس کام سے ۱۹۱۲ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی سرگرمی ایک ہی وقت شروع ہوئی جب دونوں میں مغربی تہذیب کی جگہ مذہبی تعلیم کی تحریکوں نے پوری طرح فروغ پا لیا۔"

غرض مولانا آزاد نے مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا کہ اسلام ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصہ لینے کا مخالف نہیں ہے۔ بلکہ جدوجہد آزادی کی ترغیب دیتا ہے۔ مولانا نے گاندھی جی کے میدان عمل میں آنے سے پہلے ہی یہ اہم تحریک شروع کر دی۔ اس لیے حکومت نے پہلے تو انہیں نظر بند کر دیا۔ پھر ۱۹۲۱ء میں برطانوی حکومت کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں کے الزام میں عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ مولانا نے عدالت میں بیان دیا کہ

"میں مسلمان ہوں، میرے یقین کے لیے [illegible] جو میرے اللہ کی کتاب اور میرے نبی کی شریعت نے

بتایا ہے، مسلمان کے مذہبی فرائض میں یہ داخل ہے
کہ موت قبول کرے مگر حق گوئی سے باز نہ آئے۔

"اگر آج ہندوستان میں ایک خالص اسلامی حکومت
قائم ہو جائے مگر اس کا نظام بھی شخص ہو یا چند حاکموں کی
بیداد گری پر ہو تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اس وقت بھی
میرا یہی فرض ہوگا کہ اس کو ظالم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ
کروں۔

"میں موجودہ حکومت کو جائز تسلیم نہیں کرتا اور اپنا
مذہبی، انسانی اور ملکی فرض سمجھتا ہوں کہ اس محکومی سے
ملک و قوم کو نجات دلاؤں

"مجھ پر بغاوت کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ کیا
بغاوت آزادی کی اس جدوجہد کو کہتے ہیں جو ابھی کامیاب
نہیں ہوئی ہے، اگر ایسا ہے تو میں اقرار کرتا ہوں کہ میں
باغی ہوں لیکن ساتھ ہی یاد دلاتا ہوں کہ اس کا نام قابل احترام
حب الوطنی بھی ہے۔

"میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نہ صرف اس جرم بغاوت
کا مجرم ہوں بلکہ ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے اس جرم کی
اپنی قوم کے دلوں میں تخم ریزی کی ہے اور اس کی آبیاری کے
لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے

"میں پہلا مسلمان ہوں جس نے پہلا شخص ہوں جس نے ۱۹۱۲ء
میں [illegible] کو اس [illegible] کی عام دعوت دی اور تین سال

کہ اللہ اس قوالۂ روحی سے ان کا رخ پھیر دیا جو
میں گورنمنٹ کے فریب نے انہیں مبتلا کر رکھا تھا۔

"لہٰذا مسٹر مجسٹریٹ! زیادہ سے زیادہ سزا جو
دی جا سکتی ہے مجھے دے دو، مجھے ذرا بھی اضطراب نہ ہوگا۔"

گاندھی جی نے اس بیان کے بارے میں کہا کہ "مولانا کا یہ
بیان تحریکِ آزادی کی تاریخ میں بے مثال، ولولہ انگیز اور
حوصلہ ساز ہے۔ اس بیان سے ہم نے ہندوستان کی جنگِ آزادی
نصف سے زیادہ جیت لی ہے۔"

مولانا ۱۹۲۰ء میں رہا ہونے تو تحریک عدم تعاون
کی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔

۱۹۲۳ء میں انہیں کانگریس کا صدر منتخب کیا گیا،
کانگریس کی ساری تاریخ میں وہ سب سے کم عمر صدر تھے۔

۱۹۲۳ء میں مولانا نے خطاب کیا تھا:

" اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور دہلی
کے قطب مینار پر کھڑے ہو کر اعلان کر دے کہ سوراج ۲۴
گھنٹوں کے اندر مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہندوستان ہندو مسلم
اتحاد سے دست بردار ہو جائے تو میں سوراج سے دست بردار
ہو جاؤں گا۔ کیوں کہ اگر سوراج کے ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ
ہندوستان کا نقصان ہوگا لیکن اگر ہمارا اتحاد جاتا رہے تو یہ عالمِ انسانیت
کا نقصان ہے۔" ۱۹۲۳ء میں مولانا کو کانگریس کا صدر چنا گیا تھا۔

ء اس سال بعد دوسری مرتبہ انہیں صدارت دی گئی۔

۱۹۴۰ء میں کانگریس کے سالانہ اجتماع رام گڑھ میں صدر کانگریس کی حیثیت سے مولانا نے جو خطبہ صدارت پڑھا وہ تاریخی اعتبار سے اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں مولانا نے مسلمانوں کی حیثیت پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

"ہم ہندوستانی مسلمان ہندوستان کے آزاد مستقبل کو شک و بے اعتمادی کی نظر سے دیکھتے ہیں یا خود اعتمادی اور ہمت کی نظر سے؟ اگر ہم اپنے مستقبل کو خود اعتمادی اور ہمت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو پھر ہماری راہ عمل بالکل صاف ہو جاتی ہے، یہاں آکر شک، تذبذب، بے عملی اور انتظار کی درماندگیوں کی پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتیں۔

"یقین، جرأت، عمل اور سرگرمی کا سورج یہاں کبھی نہیں ڈوب سکتا۔ ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے قومی مقصد کی راہ میں قدم اٹھائے بڑھتے چلے جائیں۔

"مسلمانوں کی مجموعی تعداد ملک میں آٹھ نو کروڑ کے اندر ہے وہ ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح معاشرتی اور نسلی تفریقوں میں بٹی ہوئی نہیں ہے۔ اسلامی زندگی کی مساوات اور برادرانہ یک جہتی کے مضبوط رشتے نے اسے معاشرتی تفرقوں کی کمزوریوں سے محفوظ رکھا ہے۔

"کیا اتنی عظیم تعداد کے لیے ایسے اندیشے جائز ہیں کہ وہ آزاد اور جمہوری ہندوستان میں اپنے حقوق و مفاد کی

نگہداشت خود نہیں کر سکے گی۔ اس نقشے میں مسلمان
کی جگہ محض ایک "اقلیت" کی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ اگر
چار صوبوں میں اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں تو پانچ صوبوں
میں انہیں اکثریت کی جگہ حاصل ہے۔ ایسی حالت میں کوئی
وجہ نہیں ہے کہ انہیں ایک اقلیتی گروہ ہونے کا احساس
مضطرب کرے۔

"میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ
مسلمان ہوں، لیکن ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں کہ
میں ہندوستانی ہوں۔ اسلام کی روح مجھے اس احساس
سے نہیں روکتی بلکہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔

"یہ سرزمین اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی ہم نے
اپنی دولت بھی اس کے حوالے کر دی اسے جمہوریت اور
انسانی مساوات کا پیام پہنچا دیا۔ تاریخ کی پوری گیارہ
صدیاں اس واقعہ پر گزر چکی ہیں، اب اسلام بھی اس
سرزمین پر ویسا ہی دعویٰ رکھتا ہے جیسا دعویٰ ہندو مذہب
کا رہا ہے۔"

۲۳۔ مارچ ۴۲ء کو لاہور میں لاکھوں مسلمانوں کے
ایک عظیم اجتماع سے مولانا نے خطاب کیا:

"میں نے ۱۸ برس کی عمر میں سوچ سمجھ کر ٹھیک
فیصلہ کیا تھا اس پر آج تک قائم ہوں، ملت کے
[illegible]

۔۔۔ جو خود کو دنیا کی ایک برتر عظیم قوم سمجھتا ہو
ہم بھی تسلیم کر لیں۔

"میں آنے والے زمانے کو کمزوری اور تذبذب سے
نہیں دیکھتا۔ عزم ہمت اور حوصلے سے دیکھتا ہوں
جو قوم اپنے آپ کو بچانے پر قادر نہ ہو اس کو تحفظات"
نہیں بچا سکتے۔ کاغذ کے پرزوں پر لکھے ہوئے تحفظات تحفظ
مہیا کر سکتے۔

"ہندوستان میں آباد دس کروڑ مسلمانوں کی حیثیت
اقلیت کی نہیں بلکہ دوسری بڑی اکثریت کی ہے۔ اور
یہ اکثریت ہندوستان کی قسمت کے تمام سیاسی و اقتصادی
و تمدنی فیصلوں میں برابر کی حقدار اور حصہ دار ہے۔
"اگر اتنی بڑی تعداد کے ہوتے
ہوئے بھی تم یہ خیال کرتے ہو کہ فنا ہو جاؤ گے، مٹ جاؤ
گے۔ تو اس کا کیا علاج کہ دس کروڑ لاشوں کو کوئی تحفظ
اور کوئی دستور نہیں بچا سکتا۔

"آل انڈیا کانگریس کی صدارت کے دوران
میں ۔۔۔ مسلمانوں نے
۔۔۔ ہیں۔

[illegible]

"مجھ سے زیادہ کوئی شخص اس بات کا خواہشمند نہ ہوگا کہ مسلمان کانگریس میں شریک ہوں لیکن مسلمانوں سے صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ معاملہ کو اس صورت میں دیکھ کر قدم اٹھانا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ نہ اٹھائیں۔ اگر کانگریس میں شریک ہونا چاہیں تو صرف اس لئے کہ انہیں اپنے اوپر بھروسہ ہے اس لئے نہیں کہ دوسروں نے انہیں بھروسہ دلایا ہے لیکن فی الحقیقت ان کی بے بسی اور بے چارگی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں خطروں اور تباہ حالیوں میں گھر گئے اور تحفظ کی راہ اس کے سوا کچھ نہ رہی اور خود ان کے اندر خود اعتمادی و ہمت کی ایک چنگاری بھی نہیں رہی جو ان کی ٹھنڈی رگوں کو گرم کر سکے۔ تو میں کہوں گا کہ ایسی زندہ لاشوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ جہاں پڑی ہیں وہیں پڑی رہیں۔

بلاشبہ میں آرزومند ہوں کہ مسلمان میدان میں آئیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ انہیں اس طرح میدان میں دیکھوں جس طرح ایک بہادر اور بے خوف آدمی میدان کا رخ کرتا ہے اپنے [illegible] سے سر اٹھا ہو، عزم و یقین سے سینہ تنا ہو [illegible] کہ وہ اس طرح میدان میں آئیں گے [illegible] [illegible]

کہ وہ میدان میں تنہا تریں، انہوں نے یہ مان لیا کہ وہ
دوسروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہی مایوسانہ ان کے
لیے سمّ قاتل ہے۔ حقوق مانگنے پڑواتے اور تحفظات
کے چشمے انہیں کوئی کام نہ دیں گے۔

"افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی بھی روح سے
ہوتی ہے۔ روح ہے تو سب کچھ ہے، روح نہیں تو کچھ
نہیں۔ جماعتی شرف و عزت کا احساس، خود اعتمادی
کا یقین، عزت و ہمت کا ولولہ، استقلال و عمل پر اعتماد
جس جماعت میں یہ روح موجود ہے وہ زندہ ہے تو زندگی
کے تمام لوازم حاصل کر کے ہی رہے گی۔

اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہو کر آزاد
ہو گیا۔ اس وقت مولانا نے کہا تھا کہ "میری ڈائری
میں صاف طور سے تحریر ہے کہ انگریز وسط ۱۹۴۸ء تک
ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔ مجھے خوشی ہے کہ
انگریز وقت سے پہلے ہندوستان چھوڑ رہا ہے وہاں
غم بھی ہے کہ بجائے غیر منقسم کے یہ تقسیم شدہ ہندوستان
ہمیں ملا۔ پاکستان بننے کے بعد جامع مسجد دہلی میں مسلمانانِ ہند
[illegible]
[illegible] کی [illegible] تمہیں آج [illegible] دے گئے ہے
[illegible] کے [illegible] شاب [illegible] تمہیں خطاب سے
[illegible] لیکن تم نے میری صدا سے
اعراض ہی [illegible]۔ تم نے [illegible] برابر کر دی۔

"انہیں لاوارث سمجھ کر تقدیر کے حوالے کر گئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر جو ابتلا آیا ہے میرے لیے اس میں کوئی نئی بات نہیں۔

"میں نے ہمیشہ کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دو۔ شک سے ہاتھ اٹھا لو بدعملی ترک کر دو۔

"یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے۔ اس پر غور کرو۔ اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ اور اپنے دماغوں کو سوچنے کے لیے آمادہ کرو۔

"مسلمان اور بزدلی یا مسلمان اور اشتعال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ چند انسانوں کے چہرے غائب از نظر ہو جانے سے ڈرو نہیں۔ انہوں نے تمہیں جانے کے لیے ہی اکٹھا کیا تھا۔

"آج انہوں نے تمہارے ہاتھ سے ہاتھ کھینچ لیا ہے تو یہ تعجب کی بات نہیں۔ یہ دیکھو کہ تمہارے دل تو ان کے ساتھ رخصت نہیں ہو گئے۔ اگر دل ابھی تک تمہارے پاس لا رہے تو انہیں اس خدا کی جلوہ گاہ بناؤ جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک امّی کی معرفت فرمایا تھا

"جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جم گئے تو پھر [illegible]
[illegible]

وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرو اور سیاست سے علیحدگی
اختیار کرو جو اکثریتی حکمرانوں کے جذبوں میں تیار شدہ ہے۔
" آؤ جھگڑا کریں کہ کس کا حق ہے ہم ان کے لئے بھی
صالح اسلام تیار کریں گے جو مغلیہ عہد آزادی کے بغیر
اور سب سے یہاں ہوں گے۔

مختصراً میرے پاس کوئی نیا نسخہ نہیں ہے۔
وہی پرانا نسخہ جو برسوں پہلے کا ہے وہ نسخہ ہے قرآن
کا یہ اعلان : ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون
ان كنتم مؤمنين ٥

ہندوستان سے پاکستان بنانے والے مسلمانوں
کا انجام مولانا کی نظروں کے سامنے تھا۔ ان کی دور رس
نگاہیں وہ کیفیت آشکارا تھی جس سے انہیں
دوچار ہونا تھا۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں لیگ کے پنجابی نوجوانوں
سے بات کرتے ہوئے انہوں نے پیشگوئی کر دی تھی:

" آپ ہندوستان چھوڑ کر جا رہے ہیں آپ نے
سوچا ان کا انجام کیا ہوگا؟ آپ کے
چلے جانے کی وجہ سے ہندوستان
میں بسنے والے مسلمان کمزور ہو جائیں گے اور
یقیناً وقت ایسا بھی آسکتا ہے جب پاکستان
کے علاقائی باشندے اپنی جداگانہ حیثیت

[illegible] بنگالی، پنجابی، سندھی

[illegible]

[illegible] پاکستان [illegible]

[illegible] ہو جائیگی؟ ہندو

آپ کا مذہبی مخالف [illegible] اور وطنی مخالف

نہیں ہے۔ آپ اسی صورت [illegible] سکتے ہیں۔

مگر پاکستان میں آپ کو کسی وقت بھی [illegible] وطنی

مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑ جائیگا جس کے آگے آپ

بے بس ہو جائیں گے۔

۱۹۵۱ء میں کہی گئی بات آج صحیح ثابت ہو گئی ہے

مشرقی پاکستان [illegible] بن گیا اور مغربی پاکستان

[illegible] ابھر رہی ہیں۔

[illegible] پنجابی،

سندھی [illegible] دست و گریبان

[illegible] ہے۔

کیا [illegible] پاکستان [illegible]

[illegible]

[illegible]

روحِ غزل (پچاس سالہ غزلوں کا انتخاب)

مرتب : پروفیسر ڈاکٹر مظفر حنفی
ناشر و تقسیم کار : انجمن روحِ ادب، سید واڑہ الہ آباد ۔ موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی
تبصرہ نگار : ڈاکٹر محبوب راہی بارسی ٹاکلی۔

دنیائے شعر و ادب میں مظفر حنفی کا نام ایک علامت بن چکا ہے۔ معیاری فکر اور انفرادیت کی شاعری ہو، تحقیق و تنقید ہو یا ترتیب و تدوین، مظفر حنفی نے جس میدان میں قدم رکھا ہے اپنی انفرادیت پسندی کے نقوش دوام ثبت کر دیئے ہیں۔ نظم ہو یا نثر ان کی تحریر کا اپنا ایک ذائقہ ہے، کچھ تیکھا، کچھ ترش لیکن چٹخارے دار۔ وہ اپنے افکار و تجربات کی ایمانی سی خوشبو، اپنے مخصوص اور منفرد اسٹائل کے سبب اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ کئی شعری مجموعوں، تحقیقی و تنقیدی کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ حنفی صاحب بیشتر نہایت کارآمد اور اہم کتابوں کے مرتب بھی ہیں۔ ان کا مرتب کردہ زیر تبصرہ مجموعہ حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے۔ آٹھ سو صفحات کی ضخامت پر مشتمل یہ بھاری بھرکم اور پر وقار کتاب دستاویزی نوعیت کی حامل ہے اور اہم بھی ہیں کہ فی الحقیقت پچاس سالہ غزل کی روح اس میں سمو دی گئی ہے۔ انجمن روحِ ادب الہ آباد (جس کے بانی سرتیج بہادر سپرو تھے) نے اپنی پچاس سالہ سالگرہ [illegible] مستند اور معتبر شاعروں [illegible]

[illegible]

آس پاس حیات تھے اور اپنی ایک مستحکم ادبی حیثیت رکھتے تھے۔ پہلا دور ۱۹۱۱ء تا ۱۹۵۵ء دوسرا ۱۹۵۶ء تا ۱۹۷۰ء تیسرا اور ۱۹۷۱ء تا ۱۹۹۱ء چوتھے دور میں ان شعرا کی غزلیں شریک کی گئی ہیں جو ان ادوار میں اپنی شناخت بنا چکے تھے۔ منجملہ ۶۹۳ میں اکسٹھ (۶۱) شعرا کی چھ چھ غزلوں کے لیے دو دو صفحے مختص کیے گئے ہیں جبکہ باقی چھ سو بتیس کی ہر صفحہ پر تین تین غزلیں شامل ہیں۔ دو دو صفحات کا استحقاق رکھنے والوں میں دور اول میں چودہ (۱۴)، دوم میں بائیس، سوم میں اکیس (۲۱) جبکہ دور چہارم میں صرف چار کی حصہ داری ہے۔ مظفر حنفی نے خود اپنے آپ کو دور سوم میں شمار کیا ہے۔

ان ۶۹۳ شعرا میں بیشتر بقید حیات ہیں تو کچھ اس دنیا سے سدھار چکے ہیں۔ ان تمام کی منتخب غزلیں یکجا کرنے کے لیے مظفر حنفی کو نہ جانے کتنی کتابیں چھاننی پڑی ہوں گی اور کتنے رسائل کی ورق گردانی کرنی پڑی ہوگی اور نہ جانے کتنے دروازوں پر دستکیں دینی پڑی ہوں گی۔ صرف فہرست کا جائزہ لینے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مرتب نے صرف بڑے مشہور، ترسیل و ابلاغ سے تعلق رکھنے والے اور ادبی مراکز سے وابستہ شعرا ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہندوستان بھر کے کونے کھدروں سے ایسے شعرا بھی کھوج نکالے جو تاہنوز گمنامی کے اندھیروں میں پڑے ہیں اور اس انتخاب میں شامل ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ ان سب کے باوجود اردو کے غزل گو شعرا جو ہر چھوٹے بڑے شہر میں سو پچاس پائے جاتے ہیں اس اعتبار سے ان کی مجموعی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں تک پہنچ سکتی ہے ان میں صرف چھ سو کا انتخاب کرنا [illegible] کا حکم رکھتا ہے۔ انتخاب [illegible] تاہم اسے مکمل نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بہت سے [illegible] فراموش کر دیے [illegible] ترتیب [illegible] کمزوریاں [illegible]۔ پھر بھی [illegible]

بشمولیت سے تجوت نہ جائے ایسی یساط بھر کوشش مرتب کر چکا ہے۔ نتیجہ میں نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ بنگلہ دیش سعودی عرب، برطانیہ، ناروے، سویڈن اور امریکہ جیسے دور دراز ممالک کے مقبول اردو شعرا کی غزلیں اس انتخاب میں شامل ہیں جس سے اس کتاب کی اہمیت و افادیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

کتاب کے ابتدائی تیرہ ۱۳ صفحات پر مظفر حنفی کا پرمغز اور مبسوط مقدمہ شامل ہے جس میں حضرت امیر خسرو کے عہد سے ۱۹۹۱ء تک غزل کے بتدریج ارتقائی سفر، عہد بہ عہد اس کے بدلتے مزاج و معیار اور حالات کے ساتھ ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیوں پر انتہائی فنکارانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے جس کی ہر سطر سے مقدمہ نگار کی تحقیقی شان اور تنقیدی بصیرت جھلکتی ہے۔ انتخاب غزلیات سے ہٹ کر بھی یہ مقدمہ اپنی جامعیت کے اعتبار سے اپنی ایک اہمیت رکھتا ہے جسے اول تا حال اردو کا غزل کا منظر نامہ کہیں تو نامناسب نہ ہوگا۔ اردو غزل کی تاریخ جاننے والوں بالخصوص یونیورسٹی کے طلبا کے لیے یہ مقدمہ بڑا کارآمد ہے۔

غزل کا جادو ہر دور میں سر چڑھ کر بولتا رہا ہے۔ زمانے کے سرد و گرم، متعلقین کی بے اعتنائی اور مخالفین کے پے بہ پے حملوں کے باوجود غزل کی دلربائی میں کوئی فرق نہ آیا۔ مظفر حنفی نے اپنے مقدمے میں ان حقائق کا تذکرہ نہایت مدلل انداز میں کیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

"ہر دور میں چاہے وہ ترقی و اطمینان کا دور رہا ہو، مثلاً شاہان دکن یا نوابین اودھ کے زمانے، خواہ بدامنی اور انتشار کا عہد ہو جیسے ۱۸۵۷ء کی افراتفری۔ غزل ہر دور میں سرسبز و شاداب نظر آتی ہے۔ مولانا حالی، عظمت اللہ خاں، کلیم الدین احمد، جوش ملیح آبادی، ظ۔ انصاری اور دوسرے بہت سے قد آور اہل قلم

نے اس کی ضخامت بھی کی اور اس پہ طرح طرح کے انتخابات بھی شائع کئے لیکن غزل کی روز افزوں مقبولیت کو کوئی کم نہ کر سکا۔

فلیپ پر آل احمد سرور اور انجمن کے سکریٹری سید عبدالکریم کی آراء بھی ہیں۔ مرتب مظفر حنفی کے ایک منفرد اور ممتاز شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی تنقیدی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے اس انتخاب کو اس دور کا نمائندہ انتخاب ہونے کی یقین دہانی کی گئی ہے۔ اندرونی صفحات پر سید عبدالکریم صاحب کی رقم کردہ انجمن روح ادب کی پچاس سالہ روداد ہے۔

اس سے قبل غزل کے کئی انتخاب شائع ہو چکے ہیں لیکن پیچ پیچ چھپے تو "روح غزل" جیسا جامع، مستند اور بسیط انتخاب پہلی بار منظر عام پر آیا ہے کہ اس میں روایتی (کلاسیکی) ترقی پسند اور جدید تینوں رنگ اور آہنگ کے نمائندہ شعراء کی منتخب غزلیں بیک وقت مل جاتی ہیں جن سے حالات کے ساتھ ساتھ ادب کے بدلتے ہوئے رجحانات اور نظریات کا پتہ ملتا ہے۔

مظفر حنفی کے اعتراف اور اعتذار کے باوجود غزل گویوں کے سوانحی اشاروں کی کمی بہرصورت کھلتی ہے۔ ضخامت میں اضافہ سے بچنے کے لئے ایک ایک غزل کم کی جا سکتی تھی۔

آٹھ سو صفحات کی ضخامت کے ساتھ ساتھ مشمولات کے پیش نظر اس کتاب کی اہمیت و افادیت کے مقابلے میں اس کی قیمت تین سو روپے کچھ زیادہ نہیں لگتی مختصر یہ کہ "روح غزل" کا ایک نسخہ ہر "لائبریری" ہر تعلیمی ادارے اور ہر صاحب ذوق کے پاس ہونا ناگزیر ہے۔

محمد ظہیر الدین صابری
لیکچرر بغدادیہ

زیست سے تنگ ہو داغ

زیست سے تنگ ہو اے داغ تو جیتے کیوں ہو
جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں

حضرت داغ کے اس شعر پر بات کرنے سے پہلے آیئے ہم یہ دیکھیں کہ وہ خود اپنے اشعار کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ سنئے۔

پسند آئے ہم کو بھی اشعار داغ ؂ زباں پاک و شستہ، بیاں صاف صاف

انہوں نے علی الاعلان یہ کہہ دیا ہے۔

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

اور اپنے اندازِ بیان کی انفرادیت کا بھی انہیں پورا پورا احساس تھا۔ کہتے ہیں۔

وہ سن کر داغ کے اشعار بولے ؂ خدا جانے یہ بولی ہے کہاں کی

اللہ اللہ ری تری شوخیٔ بیانی اے داغ ؂ سست اک شعر نہ دیکھا ترے دیوان میں بھی

زبان کی چستی اور طرزِ ادا کی چنچلی کے ساتھ داغ کے اشعار میں تخیل کی کارفرمائی بھی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں۔

کوئی چھوٹی ہر اک شعر میں ہے بات ضرور
جناب داغ کے اشعار دیکھے بھالو

اور حضرت جوش ملیح آبادی کہتے ہیں۔

اے جوش کب سے کام جناب داغ ؂ وہ شاعری نہیں جو حیات آفریں نہ ہو

چنانچہ اس پس منظر میں زیر عنوان شعر پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت داغ نے اس شعر میں فلسفۂ حیات بیان کیا ہے، ایک ایسی حقیقت جس سے اختلاف کا کسی کو یارا نہیں ہے، کہتے ہیں زندگی سے تنگ ہیں لیکن جی رہے ہیں، زندگی پیاری بھی نہیں ہے اور اس سے کنارہ کشی گوارہ بھی نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ سوال کر کے داغ نے یہ بتایا ہے کہ زندگی کے ساتھ درد و غم کو ملا دیا گیا ہے اور اس میں ایک ایسی لذت پیدا کر دی گئی ہے کہ زندگی پیاری بھی نہیں ہے مگر اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتے۔ عرفی نے کہا

اے متاعِ درد در آرام جاں انداختہ
گوہرِ ہر سود در جیبِ زیاں انداختہ

فطرت نے زندگی کے آرام کے ساتھ درد کی دولت بھی انسان کو عطا کی ہے اور ہر نقصان کے ساتھ فائدہ کا گوہر بھی لازم و ملزوم کر دیا گیا ہے۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

اسی غمِ ہستی کے بارے میں غالب کہتے ہیں۔

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

فانی زندگی کو "دیوانے کا ایک خواب" سمجھتے ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر نفس عمرِ گزشتہ کی ہے میت فانی ۔ زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

اور

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

عرفی کہہ گئے ہیں کہ ہر بلا جو آسمان سے آتی ہے، عرفی ہی کے گھر کا پتہ پوچھتی ہے تا

اُسی کو اپنا تختِ مشق بنائے۔

غالب بھی کہتے ہیں : ہو گئیں غالب بلائیں سب تمام

ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

اور پھر لکھتے ہیں : زندگی اپنی جو اس حال سے گذری غالب

ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے ،

مگر عجیب کام فطرت کا ہے جو کرنا ہی پڑتا ہے : نہیں چاہتا ہے جی مرنا ، مگر مرنا ہی پڑتا ہے

زندگی درد و غم سے عبارت ہے مگر اس درد میں ایسی لذت ہے کہ بقولِ داغ

جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں

فارسی شعر ہے : روز می گویم کہ فردا ترکِ ایں سودا کنم

چوں بہ فردا می روم باز فردا می کنم

روز یہ کہتا ہوں کہ کل سے زندگی کے اس بکھیڑے کو ختم کردونگا ۔ لیکن جب کل آتا ہے تو پھر یہ کہتا ہوں کہ کل اس سے نجات حاصل کرونگا ۔ گویا کل کا ارادہ کرتا ہوں اور اسے پھر کل پر ٹالتا رہتا ہوں ، کبھی کل آج نہیں ہوتا اور زندگی گذرتی رہتی ہے ۔

زندگی حرکت ہے ، جمود موت ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

زندگی اور ادب کا تعلق ایک مسلمہ بات ہے ، شاعر اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالتا ہے اور اپنی رنگینیِ بیانی سے شعر کہہ کر اپنی بات میں اثر پیدا کرتا ہے ۔

" شاعرِ رنگیں بیاں " " جیلہ بینائے قلم " ہے

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ

کس [illegible] سے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

شاعر اپنے وقت کا ترجمان ہوتا ہے۔ معاشرہ کی تدریجی ترقی اور ذہنی انحطاط کے ساتھ ساتھ شاعری بھی ترقی اور انحطاط کی منزلیں طے کرتا ہے۔ شاعر زیادہ حساس ہونے کے سبب "ستم ہائے روزگار" کو زیادہ شدت سے محسوس کرتا ہے۔ "تسکین ترے خیال سے غافل نہیں رہا" کے مصداق "چکی کی مشقت" کے ساتھ "مشقِ سخن" بھی جاری رکھ سکتا ہے۔

میر وقت کی زوال پذیری اور پستی و انحطاط کو یوں بیان کرتے ہیں:

ہمیشہ روتا، کڑھتا، سینہ کوبی ہر زماں کرتا
ہوا قانع کیا دل کے مرے ماتم نے دنیا کو

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

سودا کے مطابق، فکرِ معاش، عشقِ بتاں، یادِ رفتگاں ۔ دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

درد کہتے ہیں: کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل ۔ ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہے گا شکستہ دل

اور زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ۔ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اسی زوال پذیر زندگی سے فرار و گریز کی کیفیت ذوق سے سنئے۔

اے ذوق ہوش گر ہے تو دنیا سے دور بھاگ
اس مے کدے میں کام نہیں ہوشیار کا

اور ظفر کہتے ہیں: مرا حال قابلِ دید ہے نہ تو آس ہے نہ امید ہے
مری کشت کے سر تیں رہ گئیں میں ان حسرتوں کا مزار ہوں

لیکن ان حالات میں بھی شاعر کے پیش نظر ایک مقصد ہوتا ہے۔ غالب اپنی ذات و آلام کو بھول سے گذر کر عام انسان کی غریبی اور بیچارگی کو تا ہیں پر آنسو بہاتے ہیں۔

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند ۔ کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے ۔ اب کسے رہنما کرے کوئی

غالب جانتے ہیں کہ غم مقدر ہے کہتے ہیں

غم اگرچہ جانگسل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے
غم عشق اگر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا

ساتھ ہی غم عشق کی نعمتوں کا یوں اظہار کرتے ہیں :

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یہاں
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں

اقبال تسلیم کرتے ہیں کہ انسانی زندگی غم والم سے خالی نہیں ہے لیکن ساتھ ہی ان کا یہ ایمان ہے کہ زندگی میں جو مشکلیں اور الجھنیں ہیں ان کا مقابلہ کرنے میں ہی زندگی کا لطف ہے، وہ زندگی میں تگ و دو اور کوشش و جدوجہد کا پیام دیتے ہیں۔

ہر اک مقام سے آگے گذر گیا مہ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو

اور تگ و دو بھی وہ شیر کی چاہتے ہیں، بھیڑ بکری کی نہیں۔

زندگی راچیست رسم و دین و کیش ؟
یک دم شیری بہ از صد سال میش !

زندگی کی رسم اور دین اور مذہب کیا ہے ؟ شیر کی ایک پل کی زندگی بھیڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ .

زندگی ارتقا کے ذریعہ بڑھتی اور وسعت حاصل کرتی ہے، رواں دواں تنگ حرکت کے ساتھ آگے بڑھتی اور ترقی کرتی ہے۔ انقلاب اس کی جوانی کا اعادہ کرتا ہے، زندگی کی جوانی انقلاب اور تبدیلی سے منسلک ہے، حرکت زندگی ہے

زندگی کا تسلسل ہے، زندگی کی جوانی کا تسلسل ہے، لہٰذا داغ نے جو سوال کیا ہے کہ

زیست سے تنگ ہوئے داغ تو جیتے کیوں ہو؟

اس کا جواب اقبال کے الفاظ میں یہ ہے کہ اس لئے جیتے ہیں کہ

جاوداں، پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی

اور جان پیاری بھی نہیں، جان سے جاتے بھی نہیں۔ کہہ کر داغ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

داغ کا شعر ایک مرتبہ اور دیکھئے!

زیست سے تنگ ہوئے داغ تو جیتے کیوں ہو!
جان پیاری بھی نہیں، جان سے جاتے بھی نہیں

بقیہ صفحہ ۱۶

آبادی اس گھناؤنے فن سے بیزار ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ایسے طبقات سے میل جول بڑھائیں۔ یہ ایک نادانی کی بات ہے کہ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ چند مندروں کو مسمار کر کے بدلا لے لیا، مگر ہم ان شریف اہل وطن کی ہمدردیاں کھو دیں گے جو ملک کی سیکولر طاقت کے لئے ایک قیمتی اثاثہ ہیں۔ نفرت اور عداوت ذہنوں میں پیدا ہوتی ہے۔ امن و محبت ہی سے یہ قلعے مسمار کیے جاسکتے ہیں۔

بابری مسجد کا حادثہ رحمت خداوندی کی ایک نشانی ہے جس کے ذریعہ للکار کر کہہ رہے ہیں کہ ابھی وقت ہے، جاگ جاؤ، یہ صرف آنے والے طوفان کا ایک اشارہ ہے۔ محض اندھے جوش و جذبے سے تم اپنا ہی بگاڑو گے۔ اگر اب بھی تمہارا کچھ پروگرام اور پلان نہیں ہے تو بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب

"تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں"

○ غم رحلت عابد خوش صفات

وہ اک چراغ بجھ گیا

ہر انجمن میں جو لٹا رہا تھا اپنی روشنی!
ہر ایک بزم جسکی تابشوں سے رشک طور تھی
دکن کی سرزمیں تھی جس سے کہکشاں بنی ہوئی

وہ پھول اب نہیں رہا

تھی جسکے دم سے جاذب نظر چمن کی آب و تاب
روش روش تھی جسکی لطف باریوں سے فیضیاب
جو رنگ و بو میں ہر طرح تھا بے نظیر و لاجواب

وہ ایک شخص چل بسا

نہاں تھا جسکی شخصیت میں اک عجیب بانکپن
سدا [illegible] اردو کی فروغ کاری میں مگن
وجود جس کا اصل میں تھا پاسبانِ علم و فن

بہا ہے غم چلا گیا

چلا گیا وہ ایک عابد خلیق خوش صفات
خلوص و آشتی کی پیکر حسیں تھی جس کی ذات
صحافت و ادب کو جس نے بخشی ہے نئی حیات

خدائے پاک ذوالجلال اُس کی مغفرت کرے
[illegible] خلد میں اُسے سکون دائمی ملے

ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ

غزل

مجھ کو مرغوب ہے اے خدا روشنی
کر مرے فکر و فن کو عطا روشنی

لحظہ لحظہ ہے مجھ کو اسی کی تلاش
کچھ نہیں چاہیے ماسوا روشنی

زخم پر زخم دے تازہ تازہ مجھے
تاکہ پھیلا سکوں جا بجا روشنی

گوشہ گوشہ پہ ہے حکمراں تیرگی
جانے کیوں ہو گئی ہے ہوا روشنی

ہم نے اک عمر کی صرف اس کے لیے
ہم سے پوچھو کہ ہوتی ہے کیا روشنی

چھین لیتی ہے آنکھوں سے بینائیاں
جب بھی بڑھتی ہے بے انتہا روشنی

آگہی نے تو کچھ اور بھٹکا دیا
یہ اگر روشنی ہے تو [illegible] روشنی

ایسا ہی منشاؔ ہوتا ہے [illegible]
[illegible]

شاداب

۱۷۴

جون ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر محمد نشاط الرحمٰن خان نشاط

غزل

کیا بتائیں کیا ہوا کیا کام باقی ہے ابھی
قرض ہستی کتنا اپنے نام باقی ہے ابھی

جان ہے جب تک کمی جو کچھ ہیں اس کے ساتھ ساتھ
سر سلامت تن نیا الزام باقی ہے ابھی

ہم نے مانا لطف جینے میں ذرا آتا نہیں
کم سے کم جینے کا تو ابہام باقی ہے ابھی

جیسے تیسے دن گزرنے کو تو گزرا ہے مگر
خیر ہو یارب بلائے شام باقی ہے ابھی

لوگ کتنے ہو گئے تیغ ستم سے جاں بحق
پھر بھی وہ کہتے ہیں قتل عام باقی ہے ابھی

یہ تو ظاہر ہے نہیں کچھ ناامیدی کا مقام
جب تلک ہم ہیں وفا کا نام باقی ہے ابھی

ہر زباں پر امن کے دعوے تو ہیں نشاط مگر
سینۂ عالم میں اک کہرام باقی ہے ابھی

ڈاکٹر منشاالرحمن خاں منشا

غزل

کوچہ کوچہ خونیں منظر کب تلک
ہوگا برپا محشر سا کب تلک

ہونگے پیوستِ رگ جاں بے سبب
نفرتوں کے تیر خنجر کب تلک

پابکجے پہ ناروا ظلم و ستم
زندگانی ہوگی دوبھر کب تلک

آدمی کی کج خیالی کے طفیل
رنج و غم کا شور گھر گھر کب تلک

دل کہاں تک یوں گے وقفِ دردوکرب
آنکھیں اگلیں گی سمندر کب تلک

ساز و سامانِ طرب ہوتے ہوئے
لطفِ ہستی نا میسر کب تلک

اہل شر کا کھیل بنتا جائے گا
ہم غریبوں کا مقدر کب تلک

منشاؔ ان ناگفتہ بہ حالات سے
ہیں گلے بستہ مقدور کب تلک

○

کالوجی راؤ پرساد

بھاگیہ نگر

پریم بنیاد اُس نگر کی پریم نے اس کو بسایا
پریم ہی نے پُل بنا کر دو کناروں کو ملایا
آسماں اوپر سے اُترا مرتبہ اپنا بھلا کر
اور دھرتی نے بھی اپنی خاکساری کو بھلایا
دھول میں سے جوہری نے ایک ہیرے کو نکالا
تاج سا کر کے نگینہ اس کی رونق کو بڑھایا
حُسن کی کرتا رہا وہ تا دیر دلداری قلی سی
اک مثالی شاہ بن کر راج کاج اپنا چلایا
ہم نے لاکھ اس کو بگاڑا پھر بھی سندرتا ہے قائم
ہے یہ برکت بھاگ متی کی جس کا روپ اس نے پایا

ہمسفر

عزیز صادق
صدر کاروان ادب حیدرآباد

ہمسفر بننا میرا، آساں نہیں
ظلم اپنے آپ پر مت ڈھائیے
میری منزل میری راہوں کا مزاج
آپ سے ہرگز نہ سمجھا جائے گا
مر جائیں گے مگر نازک قدم
یہ حسیں منظر نہ دیکھا جائے گا
اچھا ہے ابھی سے رک جائیے
ظلم اپنے آپ پر مت ڈھائیے

پیار افسانہ نہیں سچائی ہے
اور سچائی سدا ہے تلخ تیاگ
تیاگ کی راہوں میں کب بھٹکے ہیں لوگ
یہ وہ راہیں ہیں جہاں ہے خوفناک
آگ سے دامن کو نہ جھلسائیے
ظلم اپنے آپ پر مت ڈھائیے

ہم کہ دنیا کی نظر میں ایک ہیں
کب تلک لیکن اداکاری کریں
اور پرچھائیں کے پیچھے دوڑ کر
کب تلک احساس کو مجروح کریں
اپنی سیماؤں کو تو پہچانیے
ظلم اپنے آپ پر مت ڈھائیے

شاداب ۱۹۷۵ء

۵۱
تضمین
بر غزل ڈاکٹر مجیب راہی

○

اچھا نہیں کہ شکوۂ حالات کیجئے
دل پر ہجوم غم کی عنایات کیجئے
اب زندگی کو نذرِ خرابات کیجئے
"پھر جیسے چاہے وضعِ ملاقات کیجئے
دنیا سمجھ سکے جو وہی بات کیجئے"

جلتا ہوا چراغ بجھانا جو شرط ہے
بے نور راستے کو بنانا جو شرط ہے
مجھ کو مری نظر سے گرانا جو شرط ہے
"مجھ سے مری انا کو مٹانا جو شرط ہے
مجھ پر نوازشات کی برسات کیجئے"

ہیں آپ غوطہ زن تو سمندر کھنگالئے
اک زخم اور دیجئے نشتر سنبھالئے
دیوار و در پہ نام کی عظمت اچھالئے
"چن چن کے عیب غنچہ و گل میں نکالئے
توصیفِ سنگ و خشت کی دن رات کیجئے"

بجھنے لگے ہیں حق و مساوات کے دیئے
انصاف و عدل میں نہیں مربوط سلسلے
یوں لوگ کر رہے ہیں زمانے میں تجربے
"مردانگی کے کیجئے پیہم مظاہرے
ہنگامے، توڑ پھوڑ، فسادات کیجئے"

○

خالد رحیم
منی ساہو محلہ
بخشی بازار، کٹک ۷۵۳۰۰۱
(اڑیسہ)

نشاط صاحب ۵۴

شعبدے

[illegible]
۵۰-۸۲۱۳

یہی تو شعبدے ہیں جن پہ ہم اپنا گزارا کرتے آتے ہیں
یہ سب اپنا ہی تو لادا ہوا انبار ہے سر پر
ہمیں نے تو جکڑ رکھا ہے اپنے آپ کو
ان زنگ آلودہ سی کانٹے دار زنجیروں کے حلقے میں
ہماری بند آنکھوں پر اترتے ہیں
صحائف آسمانوں سے
ہوئے جسم پر کاڑھے ہوئے سب نقش
ہم کو زیب دیتے ہیں
ہماری گندگی غازے کے پردوں سے بھی اکثر جھانک لیتی ہے.

یہ سب بیوپار چلتا ہے
یہی بس روز و شب بہروپ سجتے ہیں
یونہی بہروپیے بن بن کے ہم اک دوسرے کا دل لبھاتے ہیں
کب اپنی ساخت کو پہچان پاتے ہیں.
ہوا کے صاف آئینے میں خود کو دیکھتے کب ہیں
سنہری شام کے رخسار کو چوما کبھی ہم نے ؟
ابھرتے سرخ سورج کی شعاعوں کے
چمکتے لمس کی لذت چکھی ہم نے ؟
ہم اپنے آپ کو جھٹلاتے رہتے ہیں
ہم اپنے ہی رچائے شعبدوں میں
بٹ کے خود بھی شعبدے سے ہو گئے ہیں.

غزل

سید بشارت علی

رُکوں تو کیسے، کہ سایہ غبار میں کب ہے
بڑھوں، تو ذوقِ سفر رہگذر میں کب ہے

بدلتے سانچوں میں ڈھلتا ہوا گزرتا ہوں
مرا وجود مرے اختیار میں کب ہے

یوں لمحہ، روز، مہینہ، برس، صدی کہہ لو
حیات شام و سحر کے شمار میں کب ہے

افق سے تا بہ افق ہے، اگر سمیٹ سکو
مرا وجود بدن کے حصار میں کب ہے

ذرا سا چھیڑ کے تو خود ہی آزما لے مجھے
نہ سوچ، شعلہ نہاں اس شرار میں کب ہے

بگاڑ خود کو، کہ کھل جائے اصلیت تیری
یہ چاند تیرے بناؤ سنگھار میں کب ہے

یہی بہت ہے مجھے راحت، مجھے اذیت دے
بدن میں پھیرتے خنجر، یہ انتشار میں کب ہے

[illegible]
[illegible] جو انتظار میں کب ہے

غزل، سحر سعیدی

بہت ہے فاصلہ اب پیش و پس میں
بدل جاتے ہیں دل دو اک نفس میں

نہ دل زندہ نہ جذبوں میں صداقت
نہیں وہ جوش آوازِ جرس میں

نہیں کچھ دل میں ایماں کی حرارت
پڑا ہے آج کا انساں ہوس میں

سکوں گھر میں مجھے کب تھا میسّر
بہت آرام سے ہوں اِس قفس میں

نہ جانے کب سُلگ اُٹھے یہ بستی
بناؤ گھر نہ تم خاشاک و خس میں

دھواں بن جائے گا منظر یہ سارا
ہے اب تک آنکھ کی جو دسترس میں

بہت خوں ریز تھا سالِ گزشتہ
خدا محفوظ رکھے اِس برس میں

[illegible]
نہیں کچھ بھی [illegible]

عزیز بھارتی
[illegible] حیدرآباد

"دیار دل کی راہ میں چراغ سا جلا گیا"

طرحی غزل

ترے پتے کی چاہ میں مرا اتہ پتہ گیا
سمندروں میں بوند کا، وجود جوں سما گیا

وہ ایک عکس ہی سہی، وہ اک خیال ہی سہی
نظر سے دور ہو کے بھی، مری نظر میں آگیا

عجیب واقعہ ہے یہ، عجیب حادثہ ہے یہ
مرے ہی گھر کا راستہ، کوئی مجھے دکھا گیا

ابھی ابھی تو آئی تھی مرے چمن میں صبح نو
ابھی سے کوئی زندگی کی، شام لے کے آگیا

وہ جس کے نام مدح کی تھی، میں نے مسکراہٹیں
وہ میرے تمام آنسوؤں کو، کس طرح لکھا گیا

یہ فلسفہ ہے عشق کا، اسے نہ کھیل چاہیے
جو خود کو قید کر لیا، وہی نجات پا گیا

وہ وقت دیکھے [illegible] مرے ہی سامنے کوئی
[illegible] ہو کر [illegible] گیا

طرحی غزل

صلاح الدین نیر

مہاجروں کے بھیس میں ہر ایک ملنے آ گیا
زمین اپنی چھوڑ کے وہ شخص کیا چلا گیا

کب اک مقام پہ رہا جنوں پسند آدمی
زمیں تنگ جب ہوئی تو آسماں پہ چھا گیا

عجیب فاقہ مست تھا کہ ملک اپنا چھوڑ کر
قلندروں کی بزم سے وہ اٹھ کے پھر چلا گیا

خموش تھا تو حادثوں کی فکر کب کسی کو تھی
وہ مسکرایا اس طرح کہ لب کو پھر ہلا گیا

دراز دستی بڑھ گئی تو میرے ہاتھ کٹ گئے
گناہ گار میں ہوا کسی کا اسمیں کیا گیا

جنوں کی بستیوں میں جا کے جشن پھر منائیے
بھٹکنے والا پھر کسی کو راستہ دکھا گیا

کہاں ہو نیر غزل! کیوں اس طرح سے چل دیئے
ہوا کا ایک جھونکا جیسے آیا اور چلا گیا

طرحی غزل

رئیس اختر

وہ شخص جو تسلیوں کے نقطے لے کے آگیا
کچھ اور میرے ذہن کی اداسیاں بڑھا گیا

یہ کون میری راہ کا رفیق بن کے آگیا
جو پھول تھے وہ چن لئے جو خار تھے بچھا گیا

یہ کرب یہ اذیتیں یہ ظلم یہ قیامتیں
زمانہ جیسے پتھروں کا لوٹ کر پھر آگیا

وہ جس کی بزم ناز میں جلے تھے خون بن کے ہم
وہی مرے مکان کا ہر اک دیا بجھا گیا

اب اس کے بعد اے خدا کہاں تلک میں جاؤں گا
تلاش جس کی تھی مجھے وہ گھر قریب آگیا

وہ دور جو کہ شاخ گل سے کھیلتا تھا کل تلک
وہ دور آج برچھیاں ہر ایک کو تھما گیا

غزل کی آبرو رہی اسی سے کچھ بچی ہوئی
جگر کے خون سے رئیس شعر جو لکھا گیا

رئیس مجھ سے چھوٹ کر بتاؤ اس کو کیا ملا
وہ دن بدن بھٹک کے بھی مرے ہی گھر میں آگیا

طرحی غزل

صادق نوید

وہ ایک لمحہ زندگی کا، زندگی پہ چھا گیا
شعورِ وقت جاگ اٹھا تو انقلاب آ گیا

سفر کا لطف ہمخیال ہمسفر کے ساتھ ہے
بچھڑ گیا جو ہمسفر، سفر کا سب مزا گیا

جواب کوئی بن پڑا نہ جب مرے سوال کا
نظر جھکا کے رہ گئے، انہیں حجاب آ گیا

زمانہ وقت ہے تو پھر سزائے وقت دیکھئے
سنبھل نہ پائے آج تک کچھ اس طرح نچا گیا

کبھی نہ ہٹ سکے قدم صراطِ مستقیم سے
ہر ایک گام پر زمانہ ہم کو آزما گیا

کبھی تو ہم میں تم میں بھی خلش رہی بلا سبب
تھا جس کا ڈر وہی ہوا، جو کچھ ہوا، بھُلا گیا

نوید اب علاجِ دل کریں تو کیا کریں!
دوائے دل جو بیچتا تھا وہ کہیں چلا گیا

طرحی غزل ______ اکمل حیدرآبادی

گرا ہی گیا جو وہ چراغ دوستی بجھا گیا
بھلا لگا تو آ گیا، بُرا لگا چلا گیا

نظر کا انتخاب تھا کوئی کسی کو بھا گیا
مزاج کے جو در کھلے لگا فریب کھا گیا

کچھ ایسی تیز دھوپ تھی جھلس رہے تھے راستے
دھنک سی شوخ اوڑھنی وہ راہ میں بچھا گیا

تھکے تھکے سے حوصلے اداس اداس بام و در
وہ ایک یاد آ گیا تو بام و در سجا گیا

وہ ایک اشکِ بے بسی جو تیری آنکھ سے گرا
وہی چراغِ راہ تھا جو حوصلے بڑھا گیا

اے اہلِ بزم کیا کریں، یہیں رہیں کہ چل پڑیں
جو بے رُخی دکھا گیا بہت قریب آ گیا

شکستِ ترکِ عشق سا وہ معترف نہیں تو کیا
ثبوتِ ربطِ عشق ہے گو جو لب پہ آ گیا

حسینِ عہدِ عاشقی تمازت پہ لکھا ہوا
بجرمِ موجِ آب جو نہ پڑھ سکا مٹا گیا

تمام دوستوں کو ہم "بڑے ہو تم" کہا کیے
بجرمِ دوستاں اٹھا اور آئینہ دکھا گیا

جناب اکمل آپ کی غزل ادھوری رہ گئی
[illegible] گیا

یاسمین تاج

طرحی غزل

وہ کون تھا؟ جو روشنی بکھیرتا چلا گیا
دیارِ ظلمتوں کی راہ میں چراغ سا جلا گیا

نہ جانے اپنے دوست کو یہ کون ورغلا گیا
کہ وہ بھلا ہو کے بھی "خلاف" برملا گیا

وہ نکتہ سنجیاں کہاں، وہ دور ہی چلا گیا!
وہ ذوق و شوقِ شاعری، وہ جوش، ولولہ گیا

اِدھر ذرا لخت بحر ہے اُدھر ہے تنگ قافیہ!
غزل کہوں میں "طرح" میں، وہ دیکھئے بھلا گیا

مرے قریب یک بیک، وہ آ گیا جو بیٹھنے
رقیب تلملا اٹھا، حریف جو کھلا گیا

ملال ان کی کچھ خبر، نہ خود ہی آیا لوٹ کر
گیا تو بس چلا گیا!! "یہ نامہ بر؟ بھلا گیا!

وہ تلخیٔ صعوبتیں، گئیں وہ سب مصیبتیں
خدا کا شکر ہے کہ اب وہ سخت مرحلہ گیا

دلِ ادا شناس کو ذرا سنبھال کے رکھو
ملی جہاں ذرا نظر، کہ قلب مبتلا گیا

"تشو" دلنے تلاش میں تو دیر کی نہ ہے ڈھونڈتی
کہاں وہ شیام چل دیا؟ کدھر وہ سانولا گیا؟

محال ہے کہ اب کوئی حسین سا شجیع ہو
وہ صبر کا مجسمہ! وہ شیرِ کربلا گیا

تمہارے میرے درمیاں ہے اک خلیج بےکراں
وہ ربط ضبط اب کہاں! وہ سب تعلق گیا

"چلے گئے" "چلے گیا" صحیح دونوں ہی نہیں
درست ہے، جو یوں کہو "چلے گئے" "چلا گیا"

کبھی تھے ہم بھی خوش گو، مشاعروں میں سرخرو
وہ "لے ترنم آفریں" وہ سوز، وہ گلا گیا

ہے قلبِ تاجؔ مطمئن کہ آئے سرخوشی کے دن
خرد کی کشمکش گئی، جنوں کا غلغلہ گیا

وہ تاجؔ! تھا تو خوبرو۔ مگر بڑا ہی تند خو
بچھڑ گیا وہ حسینہ، وہ شوخ، چنچلا گیا

مومن خاں شوقؔ

طرحی غزل

نگاہ و دل کا فاصلہ وہ اس طرح گھٹا گیا
نظر سے جب ملی نظر وہ رازِ دل سُنا گیا

مری اُداسیوں میں کوئی آکے مسکرا گیا
کہ سونی سونی شاخ پہ نیا وہ گُل کھلا گیا

بجھے چراغ جل گئے کہ چاندنی سی کھل اُٹھی
وہ مسکراہٹوں کے پھول چار سُو بچھا گیا

وہ جب تلک رہا ہمارے ساتھ زندگی رہی
مگر وہ کیا گیا کہ زندگی کا لطف ہی چلا گیا

مری حیات نے دیئے ہیں زخمِ دل کچھ اس طرح
میں زندگی کے نام ہی سے آج تھرتھرا گیا

جھلک دکھا کے چھپ گیا ہے جب سے اجنبی کوئی
کہ جستجوئے شوق کو کچھ اور بھی بڑھا گیا

محمد قمرالدین صابری

طرحی غزل

حدیقۂ خیال میں یہ کون گل کھلا گیا
نشیب سے فراز تک نیا چمن بسا گیا

وہ جس کے دم قدم سے تھی رہِ حیات نور نور
چھوڑ کے مجھ کو یک بیک جانے کدھر چلا گیا

وہ کون ہوگا اہلِ دل نورِ سراپا بن کے جو
دیارِ دل کی راہ میں چراغ سا جلا گیا

کرم کرم کی اک صدا دلِ حزیں سے اٹھتے ہی
کوئی مجھے خوشی کی جاں فزا خبر سنا گیا

ایسے لطیف ڈھنگ سے آئی ہے آج اس کی یاد
خانۂ دل میں چار سو رنگِ سرور چھا گیا

تابِ نظر کا امتحاں ہونے کو ہوگیا مگر
پرتوِ حسنِ روئے یار اپنا اثر دکھا گیا

ہجر کی وہ لطافتیں خواب و خیال ہوگئیں
آپ کا قرب فاصلہ اور بھی کچھ بڑھا گیا

قمر قمر تبھی ہوا ملی جو روشنیٔ مہر
چشمۂ آفتاب اسے عکسِ ضیا بنا گیا

شاداب بک کلب

- اُردو کتب و رسائل خرید کر پڑھنے اور ہر ماہ کچھ نہ کچھ اس مد پر خرچ کرنے کی عادت ڈالنے کے لئے "شاداب بک کلب" قائم کیا جا رہا ہے۔
- شاداب بک کلب کی رکنیت فیس =/25 روپے ہوگی۔
- ہر رکن کو سالانہ (=/500) روپے کی کتب و رسائل خریدنے ہونگے۔ یہ رقم وہ پیشگی جمع کروائیں گے یا ہر ماہ =/50 روپے پیشگی ادا کریں گے
- مکتبہ شاداب کی مطبوعہ کتب پر 25% ڈسکاونٹ دیا جائے گا۔
- دیگر کتب پر 10% ڈسکاونٹ دیا جائے گا۔
- کتب کی فہرست مکتبہ پر موجود رہیگی اور منتخب کتب کی فہرست "شاداب" میں چھپتی رہے گی۔
- ہر رکن کو اپنی پسند سے انتخاب کا حق حاصل ہوگا
- مکتبہ شاداب میں غیر موجود کتب کی خواہش پر انہیں حاصل کر کے فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔
- اگر کوئی رکن سال کے ابتدائی دس ماہ تک =/500 روپے کی کتب فراہم کرنے کی خواہش نہ کریں تو ادارہ اپنی پسند کی کتب روانہ کریگا۔

شاداب کا اگلا شمارہ

"حیدرآبادی شعراء نمبر"

① یہ خصوصی نمبر تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت 120 روپے رکھی گئی ہے۔

② یہ ضخیم نمبر عام خریداروں کو معمولی زر تعاون میں سربراہ کیا جائے گا۔

③ نمبر میں گم ہونے کی صورت میں دوبارہ نہیں بھجوایا جائے گا۔ اس لیے (۱۵) روپے ذریعہ منی آرڈر وصول ہونے پر یہ شمارہ ذریعہ رجسٹری بھجوایا جائے گا۔

④ جن شعرائے کرام کا کلام اس شمارے میں شریک ہے۔ وہ ایک سال کا زر تعاون روانہ فرما کر ایک سال تک شاداب کے ساتھ یہ شمارہ بلا معاوضہ حاصل کر سکتے ہیں رجسٹری سے حاصل کرنے کی صورت میں (۱۰) روپے زائد روانہ فرمائیں۔

⑤ نئے خریداران دو سال کا زر تعاون معہ خرچہ رجسٹری روانہ فرمائیں تو دو سال تک شاداب کے ساتھ یہ خصوصی شمارہ بلا معاوضہ روانہ کیا جائے گا۔

⑥ دیگر خواہشمند صرف اس خصوصی نمبر کو ذریعہ نمبر حاصل کرنا چاہیں۔ تو صرف (۱۰۰) روپے روانہ فرمائیں۔ اس ڈسکاؤنٹ کے علاوہ خرچہ رجسٹری بھی ادارہ برداشت کریگا۔ اور شمارہ ذریعہ رجسٹری روانہ کیا جائے گا۔

⑦ یہ خصوصی نمبر دفتر شاداب سے (۱۰۰) روپے میں اور دیگر بک اسٹالوں سے 100/- روپے میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اُردو ادبی مذاکرے اور رسمِ اجراء نمبر

ماہنامہ
شاداب
جلد (۱۰) شمارہ (۱۲)
دسمبر ۱۹۹۲ء
قیمت : =/6 روپیہ

مینجنگ ایڈیٹر	جائنٹ ایڈیٹرز	ایڈیٹر
محمد نہال احمد صدیقی	مومن خان شوق رشید الدین	محمد قمر الدین صابری

زرِ تعاون

ہندوستان سالانہ	65 روپے ۲ سال	120 روپے	تاحیات 1500 روپے
خلیجی ممالک ؍	200 ؍	؍ ؍ 360 ؍	؍ 3700 ؍
امریکہ ؍	40 ڈالر ؍	؍ 70 ڈالر	؍ 700 ڈالر
انگلستان ؍	25 پونڈ ؍	؍ 45 پونڈ	؍ 400 پونڈ
پاکستان ؍	175 پاکستانی روپے	300 پاکستانی روپے	؍ 3000 پاکستانی روپے

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ "شاداب" 147 - 5 - 11 ریڈ ہلز حیدرآباد

• ایڈیٹر پرنٹر پبلشر محمد قمر الدین صابری نے نیشنل ٹائن پرنٹنگ پریس کیلئے پبلک انڈرس چتہ بازار میں چھپوا کر دفتر "شاداب" 147 - 5 - 11 - ریڈ ہلز حیدرآباد اے۔ پی سے شائع کیا۔

فہرست

حرفِ اوّل

اُردو ہندوستان کی زبان ہے۔ یہیں پیدا ہوئی، پلی، بڑھی اور پروان چڑھی۔ آج بین الاقوامی زبان بن چکی ہے اس بحث میں پڑے بغیر کہ اردو ہندوستان کے کس علاقے میں پیدا ہوئی۔ بلا خوفِ تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد دکن ہر دور میں اُردو کی ترویج و ترقی کا گہوارہ رہا ہے دہلی اپنے زمانے میں اردو کا مرکز رہا۔ وہاں سے اسے دیس نکالا ملا۔ لکھنؤ مرکز بنا، وہاں سے تو اردو کی جڑیں ہی کاٹ دی گئیں اور وہ اردو کے لئے ایک دیارِ غیر بن چکا ہے لیکن حیدرآباد دکن نے ہمیشہ اردو کے لئے اپنی آغوش وا رکھی۔ وَلی اور سراج نے اسے شاعری کی شیرینی دی۔ تو دکن کے صوفی، سنتوں نے اسے تصوف کی زبان بنایا اور جامعہ عثمانیہ نے اُسے اعلیٰ سائنسی و تکنیکی تعلیم کے قابل بنایا اور ایک اعلیٰ ترقی یافتہ زبان کے روپ میں اُردو دنیا کے سامنے آئی۔

پچھلے سالوں میں اُردو پر ایک کٹھن دور سے گذر رہی تھی کہ حیدرآباد کے اُردو ادبی و علمی ادارے سامنے آئے اور انہوں نے جدوجہد شروع کی یوں تو گذشتہ کئی برسوں سے حیدرآبادی انجمنوں کے ماہانہ طرحی و غیر طرحی مشاعرے اردو کی ترویج و ترقی میں اپنا حصّہ ادا کر رہے ہیں۔ اب گذشتہ چند مہینوں سے اِن انجمنوں نے اپنے ادبی اجلاس، سمینار وغیرہ منعقد کرنا شروع کیا ہے اِن میں اُردو کو درپیش مسائل اور ان کے حل پر غور و فکر کے مذاکروں کے ساتھ ساتھ اردو ادیبوں اور تخلیق کاروں کا خیر مقدم اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے اور اردو کتب کی رسم اجرا و رونمائی بھی کی جاتی ہے ان جلسوں اور تقریبوں کا اچھا اثر مترتب ہو رہا ہے اور اردو کا کارواں آگے بڑھ رہا ہے اردو روزناموں میں ان سرگرمیوں کی رپورٹنگ ہو رہی ہے انکی افادیت کو اور بڑھانے کے لئے "شاداب" نے طے کیا کہ انہیں یکجا کر کے "اردو ادبی مذاکرے و رسم اجرا نمبر" اپنے قارئین کے لئے پیش کرے۔ اس بارے میں قارئین کی رائے کا انتظار رہے گا۔

ادبی تنظیم "میرا شہر میرے لوگ" کا افتتاح

"میرا شہر میرے لوگ" نو تشکیل شدہ ادبی و تہذیبی انجمن کا ایک ایسا نام ہے جو حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب، لسانی ہم آہنگی تہذیبی روایات محمد قلی قطب شاہ اور بھاگ متی کی لافانی محبت میں آباد اس شہر محبت کی اعلیٰ روایات کی ترجمانی کرتا رہے گا۔ جناب صلاح الدین نیر نائب صدر قابل مبارکباد ہیں۔ ان خیالات کا اظہار سرپرست "میرا شہر میرے لوگ" ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے "میرا شہر میرے لوگ" کا افتتاح کرتے ہوئے کیا۔ صدارت ڈاکٹر موہن لال نگم سابق ڈائرکٹر سالار جنگ میوزیم نے کی جبری مارٹن النسٹی ٹیوٹ میں ۲۶ ستمبر کو ۷ بجے شام منعقد ہوا جس میں مہمانان خصوصی کی حیثیت سے مسٹر خلیل الرحمٰن ایم پی اور خواجہ کمال الدین سرپرست بزم عثمانیہ (جدہ) نے شرکت کی ابتداء میں جنرل سکریٹری میرا شہر میرے لوگ جناب صلاح الدین نیر نے تعارفی تقریر میں کہا کہ اس انجمن کی تشکیل جدید خاص طور پر ترقی پسند رجحانات کی توسیع، عصری حسیت، انسانی اور تہذیبی اقدار کی ترویج کے تحفظ کے علاوہ لسانی ہم آہنگی اور مختلف طبقات میں یکجہتی کے جذبہ کو فروغ دینے کے لئے کی گئی ہے مثبت اقدار کے حامل اپنے رفقائے کار کے علاوہ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، ڈاکٹر سید عبدالمنان اور جناب زاہد علی خاں مدیر

سیاست کی سرپرستی حاصل ہے محفل کے مہمان خصوصی جناب خلیل الرحمٰن ایم پی نے کہا کہ قومی یکجہتی کا تصور اس پر عمل آوری سرکاری سطح پر کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن غیر سرکاری انجمنوں کے ذریعہ بھی جذبہ یکجہتی کو فروغ دینا ملک کی صحیح خدمت ہے محفل کے ایک اور مہمان خصوصی جناب خواجہ کمال الدین (جدہ) نے کہا کہ ہم نے جدہ میں جب بزم عثمانیہ کی بنیاد ڈالی تو اس بزم کے بانیوں میں سلیجھے ہوئے اور متحرک عثمانین نے بھرپور تعاون دیا۔ جس طرح میرا شہر میرے لوگ سے وابستگان کی فہرست ظاہر کرتی ہے۔ بزم عثمانیہ جدہ کی جانب سے میں اس انجمن کی تشکیل جدید کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں ڈاکٹر موہن لال نگم نے کہا کہ جس انجمن سے مجھے صلاح الدین نیر اور نہپال سنگھ ورما کا تعلق رہا ہے یقین کامل ہو تا ہے کہ وہ انجمن ذی وقار، بامقصد اور پابندی سے چلنے والی انجمن ہے صحیح وقت پر صحیح انجمن کا سرگرم عمل ہونا ایک خوش آئند بات ہے۔ جناب رئیس اختر اور ڈاکٹر صادق نقوی نے بھی مخاطب کیا۔ فوری بعد ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی زیر صدارت مشاعرہ منعقد ہوا۔ جناب میر احمد خسرو مہمان خصوصی تھے۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی، امیر احمد خسرو، ڈاکٹر موہن لال نگم، صلاح الدین نیر، نہپال سنگھ ورما، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، نامر کرنولی، برق یوسفی، صادق نوید، عزیز جارتی، ڈاکٹر اندو وششٹ، ڈاکٹر ایلیا مشرا، سلطانہ جبیں، شرف الدین، تاباں سلطانہ عزیز النساء صبا، سومن خاں شوق، منان منظور، اثر غوری، شفیع اقبال، گیان سنگھ شاطر، افضل تسلیم، ڈاکٹر منیر الزماں منیر، قمر الدین صابری، ڈاکٹر حسن، محمود تشنہ، الطاف صمدانی، کلیم الحق، عزیز ابرار، محمود شریف محمود، ساقی الوالب عزیز ناگپوری اور سے حس الہ آبادی نے منتخب کلام سنا کر داد تحسین حاصل کی جناب صلاح الدین نیر نے مشاعرہ کی کاروائی چلائی۔ جناب نہپال سنگھ ورما نے شکریہ ادا کیا۔

ادب میں نظریاتی اختلاف

(مذاکرہ زیر اہتمام میرا شبیر میرے لوگ کا افتتاح)

ترقی پسندوں نے ادب میں اس قدر اضافہ کیا ہے کہ کسی اور زمانے میں اتنا اضافہ نہیں ہوا۔ جدیدیوں کی تخلیقات میں الجھاؤ ہے جدید افسانہ پڑھتے ہوئے مجھے مزہ نہیں آتا۔ لیکن جدیدیوں میں چھٹ کر کچھ تخلیقات باقی رہ گئے ہیں۔ ادب میں جدیدیوں نے بھی غلو کیا اور ترقی پسندوں نے بھی، ادب میں بے شمار نظریے ہیں نظریاتی اختلافات کے بغیر ادب میں تنوع پیدا نہیں ہو سکتا چاہیے وہ ترقی پسند ہو کہ جدید ادب اس کو زمانے کے ساتھ چلنا چاہیے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر سراج الدین نے میرا شبیر میرے لوگ کے زیر اہتمام ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ پر ۴، اکتوبر کو ساڑھے چھ بجے شام منعقدہ مذاکرہ کی صدارتی تقریر میں کیا۔ یہ مذاکرہ "ادب میں نظریاتی اختلافات" کے موضوع پر ہوا۔ صدر انجمن جناب رحمٰن جامی نے مذاکرہ کی پیش رفت کے لئے مقررہ موضوع پر ایک جامع مضمون پڑھا اس موضوع پر مبصرین کی حیثیت سے ڈاکٹر علی احمد جلیلی صلاح الدین نیر رئیس اختر مہیپال سنگھ شاطر صادق نوید اور عزیز بھارتی نے اظہارِ خیال کیا جلسے کے آغاز سے قبل زلزلہ کی حالیہ تباہ کاریوں اور ہزاروں جانوں کے نقصان پر قرارداد تعزیت پیش کی گئی جنرل سیکریٹری انجمن جناب صلاح الدین نیر نے انجمن کی تشکیل جدید اور اس کے طریقۂ کار اور اس کی سرگرمیوں پر اپنی تعارفی تقریر میں روشنی ڈالی جناب رحمٰن جامی نے اپنے مضمون میں کہا کہ مولانا حسرت موہانی

ایسے ترقی پسند شاعر تھے جنھوں نے اعلان کیا تھا۔ کہ اگر کمیونزم میرے مذہب کو برداشت نہیں کرتا تو اس کمیونزم کو میرا سلام ایسے کمیونزم اور ایسی ترقی پسندی سے میرا کوئی تعلق نہیں میں پہلے مسلمان ہوں اور بعد میں کمیونسٹ اور ترقی پسند۔ جناب رحمٰن جامی نے ترقی پسندی اور جدیدیت میں بنیادی فرق کے بارے میں ممتاز نقادوں کی رائے پیش کی بقول ڈاکٹر محمد حسن جدیدیت فرق کے باطن سے واسطہ رکھتی ہیں۔ اور منفی اور لمحاتی زاویہ اپنائیں بقول شمس الرحمٰن فاروقی ترقی پسندی اور جدیدیت دو سے کٹر پسند نظریات ہیں جو آپس میں کبھی نہیں ملتے ڈاکٹر قمر رئیس کی رائے صحیح جدیدیت ہی نہیں ترقی پسندی ہے ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے کہا کہ ادب میں کوئی نظریات نہ ہوں تو ادب بہترین ادب کہلانے کا مستحق نہیں سمجھا جاتا ہر دور میں اچھا ادب تخلیق ہوا ہے لیکن ایسا ادب جو کھوکھلے ابہام منفی رجحانات اور بے زاویہ کا حامل ہوں وہ ادب میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر جدت میں صالح اقدار ہو تو اس ادب کا زندہ رہنا یقینی ہے جناب صلاح الدین نیر نے کہا کہ ترقی پسند ادب لہٰذا جدیدیت میں بڑا تزاد ہے یہ بات تسلیم شدہ ہے کلاسیکل ادب ہی ترقی پسند ادب اور جدیدیت کا سنگ میل ہے ترقی پسندوں نے کلاسیکل ادب کا احترام کرتے ہوئے چراغ جلاد یئے اچھا ادب خلاؤں میں پیدا نہیں ہوتا تنہائی کا دم بھرتے ہوئے کب تک تنہا رہا جاسکتا ہے تنہائیوں کی باتیں تو کی جاتی ہیں۔ لیکن تنہا نہیں رہا جاسکتا ایسے شاعروں اور ادیبوں کو زندگی میں اور ان کی تخلیق عمل میں زمین آسمان کا فرق ہے ہر اس ادب کی مذمت کی جانی چاہیئے جو اخلاق سوز اور انسانیت سوز ہو تاکہ نقصان پہنچانا چاہتا ہو۔ جناب رشید اختر نے کہا کہ کلاسیکل ادب ترقی پسند ادب اور جدیدیت اپنا اپنا الگ رنگ رکھتی

ہیں۔ تسلسل کے باوجود تخلیقی عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں تنزل ہے میری رائے میں اچھا ادب وہ بھی ہے جس کو خاندان کا ہر فرد بلا جھجک پڑھ سکے پاکیزہ ادب معاشرے کی جان ہوتا ہے جناب گیان سنگھ شاطر صادق نوید اور عزیز بہاروی نے بھی اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہوئے گفتگو کو آگے بڑھایا۔ اردو ہندی ادب میں مختلف ادوار کی تبدیلیاں بیان کیں مذاکرہ کے بعد محترمہ شہیدی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور امیر احمد خسرو مہمانان خصوصی تھے۔ جنھوں نے اپنے بہترین کلام سے داد تحسین حاصل کی ان کے علاوہ مسرز صلاح الدین نیر رئیس اختر رحمٰن جامی، بھوپال سنگھ ورما صادق نوید گیان سنگھ شاطر عزیز بہاروی سلطانہ شرف الدین، نایاب سلطانہ حسن فرخ اثر غوری شفیع اقبال خان منظور پرشوتم پرشانت منیر الزماں منیر افضل تسلیم قدیر انصاری ذاکر حسن اور ڈاکٹر رشید الحسن نے کلام سنا کر داد پائی ادب دوست اصحاب کی کثیر تعداد نے معتمد انجمن جناب رئیس اختر نے ادبی اجلاس میں اور مشاعرہ کی کارروائی چلائی اور شکریہ ادا کیا۔

(بقیہ قوارت تعلیم بالغان)

بہت ہے۔ اردو کی تعلیم میں بڑی کم جرأت جا رہی ہے جناب محمد اسحٰق نے بڑی محنت سے مضمون لکھا ہے کہ یوں تو ہمارا انہوں نے درس و تدریس کے میدان میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے اور آج بھی علمی و ادبی مصروفیات میں زیادہ سے زیادہ وقت گذارتے ہیں۔ میں اسحاق صاحب کے کارناموں کو پسند کرتا ہوں۔ ادبی اجلاس کے فوراً بعد مشاعرہ ہوا جس میں ممتاز شعراء کرام نے اپنا اپنا کلام سنایا معتمد انجمن جناب قدیر انصاری کے شکریہ پر یہ محفل اختتام کو پہنچی

توارث، تعلیم اور ماحول

اردو مجلس کا اولین اجلاس و مشاعرہ ۱۵ر اکتوبر کو ۶/۳۰ بجے شام اردو ہال حمایت نگر میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت جناب سید ہاشم علی اختر سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ نے کی جبکہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل جناب پروفیسر جعفر نظام نے شرکت کی اس اجلاس میں جناب محمد اسحاق نے اپنا مضمون توارث، تعلیم اور ماحول پیش کیا ابتداء میں جناب رحمٰن جامی صدر اردو مجلس نے خیر مقدمی و تعارفی تقریر کی۔

اس اجلاس میں حالیہ زلزلہ کی تباہ کاریوں اور ہزاروں انسانوں کی اموات پر اظہار افسوس کیا دو منٹ کی خاموشی منائی گئی۔ جناب محمد اسحاق نے توارث تعلیم اور ماحول کے موضوع پر تفصیلی مضمون پڑھا جو معلومات آفریں تھا جسے شرکائے محفل نے پوری توجہ کے ساتھ سنا جناب ڈاکٹر عبدالمنان اور صادق نوید نے بھی مخاطب کیا۔ ڈاکٹر منان نے کہا کہ اردو تعلیم کے لئے ہمیں پہلے ایک ایسا ماحول بنانا چاہیے پروفیسر جعفر نظام نے کہا کہ گجرال کمیشن کی رپورٹ آج بھی برف دان میں ہے۔ اردو کے ساتھ انگریزی اور مقامی زبان بھی سیکھنا چاہئے اردو ذریعہ تعلیم سے بڑے بڑے ڈاکٹرس، انجینئرس، دانشور اپنا ایک خاص مقام بنا چکے ہیں۔

صدر جلسہ جناب سید ہاشم علی اختر نے کہا کہ اردو والوں کو اولاً اپنا جائزہ لینا چاہیے افسوس اس بات کا ہے کہ اردو کی تعلیم کا معیار بہت (صفحہ ۶ پر)

ادب میں منفی رویہ

ایک ادیب ذاتی طور پر اپنی منفی تحریروں کے ذریعہ معتوب و مطعون ہوسکتا لیکن اس کو سماجی گنہگار نہیں ہونا چاہیے جو قلمکار اپنی تخلیقات کے ذریعہ اپنے منفی طرز و فکر اور انتشار پسند رویہ سے معاشرے میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کرتا ہو وہ نہ صرف ادب کے ایوان میں قابلِ بازپرس ہوتا ہے. بلکہ سماج کی قاہرانہ نظر کی زد سے بچ نہیں سکتا ادب میں منفی رویہ ایک ایسا زود اثر زہر ہے جو سارے معاشرے کو زہریلے اثرات سے ناکارہ بنا دیتا ہے لیکن اس کو کیا کیجئے کہ بعض شاعر و ادیب اپنی ذہنی پستی اور ایک جست میں سارے ادبی حلقوں کو متوجہ کرنے کے لئے اپنے قلم کی حرمت کو بے آبرو کردیتے ہیں ان خیالات کا اظہار ممتاز دانشور ڈاکٹر صادق نقوی ریڈر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ نے اپنی صدارتی تقریر میں کیا جنہیں مرکز ادب کے زیر اہتمام ۱۶ ،اکتوبر کو ۷ ،بجے شام دفتر شاداب ریڈ ہلز پر منعقدہ ادب میں منفی رویّہ کا مذاکرہ کی صدارت سونپی گئی تھی۔ اس گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے صدر عصری ادب جناب صادق نو[illegible] نے کہا کہ ایسے شاعر و ادیب یا ادبی حلقے جو ادبی معیارات تہذیبی اقدار کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آپ کو انتشار پسند اہلِ قلم سے وابستہ کرتے ہیں۔ ان کے ایسے رویہ کو ناپسند کیا جانا چاہیے بعض اہل قلم سستی شہرت اور پبلک جھپکتے ہی ادبی حلقوں میں آنے کے لئے کہ ایسی مسموم ناقابل قبول غیر شائستہ پست عریاں اور اخلاق سوز تحریروں کا سہارا آزادی قلم کے بہانے سہارا لیتے ہیں

انہیں سارے ادبی حلقے انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں. ایسے انتشار پسند ادیب وشاعر چاہے دنیا کے کسی حصہ میں کیوں نہ ہو ان کی مذمت کی جانی چاہیے جناب صلاح الدین نیر نے کہا کہ مہذب معاشرہ میں سانس لینے والے دانشوروں باشعور شاعروں اور ادیبوں کو نہ صرف ادبی اخلاقی اقدار کی پاسداری کرنی چاہیے بلکہ سماج کی بہتری کے لئے اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو بھی محسوس کرنا چاہیے ہر مذہب نے اخلاقیات مساوات اصول پسندی دیانت داری رواداری اور انسانی و تہذیبی قدروں کے تحفظ کی تلقین کی ہے اگر کوئی اہل قلم یہ کہتے ہوئے کہ اس کو آزادی تحریر کا حق حاصل ہے اپنی بنیادی اقدار سے ہٹکر اپنے اسلاف کی صالح روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر متوقع اور چونکا دینے والے نظریہ حیات ادب کو پیش کریں تو اس کی انتشاری کیفیت کے بارے میں غور کیا جانا چاہیے چونکہ اہل قلم ہر دور میں دقیقہ وقیقہ انسانی تہذیب کیلئے ایک سوالیہ نشان بنتے جارہے ہیں۔ جناب رئیس اختر نے کہا کہ ایسا ادب تخلیق کیا جانا چاہیے جس کو خاندان کا ہر فرد پڑھتے ہوئے خوشی محسوس کریں گندی تحریروں کو آرٹ اور ادب عالیہ سمجھنے والے اہل قلم ادب کی بد خدمتی کر رہے ہیں۔ جس طرح معاشرہ میں اصلاح کی ضرورت ہے اسی طرح قلمکاروں کے نظریہ فکر وادب میں صالح رجحانات کی تلقین ضروری ہے حال حال میں بعض ایسی کتابیں بھی دیکھنے کو ملی ہیں جن کے بارے میں خود مصنف کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ ایسا ادب جو اچھی خاصی اہل فضا اور اچھے خاصے تہذیبی ماحول کو فراصندہ کریں اسکو نظر انداز کرنا چاہیے جناب گوہر کریمنگری نے بھی پُر زور الفاظ کے ذریعہ ادب میں منفی رویّہ کی مذمت کی ابتداء میں نائب صدر مرکز ادب جناب قمر الدین صابری

نے شعروادب میں مثبت و منفی رویّہ کے بارے میں تفصیلی طور پر اظہار خیال کیا صدر مرکز ادب جناب عزیز بھارتی نے قارئین اور حیدرآبادی تقریر میں کہا کہ ہم نے یکسانیت میں تنوع کی خاطر مختلف موضوعات میں مذاکرہ کے لئے پیش رفت کی ہے ادب کی عام سرگرمیوں سے ہٹکر ادب کے مختلف موضوعات اور حل طلب مسائل پر اظہار خیال کے لئے ایسے جلسے افادی پہلو رکھتے ہیں۔ معتمد مرکز ادب جناب مومن خان شوق نے نظامت کے فرائض انجام دیئے مذاکرہ کے فوراً بعد ممتاز غزل گو شاعر سعید شہیدی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔ جناب امیراحمد خسرو اور گوہر کریمنگری مہمان خصوصی تھے۔ مشاعرہ جناب سعید شہیدی امیراحمد خسرو کے علاوہ صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، صادق نوید عزیز بھارتی، مومن خان شوق قدیر انصاری گوہر کریمنگری شفیع اقبال قمرالدین صابری، ممتاز صابری وغیرہ نے کلام سنایا جناب مومن خان شوق نے کارروائی چلائی اور شکریہ ادا کیا۔

سلسلہ صفحہ ۱۶۔

اردو کو مٹنے سے بچانا ضروری ہے ورنہ ہماری تہذیب مٹ سکتی ہے انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان اردو ہی ہے جناب خلیل الرحمٰن ایم پی خواجہ معین الدین، سید مسعود جعفری، خواجہ محی الدین ایڈوکیٹ نے مخاطب کیا۔ جناب صادق نقوی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اردو میں علمی کام کا فقدان ہے اردو کو صرف تمدن کی زبان کے بجائے روزگار کی زبان بنانے میں علمی کام ہی وقت کا تقاضہ ہے جناب ایس۔ ایم تعلقدار نے بھی تقریر کی جناب عارف الدین نے شکریہ ادا کیا۔ تقریب کا اہتمام نیوز ٹرسٹ آف انڈیا کی جانب سے کیا گیا تھا

امریکہ میں اردو کیلئے ہمہ جہتی کام

ہندوستانی نژاد و دانشور جناب شاہد اسحاق چیرمین ٹوئنٹی ون سنچری و پروڈیوسر ڈائرکٹر "رنگین محفل" شکاگو، امریکہ کا آج سرسید ہال مدینہ ایجوکیشنل سنٹر، باغ عامہ روڈ پر عمائدین شہر کے ایک اجتماع میں پرزور استقبال کیا گیا۔ ڈاکٹر صادق نقوی ریڈر شعبہ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی نے صدارت کی مسٹر خلیل الرحمن ایم پی مسٹر علی بن شمسی، چیرمن کونکن مرکنٹائیل بینک (بمبئی) مسٹر عبدالکریم خاں، صدرنشین اقلیتی کمیشن مسٹر خواجہ معین الدین صدرنشین سٹ ون مسٹر کے ایم عارف الدین سکریٹری مدینہ ایجوکیشنل گروپ مسٹر خواجہ محی الدین ایڈوکیٹ جناب خواجہ حسن الدین احمد ایڈیٹر آندھرا پردیش اردو مہمانان خصوصی تھے۔ ابتداء میں مسٹر عارف الدین سلیم ایڈیٹر نیوز ٹرسٹ آف انڈیا نے تعارفی تقریر کی مسٹر طالب خوندمیری نے خیر مقدم کیا مسٹر شاہد اسحاق نے اپنے توسیعی لکچر بعنوان "امریکہ میں اردو اور مسلمان" کے دوران کہا کہ امریکہ میں اردو کاز کے لئے کئی ایک ادارے بڑی محنتوں سے اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لئے کام کر رہے ہیں

خود انہوں نے (شاہد اسحاق) دس سال پہلے امریکی ریڈیو پر ایک پروگرام "رنگین محفل" شروع کیا تھا۔ جس کی مقبولیت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ ٹیلی ویژن کے باوجود ریڈیو پروگرام کو بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا جاتا ہے انہوں نے کہا کہ وہ 21st سنچری موویز کے ذریعہ اردو زبان اور

اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں مسٹر شاہد اسحاق نے بتایا کہ امریکہ میں جو ادارے اردو اور مسلمانوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان میں C.C.M، M.C.C. اور اسلامی فاونڈیشن وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی تعلیمات کا خزانہ اردو زبان میں ہی دستیاب ہے مسٹر شاہد اسحاق نے اپنے وطن حیدرآباد سے محبت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ بانی شہر حیدرآباد فرخندہ بنیاد اور اس کی گنگا جمنی تہذیب پر ایک دستاویزی فلم اور آڈیو کیسٹ تیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جس میں حیدرآباد کی تہذیب کو پروان چڑھانے جن اخبارات اور ان کے روح رواں شخصیتوں نے اہم رول ادا کیا ہے خاص توجہ دی جائے گی مسٹر شاہد اسحاق نے بتایا کہ اردو سے چاہت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک و ریاست حیدرآباد کے حالات اور تہذیب کی اخبار "سیاست" کے ذریعہ واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ امریکہ میں شاعرے ادبی محفلیں مختلف موضوعات پر اجتماع کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے جو کافی حد تک سود مند ثابت ہو رہا ہے مسٹر شاہد اسحاق نے کہا کہ اردو کی خدمت کرنے والوں میں جناب حسن چشتی اقبال اختر وغیرہ کا نمایاں رول ہے مسٹر شاہد اسحاق نے کہا کہ اقوام متحدہ نے اپنے عالمی سروے میں اردو کو دنیا کی سب سے شیریں زبان قرار دیا ہے انہوں نے کہا کہ اردو کو کسی خاص مذہب کے ماننے والوں سے جوڑا نہیں جا سکتا۔ مسٹر عبدالکریم خان نے دانشوروں کو اردو کاز کی "رزق" ترقی کے لئے آگے آنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اردو والوں پر ہی اردو کی بقاء اور ترقی و ترویج کی ذمہ داری ہے مسٹر علی ایم شمسی چیرمین کونکن مرکنٹائیل بنک (بمبئی) نے کہا کہ (بقیہ صفحہ ۱۲ پر).

مرزا شکور بیگ کے ساتھ ایک محفل

جامعہ عثمانیہ کے طالب علموں میں جناب مرزا شکور بیگ مرزا سب سے زیادہ قابل قدر ہیں یہ بڑے ہی ذہین طنز و مزاح کے پرگو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے لطیفے بھی بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔ جنہیں ایک کتاب کی شکل دی جانی چاہئیے۔ ان کے اشعار سے ہر محفل میں رونق رہتی ہے ان خیالات کا اظہار صدر محفل جناب سید ہاشم علی اختر سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی و مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ۱۷، اکتوبر ۹۲ء مکتبہ شاداب کے زیر اہتمام جناب مرزا شکور بیگ کے ساتھ ایک محفل بمقام مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ باغ عامہ حیدرآباد میں کیا۔ ابتداء میں ڈائرکٹر مکتبہ شاداب جناب مومن خان شوق نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ چیرمین مکتبہ شاداب جناب قمرالدین صابری نے کارروائی چلائی انہوں نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں محترم مرزا شکور بیگ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ظفرالحسن نے "ذکر یار چلے" میں لکھا ہے۔ کہ جامعہ عثمانیہ نے اپنے اپنے رنگ کے دو شاعر پیدا کئے مخدوم محی الدین اور مجانی جان (یعنی مرزا شکور بیگ) دس پندرہ سال تک مرزا صاحب حیدرآباد کی ادبی شعری اور ثقافتی محفلوں پر چھائے رہے قدردانوں کے اصرار پر 1962ء میں ایک مختصر شعری مجموعہ "ترانے" شائع کیا جو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا جناب محمد قمرالدین صابری نے اس موقع پر پروفیسر ابوظفر عبدالواحد

کا لکھا مضمون " مرزا شکور بیگ " پیش کیا ۔ ممتاز صحافی جناب محبوب حسین جگر صاحب (جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ سیاست) مہمانِ خصوصی نے اپنے خطاب میں کہا کہ جناب مرزا شکور بیگ نے سابق ریاست حیدرآباد کے عروج و زوال کو دیکھا ہے حیدرآباد کی تقسیم سے پہلے اور بعد جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ۔ اس کی عکاسی اِن کی شاعری میں ملتی ہے مرزا صاحب ادب کا بہت بڑا اہم حصّہ ہیں ۔ یہ نہ صرف طنز و مزاح کے اچھے شاعر ہیں ۔ بلکہ بہت اچھے مضمون نگار بھی ہیں ۔ ہم سب نے ان کی مزاحیہ شاعری کی طرف توجہ نہیں کی ۔ ادارہ مکتبہ شاداب کو میں مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایک اچھا اقدام کیا ہے مرزا صاحب ادب کی ، سماج کی تہذیب کی خدمت کر رہے ہیں ۔ ان کے خطوط و کلام کی اشاعت کا بھی اہتمام ہونا چاہئے ۔ دوسرے مہمان خصوصی پروفیسر ڈاکٹر حبیب ضیاء صاحب صدر شعبہ اردو ویمنس کالج نے جناب شکور صاحب کے مزاحیہ مضامین کے بارے میں تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ آج کل پھکڑپن کا دور دورہ ہے " سنجیدہ طنز و مزاح مشکل سے قارئین کے پلے پڑتے ہیں مرزا صاحب کے یہاں نکھرا ستھرا دل پر اثر کرنے والا مزاح ملتا ہے جناب رشید الدین ڈپٹی ڈائرکٹر دارالترجمہ نے جناب شاہد صدیقی مرحوم کا لکھا مضمون " شعر مرزا " سنایا جناب مرزا شکور بیگ نے اپنی مزاحیہ شاعری کا آغاز اور دیگر واقعاتِ زندگی کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح سے بھرے بے شمار اشعار سنا کر محفل کو زعفران زار بنا دیا ۔ مرزا صاحب نے کہا کہ " مجھے دو شعر کہنا پسند ہے اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ دو شعروں میں پوری ہو جاتی ہے ۔ ڈائرکٹر شاداب نہال احمد صدیقی نے آخر میں شکریہ ادا کیا ۔

"خلشِ نارسا" کی رسمِ اجراء

ہمیں اس بات کا سنجیدگی سے جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے شاعروں کو کُل ہند سطح پر کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے اور کیوں اِن کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں کی جاتی۔ حالانکہ ہمارے شہر کے شاعر معیار کے اعتبار سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ دراصل باہر کے شاعروں کی گروہ بندیوں نے اس صورتحال سے دوچار کیا ہے مجھے مسرت ہوتی ہے یہ دیکھ کر کہ ہمارے شہر کی مختلف انجمنیں اپنی اپنی سطح اور اپنے طریقہ کار سے زبان و ادب کی بہترین خدمات انجام دے رہی ہیں۔ میں شفیع اقبال کو مبارکباد دیتا ہوں کہ دیر سے ہی انہوں نے "خلشِ نارسا" کے نام سے ایک اچھے مجموعہ کلام کی اشاعت سے شعری ادب میں اضافہ کیا ہے۔ اِن خیالات کا اظہار جناب محبوب حسین جگر جائنٹ ایڈیٹر روزنامہ سیاست نے "خلشِ نارسا" کی تقریب رسمِ اجراء ۲۰، اکتوبر ۷ بجے شام مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں بصدارت ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش منعقد ہوئی جبکہ بحیثیت مہمانانِ خصوصی جناب ایم باگا ریڈی ایم پی نے شرکت کی۔ مقررین میں سرز مصلح الدین نیّر بھوپال سنگھ ورما ڈاکٹر طیب انصاری شامل ہیں جناب رئیس اختر معتمد تقریب و مشاعرہ تھے۔ ابتداء میں جناب رئیس اختر کنوینر تقریب نے اپنا تقریر میں کہا کہ ایسے شعر و ادب کو نظر انداز کیا جانا چاہیے جو منفی رویہ کا شکار ہوتے ہوئے جنسیات اور اخلاق سوز مضامین کی شکل

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

اُردو اخبارات کی تعداد

مسٹر نوراللہ خاں انفارمیشن آفیسر (اردو) پریس انفارمیشن بیورو دہلی نے آج بیان کیا کہ ملک بھر میں آندھرا پردیش کو اردو اخبارات کی تعداد کے لحاظ سے دوسرا مقام حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں ہندی انگریزی کے بعد اردو اخبارات کثیر مقدار میں شائع ہوتے ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد (2120) ہے مسٹر نوراللہ خاں آج صبح کانفرنس ہال دفتر پی آئی بی لکڑی کا پل پر اُردو اخبارات و جرائد کے ایڈیٹرس کے ایک خصوصی اجلاس سے خطاب کر رہے تھے جس کی صدارت مسٹر آر۔ آر۔ راؤ انفارمیشن آفیسر نے کی مسٹر نوراللہ خاں نے اس موقع پر اردو اخبارات سے متعلق حکومت کی پالیسی و دیگر امور پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا مسٹر نوراللہ خاں نے اُردو ٹیلی پرنٹر سروس کے بارے میں کہا کہ ایشیاء میں پہلی بار یو این آئی کی جانب سے اردو سروس کا آغاز کیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ صرف ۱۱۱ اخبارات ہی اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ چھوٹے اخبارات اس کے چارجس ادا کرنے کے متحمل نہیں ہیں۔ پی ٹی آئی کے علاقائی دفاتر میں جہاں اردو اخبارات کی زیادہ اشاعت ہوتی ہے وہاں اردو ٹیلی پرنٹر سروس شروع کی جائے تو اس سے چھوٹے اخبارات زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں۔ مسٹر نوراللہ خاں نے کہا کہ پی آئی بی کی جانب سے حکومت کے ترقیاتی پروگراموں فیچرس اور مضامین کو کمپیوٹر [illegible] کیا جا رہا ہے۔

انہوں نے کہا کہ اس اجلاس میں جو تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ اس کی ایک مکمل رپورٹ متعلقہ عہدہ داروں کو پیش کریں گے مسٹر نور اللہ خان نے کہا کہ پی آئی بی کو عصری ٹکنالوجی سے مزین کیا گیا ہے خبریں اور مضامین کی جلد سے جلد ترسیل کے لئے فیاکس سے استفادہ کیا جا رہا ہے انہوں نے کہا کہ اردو اخبارات و جرائد کو اہم خبریں مضامین اور دیگر مواد فراہم کرنے کے لئے کوشش کی جا رہی ہے اردو اخبارات کو اشتہارات کی اجرائی کے لئے ڈی اے وی۔ پی کو توجہ دلائی جائے گی ابتداء میں مسٹر عابد صدیقی اسسٹنٹ پی آئی بی آفیسر نے تعارفی تقریر کرتے ہوئے اجلاس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی مسٹر کے آشیا انفارمیشن افسر نے خیر مقدم کیا۔ مباحث میں مسرس ظہیر الدین علی خاں (سیاست) سیمن فاروقی (انگارے) محمود الدین حامد (شعاع ہند) محمد غفران (حق بات) سید احمد محی الدین افسر (دکن سماچار) مرزا بہبود علی بیگ (سیاسی محاذ) ولی تنویر (فرمان) احمد ملکیش (آئینہ چشم) بہادر علی محمود، سرفراز علی، قمر الدین صابری، میر ہادی علی، ایس، ایم صابر اور نجف علی شوکت (نیوز ٹرسٹ) شامل تھے۔ اجلاس میں حیدرآباد کے جملہ (۴۱) روزنامہ جات کے ایڈیٹرس و مدیران جرائد نے شرکت کی۔

اُستاد اور شاگرد کا رشتہ

اُستاد شاگرد کا رشتہ ایک ایسا وسیع موضوع ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں لازم و ملزوم رشتہ کی طرح نمایاں ہے لیکن ایسے رشتے جن کی بنیاد تقدیس و توقیر کی اہمیت کو بڑھاتے ہیں کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کی ایک واضح وجہ معاشرہ میں انتشاری عوامل روز و شب کی ساعتوں میں غیر یقینی کیفیات اور عدم احساس ذمہ داری کا فروغ بھی ہے قدریں گھٹتی جا رہی ہیں۔ استاد اور شاگرد کے آپسی تعلقات میں فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے ابہام و تفہیم کا انداز بدلتا جا رہا ہے۔ ڈسپلن کی بے حد کمی ہے اس قسم کی بدعملی بے راہ روی فرائض میں سمجھنے میں کوتاہی اور تعلیم و تربیت میں نکمیل ضابطہ کی روش سے استاد اور شاگرد کے باوقار رشتہ کو ٹھیس پہنچائی جا رہی ہے۔ ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر علی احمد جلیل نے اپنی صدارتی تقریر میں کیا۔ عصری ادب کے زیر اہتمام ۳۱ اکتوبر کی شام ۴ بجے بمقام حسنی اردو انسٹی ٹیوٹ میں استاد اور شاگرد کا رشتہ کے زیر عنوان مذاکرہ ہوا۔ ڈاکٹر طیب انصاری صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج گلبرگہ نے بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی مقررین میں مسرز صلاح الدین نیر، انیس اختر اور عزیز صادق شامل تھے۔

ابتداء میں معتمد عمومی ادارہ عصری ادب جناب شفیع اقبال نے عصری ادب کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ عصری ادب شعر و ادب کے مختلف موضوعات ... کے علاوہ شعری و ادبی محفلوں کے انعقاد سے بھی دلچسپی رکھتا ہے ... اور ... دانشوران اردو ادب کی دلچسپی سے عصری ادب

کے جلسے میں ایک ادبی تاریخ بنانے جارہے ہیں مذاکرہ کے مہمان خصوصی ڈاکٹر
طیب انصاری نے کہا کہ یہ ایک ادارہ یا کالج کا نہیں بلکہ ایک عالمی مسئلہ ہے
آج حالات بدل گئے ہیں۔ آج وہ رشتے باقی نہیں رہے جو کچھ برس پہلے
ایک اُستاد اور شاگرد میں رہا کرتے تھے حالات اتنے کچھ بگڑ گئے ہیں کہ استاد کلاس
روم میں نظریں جھکا کر جاتے ہیں۔ اور نظریں جھکا کر واپس ہوجاتے ہیں پہلے گھر پر
ہی تمام آداب سکھائے جاتے تھے۔ استاد کے رتبہ اور تربیت کی اہمیت سے
واقف کروایا جاتا تھا۔ آج کے بگڑے ہوئے ماحول میں یہ توقع رکھنا ہے کہ طالب علم
انسانی اقدار کی پاسداری کرے گا۔ کچھ زیادہ حوصلہ افزائی نہیں لیکن، اسکے باوجود چند
طالب علم روایتوں کی پاسداری کرتے ہوئے اپنا تعلیمی معیار بڑھا رہے ہیں میرے
خیال میں تعلیمی درسگاہوں میں تنظیم جدید کی ضرورت ہے جناب صلاح الدین نیر
نے کہا کہ تجربہ اور مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ استاد اور شاگرد کے مقدس و شائستہ رشتے
کی پاسداری کرنے والے اساتذہ و شاگرد اب بھی موجود ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ کچھ
صورتوں میں ہمیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اِس انتشاری دور میں تعلیم و
تربیت کی بنیادی ذمّہ داری ماں باپ کے سر جاتی ہے اساتذہ کا رشتہ تو
بعد کا ہے پوسٹ گریجویٹ اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی تکمیل کے بعد بھی بعض
طلبہ ایسے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کی تحریریں پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے
انہوں نے حصول تعلیم میں خاطر خواہ دلچسپی نہیں لی استاد و شاگرد کے رشتہ کی طرح
تعلیمی و ادبی اداروں میں بھی ایک رشتہ لازم و ملزوم ہوتا ہے ادبی و تعلیمی
اداروں کے سربراہوں کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ اداروں سے وابستہ لوگوں کی کارکردگی
اور سرگرمیوں پر نظر رکھیں شہر سے ایک ایسا ادارہ بھی ہے جس کے بارے

میں اطلاع ہے کہ ادارہ کا ایک قدیم کارکن تعلیمی اسنادات کے سلسلہ میں غیر ذمہ دارانہ حرکات کا مرتکب ہو چکا ہے اور انتظامیہ تذبذب کا شکار ہے ایسے غیر یقینی حالات زندگی کے ہر شعبہ میں مختلف شکلوں کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ ان کا سدباب ہونا چاہئے جناب رئیس اختر نے کہا کہ یہ ساری خرابیاں تعلیم و تربیت اخلاقیات کی کمی کا نتیجہ ہے، نصاب میں اخلاقیات کے ساتھ تاریخی عوامل میں صحت کے ساتھ شمولیت ناگزیر ہے بہت سے طالب علم درسی کتب سے زیادہ نوٹس پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے تعلیمی معیار میں کمی پائی جاتی ہے۔ صدر جلسہ و مشاعرہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے علاوہ مسرز صلاح الدین نیر، رئیس اختر، عزیز بھارتی، شفیع اقبال محترمہ سلطانہ مشرف الدین، مومن خاں شوق، قمر الدین صابری، راشد علی نے کلام سنا کر داد تحسین حاصل کی۔ جناب شفیع اقبال نے نظامت کے فرائض انجام دیئے جناب عزیز بھارتی کے شکریہ پر جلسہ و مشاعرہ اختتام کو پہنچا۔

(مسلسلہ صفحہ ۷)

میں تسلسل ہوتا رہتا ہے ایسا ادب تخلیق ہونا چاہئے جس کو گھر کا ہر فرد بلا تکلف پڑھ سکے۔ شفیع اقبال کی کتاب ان لغتوں سے پاک و صاف ہے مہمان خصوصی جناب باگا ریڈی ایم پی نے کہا کہ اردو شعر و ادب میں جذبہ ملاحیت ہے کہ آج بہت سی ہندی ادیب و شاعر اردو شعر و ادب سے ہندی شعر و ادب کو وابستہ کر رہے ہیں۔ یہ امر اردو داں ادب کے لئے ایک خوش آئند بات ہے ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر جلسہ نے شعری و ادبی ماحول کی ستائش کی اور کہا کہ علمی و ادبی جلسوں اور شعری مجموعوں کی رسم اجراء کی تقاریب نے شہر میں خوشگوار اور پر کیف ماحول پیدا کر دیا ہے شفیع اقبال کا کلام قابل مطالعہ ہے جناب شفیع اقبال کی مختلف انجمنوں کی جانب سے اور شخصی طور پر بھی بکثرت گلپوشی کی

آزادیٔ تحریر و تقریر

تلسی داس نے صحیح کہا ہے کہ سب لوگ یکساں نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایسی گھٹیا تحریریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ جو عورت کی عظمت کو ٹھیس پہنچاتی ہیں ادب کی بھی ایک مریادہ ہوتی ہے اب اِسے اتنا گھٹیا مت بنایئے کہ وہ راستہ کی چیز بن جائے۔ ایسا ادب کس کام کا جو چھپ چھپ کر گھر کے لوگوں کی نظروں سے بچا کر بند کمروں میں پڑھا جائے عریاں نگاری ادب نہیں ہے بلکہ ایسا ادب تخلیق کیجئے کہ سماج سر اٹھا کر چلے جو ادیب و شاعر اچھے ماحول کے پروردہ نہیں ہیں۔ انکی تحریروں میں پست اور گھٹیا قسم کے مضامین ملیں گے خاتون ادیبوں کو اپنی نسائیت حرمت پاکیزگی اور پاک وصاف ادب کا ترجمان بننا چاہیے اِن خیالات کا اظہار ڈاکٹر اندوو شنت ریڈر شعبہ ہندی جامعہ عثمانیہ نے میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے ۲۰ نومبر کو ۶ بجے ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ میں منعقدہ ایک مذاکرہ میں کیا۔ آزادیٔ تحریر و تقریر کے زیر عنوان مذاکرہ میں صدر اجلاس ڈاکٹر اندو وشنت کے علاوہ مہمان خصوصی ڈاکٹر طیب انصاری رحمٰن جامی رئیس اختر نہپال سنگھ ورما، صلاح الدین نیر سلطانہ شرف الدین، صادق نوید اور عزیز بھارتی نے حصہ لیا۔ ڈاکٹر طیب انصاری نے کہا کہ آزادیٔ تحریر و تقریر کا ہر ادیب و شاعر مفکر دانشور کو حاصل ہے لیکن ہرگز یہ معنی نہیں کہ لکھنے اور کہنے والے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے

تو ایسے فحاشی خیالات اور تحریروں کے ذریعہ رُسوائی کے دلدل میں پھنس جانے کے بعد اسکو کس طرح باہر نکالا جا سکتا ہے ایک جہت ہیں انسانی اقدار کو نفی کرنے والے اپنی تحریروں کے ذریعہ بے روی اور اخلاقی مضامین کی ترویج کرا و نیا ادب سمجھنے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں ایسے منفی روایتوں کو اپنانے والے ادیبوں کی سختی کے ساتھ مذمت کی جانی چاہیے اور ان کی بھی جو نزاعی تحریروں کی تائید کرتے ہیں۔ جناب رحمٰن جامی نے مذاکرہ کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ میں ایسے ادیبوں کی مذمت کرتا ہوں۔ جو بنگالی ادیبہ تسلیمہ نسرین کے نقش قدم پر چلیں عورت کا احترام انسانی جبلت ہے تمام انسانی برادری عورت کو سرچشمہ محبت سمجھتی ہیں عورت تقدیس و توقیر کی ایسی علامت ہے۔ جس نے ساری انسانیت پر احسان کیا ہے لیکن تسلیمہ نسرین نے آزادی خیال و تحریر کا سہارا لے کر خواتین کے حرمت کو مسموم کرنے کی نازیبا حرکت کی ہے جناب رئیس اختر نے کہا کہ ہم کیوں پریم چند جیسا ادب تخلیق نہیں کرتے گھٹیا تحریروں سے سستی شہرت حاصل کرنے کا ہمیں کیوں خبط ہے آزادی تحریر کا سہارا لے کر معاشرہ کے خد و خال کو بے رنگ کرنے کی کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے۔ ایسا ادب جو معاشرہ میں انتشار پیدا کرتا ہو، تقدیس و پاکیزگی کی نفی کرتا ہو کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے ہمیں اپنی صلاحیتوں سے اچھا ادب تخلیق کرنا چاہیے ہمارے دانشوروں کو چاہیے کہ ادب میں مصالحت شناس طرفداری اور کج روی کے رجحان پروان چڑھنے نہ دیں جناب صلاح الدین نیر نے کہا کہ ہم جس معاشرہ میں سانس لے رہے ہیں وہ ایسا ہو نہ

ہم آپس میں نفرت، عداوت، بددیانتی سے بے تعلق کینہ پروری کی حوصلہ افزائی نہ کریں خوش گفتاری نرم روی ہمارا مطلب ہو غیر نزاعی شگفتہ تحریریں ہمارے جمالیاتی احساسات کو تازگی بخشتی رہیں ہم ایسا ادب کیوں تخلیق کریں کہ ہر ذی فہم ہماری آزادی تحریر و تقریر کی مذمت کرے۔ ادب میں مثبت رویہ نیک نامی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے منفی رویہ بدنامی کا راستہ دکھاتا ہے جناب صادق نوید نے کہا کہ ادب میں مقام پانے کے لئے دشنام طرازی فحش تحریروں کا سہارا نہیں لینا چاہیے ایسا ادب جو معاشرہ میں خلل پیدا کرتا ہو۔ اس کی مذمت کرنی چاہیے جناب عزیز بھارتی نے ادب میں اقدار کی نفی کرنے والوں کو ادبی مجرم قرار دیا اس کے علاوہ محترمہ سلطانہ شرف الدین اور جناب نہپال سنگھ ورما نے بھی خیالات کا اظہار کیا۔ مذاکرہ کے بعد جناب امیر احمد خسرو کی صدارت میں مشاعرہ ہوا مسرز امیر احمد خسرو، رئیس اختر، رحمٰن جامی، صلاح الدین نیر، صادق نوید، عزیز بھارتی وقار ریاض (گلبرگہ) نہپال سنگھ ورما ڈاکٹر اندو وششٹ سلطانہ شرف الدین اشر غوری پرشوتم پریتا نت افضل تسلیم سوز عابدی تدبیر انصاری اور راشد علی خان نے کلام سنایا جناب رئیس اختر نے کاروائی چلائی اور شکریہ ادا کیا۔

سلسلہ صفحہ ۲۸

1725 طلبا، جامعہ کے امتحانات میں شریک تھے۔ جس میں 1029 طلبا نے کامیابی حاصل کی اس پر کیف موقع پر شہر کے علاوہ اضلاع کے بھی علماء کرام مشائخین عظام و معززین کی تعداد شریک تھی۔ احاطہ جامعہ نظامیہ مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ نظامت کے فرائض استاذ جامعہ مولوی فصیح الدین نے انجام دیئے۔

ماہنامہ لبساط ذکر و فکر کی رسم اجراء

اردو کے ممتاز شاعر ڈاکٹر محبوب راہی نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو اخبارات و رسائل کو خرید کر نہ پڑھنے کی وجہ سے اردو جرائد بحران کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے کہ اردو والوں میں اخبارات و رسائل خریدنے کی سکت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے معاشی اعتبار سے اردو والے اس قابل ضرور ہیں۔ کہ رسالے خرید کر پڑھیں۔ ڈاکٹر محبوب راہی ۸ / نومبر کی شام آغا خاں ہائی اسکول نظام آباد میں ماہنامہ لبساط ذکر و فکر کی رسم اجراء انجام دینے کے بعد جلسہ سے خطاب کر رہے تھے۔ جلسہ کی صدارت جناب حسن علی پنجابی سکریٹری آغا خاں اسکول نے کی جناب صالح بکران اور جناب مرزا وحید احمد بیگ ایڈوکیٹ' رکن بورڈ آف گورنرس اردو اکیڈیمی نے بہ حیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ جناب یعقوب سروش مدیر لبساط نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ جناب جمیل نظام آبادی مدیر گونج نے تعارفی تقریر کی۔ جناب صالح بکران اور مرزا وحید بیگ نے لبساط ذکر و فکر سے نیک خواہشات وابستہ کرتے ہوئے اصلاح معاشرہ کے لئے کام کرنے کی ضرورت پرزور دیا۔ اس موقع پر ایک مشاعرہ کا انعقاد بھی عمل میں آیا۔ جس میں مہمان شاعر ڈاکٹر محبوب راہی کے علاوہ مقامی شعراء حضرات' وحید مرزا فضل قریشی جمیل نظام آبادی اور اوسط نظام آبادی نے اپنا کلام سنایا۔

بانی جامعہ نظامیہ نواب فضیلت جنگ

انجمن فیضان المسلمین کے زیر اہتمام علامہ امام اہلسنت حافظ شاہ محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے مذہبی علمی وسماجی خدمات پر اردو گھر مغل پورہ میں سیمینار منعقد ہوا جس میں ممتاز علماء و اسکالرس نے پر مغز مقالہ جات پیش کئے سیمینار کا آغاز حافظ و قاری محمد احمد کی قرات پاک سے ہوا۔ جناب شاہ محمد معزالدین ملتانی نے ہدیہ نعت پیش کیا جناب سید حامد حسین شطاری نے خطبہ استقبالیہ میں اس بات پر زور دیا کہ آج کے اس پرآشوب دور میں حضرت فاروقی کی تصانیف کو عام کرنے کی ضرورت ہے جس سے ایمان میں تقویت ہوتی ہے جناب ڈاکٹر حسن الدین احمد نے حضرت فضیلت جنگ کو ایک غیر معمولی عالم دین قرار دیا اور کہا کہ وہ وقت سے پہلے اندازہ لگالیتے تھے کہ آئندہ مذہب کو لاحق ہونے والے خطرہ کو کیسے ٹالا جائے اس کے پیش نظر تحریر عوام کے حوالے کردیتے اور عوام خطرہ سے محفوظ ہو جاتے۔ شاہان آصفیہ کے دینی و اصلاحی کارناموں کے پس پردہ حضرت بانی نظامیہ کے زریں مشورے تھے مولانا سید شاہ قاضی اعظم علی صوفی نے اپنے مقالے میں مقاصد الاسلام۔ انوار احمدی اور دیگر اصلاحی کاموں کا تفصیل سے تذکرہ کیا اور کہا کہ حضرت سچے عاشق رسولؐ تھے جناب مولانا سید بدیع الدین لکچرر نے اپنے مقالے میں حضرت کی علمی وادبی کاوشوں اور جامعہ نظامیہ کا قیام دائرۃ المعارف کے وجود نے علمی خزانوں کو محفوظ کردیا۔ جناب ڈاکٹر عبدالمجید ریڈر

جامعہ نظامیہ نے حضرت فضیلت جنگ کی علمی خدمات اور کتاب العقل کی تصنیف کو آج کے دور میں ایک بہترین کتاب قرار دیا مولانا محمد عبدالحمید اکبر ڈاکٹر و ریسرچ اسکالر نے حضرت فاروقی کی علمیت کو خداداد تحفہ قرار دیا اس سے کہ حضرت علم فقہ، حدیث، معقولات اور دیگر تمام علوم پر غیر معمولی عبور رکھتے تھے۔ پروفیسر سلطان محی الدین صدر سیمینار نے کہا کہ حضرت فضیلت جنگ نے تحریری کام کرکے اپنے منشا و مسلک کا اظہار کردیا ہے اور آج جامعہ نظامیہ اسی مسلک پر قائم رہ کر ترقی کی راہ میں گامزن ہے ڈاکٹر حسن الدین احمد نے تقریری مقابلہ جات میں کامیاب ہونے والے طلباء کو اپنے ہاتھوں انعامات تقسیم فرمایا محمد محسن پاشاہ نقشبندی فاضل نظامیہ نے سیمینار کی کارروائی چلائی مولانا محمد حبیب الدین صدر انجمن نے ہاشر دعا فرمائی حافظ محمد عبدالحمید ملتانی معتمد کے شکریہ پر انجمن کا تین روزہ پروگرام اختتام کو پہونچا۔

(سلسلہ صفحہ ۳۰)

عمارت تعمیر کرنے کا منصوبہ ہے اس وقت پانچ سو طلباء کا جامعہ میں قیام و طعام کا مفت انتظام ہے اور جامعہ میں مختصر مدتی فنی تربیتی کا بھی انتظام کیا گیا ہے تاکہ یہاں کے طالب علم فکر معاش سے آزاد ہو مولانا مفتی خلیل احمد نے کہا کہ آئندہ سال سے کمپیوٹر کا شعبہ بھی قائم کیا جائے گا۔ مولانا عبداللہ قریشی ازہری نائب شیخ الجامعہ نے اس سال کی تعلیمی رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ اس سال حفظ قرآن کی تکمیل کرنے والے ۲۷ طلباء میں ۱۴ طالبات بھی شامل ہیں۔ ۱۴ طلباء کو امتیازی کامیابی حاصل کرنے پر خصوصی انعامات وظائف جاری کئے گئے اور بتایا کہ

جلسہ تقسیم اسناد جامعہ نظامیہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا الحافظ محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس سرہ بانی جامعہ نظامیہ کی عرس تقاریب و سالانہ جلسہ تقسیم اسناد عطائے خلعت و دستار بندی احاطہ جامع نظامیہ شبلی گنج میں منعقد حضرت محمد الحسینی سجادہ نشین روضہ بزرگ گلبرگہ نے جامعہ کے فارغ التحصیل طلباء میں دستار بندی و خلعت عطا کی اس تقریب کی صدارت امیر جامعہ نظامیہ جناب سید عبدالولی قادری نے کی جلسہ کا آغاز قاری محمد مسلم الدین انصاری کی قرات کلام پاک سے ہوا محمد عبدالحبیب قادری نے بارگاہ رسالت مآب میں ہدیہ نعت پیش کیا حافظ محمد عبدالجلیل قادری نے بزبان اردو اور حافظ محمد رئیس الدین طلبائے جامعہ نظامیہ نے بہ زبان عربی علم کی فضیلت پر تقاریر کیں۔

امیر جامعہ نظامیہ مولانا سید عبدالولی قادری کے ہاتھوں شعبہ ٹکنالوجی کا افتتاح عمل میں آیا۔ اور ان ہی کے ہاتھوں طلباء جامعہ میں اسنادات و انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔ امیر جامعہ نظامیہ جناب سید اولی قادری نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ عالم وہ ہے جو ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم سمجھے اور عالم کی فضیلت و بلندی، اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اخلاص عمل پر منحصر ہوتی ہے انہوں نے کہا کہ عصر حاضر کی تعلیم ذہنی انتشار کا شکار ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا

کے بڑے بڑے دانشوروں کی تحریکیں دم توڑ چکی ہیں۔ یہ ظاہری اور وقتی طور پر کامیاب نظر آتی ہیں۔ لیکن معاشرہ کی اخلاقی گراوٹ میں گھر گئیں اسلام نے صالح زندگی کا درس دیا اور کامیاب ضابطہ حیات پیش کیا ہمیں چاہئے کہ زمانہ میں نہ کھو جائیں بلکہ عہد ساز بنیں اور تحقیق و مطالعہ اور حصول علم کو اپنا شعار بنائے رکھیں اور یہی ہمارے وقار کو بلند رکھے گا شیخ الشیوخ مولانا طاہر رضوی القادری نے کہا کہ فضیلت جنگ حافظ انوار اللہ صاحب نے اس جامعہ کی بنیاد ڈالی تھی ایک صدی سے زائد اپنے علم کی شمع کو فروزاں رکھے ہوئے ہے اور ان کی تصانیف قیامت تک کے لئے مشعل راہ ہیں بانی جامعہ نظامیہ کی تصانیف اہل سنت و الجماعت کے لئے ایک عظیم سرمایہ حیات ہے شیخ الجامعہ نظامیہ مولانا مفتی خلیل احمد نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ جامعہ نظامیہ اپنے 122 سال کی تکمیل علم دین کی اشاعت کے ذریعہ کی ہے اس جامعہ کے فارغ التحصیل بیرونی ممالک میں اپنے علم کی شمع کو فروزاں کئے ہوئے ہیں۔ اور ہر سال جامعہ نظامیہ میں بڑھتی ہوئی تعداد اس کی مقبولیت کی علامت ہے جامعہ نظامیہ میں شعبہ تحقیق (ریسرچ) بھی قائم ہے اس سال ملک شام کے محمد فواد برازی کو "حجاب" کے موضوع پر مقالہ پیش کرنے پر صدر الشیوخ جامعہ مولانا سید طاہر رضوی کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی خلعت عطا کی گئی انہوں نے کہا کہ فواد برازی دنیا کی ممتاز علمی درسگاہ جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نظامیہ کے فتوؤں کو عدالتوں میں بھی تسلیم کیا جاتا ہے اس شعبہ کی بڑھتی ہوئی مصروفیات کے پیش نظر اس کے لئے ایک علحدہ

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

"نشاطِ آرزو" کی رسم اجراء

اُردو زبان کا ہر اس تہذیب یافتہ معاشرہ سے رشتہ ہے جو پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سرسبز و شاداب موسم چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی اور سورج کے حیات بخش اجالوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے شائستگی روا داری اور انسان دوستی کی بشارت دیتا ہے اردو زبان کا رشتہ ان کروڑوں لوگوں سے بھی ہے جو صبح و شام کی نرمی و گرمی اور روز و شب کے نشیب و فراز سے گذرتے ہوئے اردو زبان کو اپنے خیالات کے اظہار کا موثر ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ اردو زبان ایک زندہ زبان ہے جس کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہے کہ تمام ملک میں یہ زبان دل کی دھڑکن کی طرح برقرار ہے ہندوستان سے باہر کے ملکوں میں بھی اردو زبان کی مقبولیت اور اہمیت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے ۔ اردو کی محفلوں میں شرکت کرتے ہوئے ہمیشہ خوشی محسوس کرتا ہوں اس لئے کہ فرزند جامعہ عثمانیہ ہونے کے علاوہ بزبان اردو ذریعہ تعلیم سے اپنی اعلیٰ تعلیم مکمل کی ہے ہمارا شہر شاعروں دانشوروں اور ادیبوں اور ادیبوں کا شہر ہے ۔ مومن خاں شوق جیسے شائستہ مہذب بردبار شاعر کے مجموعہ کلام کی رسم اجراء کی محفل میں اپنی شرکت بالفاظ دیگر اردو زبان سے اپنی وابستگی کا بھرپور اظہار بھی ہے ۔ میں نے مومن خان شوق کے کلام کو پڑھا ہے یقیناً ایک عرصہ سے انہیں پڑھتا اور سنتا آرہا ہوں ۔ مومن خان شوق بھی میرے ان پسندیدہ شاعروں میں سے ایک ہیں جن کے کلام سے دل

کو تازگی اور دماغ کو روشنی ملتی ہے ان خیالات کا اظہار جناب ایم باگا ریڈی ایم پی نے جناب مومن خاں شوق کے تیسرے مجموعہ کلام "نشاط آفندو" کی رسم اجرا، تقریب کے موقع پر کیا اس کا اہتمام مرکز ادب مکتبہ شاداب اور دیار ادب کی جانب سے ۱۵، نومبر کو ۳ مر ۶ بجے شام مولانا آزاد اخنی ٹیوٹ میں کیا گیا تھا۔ جلسے کی صدارت ڈاکٹر سید حبیب السلطان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے کی مہمانان خصوصی کی حیثیت سے مسرس ایم باگاریڈی ایم پی سید خلیل الرحمن ایم پی، ڈاکٹر حسن الدین احمد سابق صدر نشین اقلیتی کمیشن آندھرا پردیش نے شرکت کی۔ مقررین میں مسرس صلاح الدین نیر اور سہپال سنگھ ورما شامل تھے کنوینر اور بانی اجلاس جناب رئیس اختر نے حینر مقدمی تقریر کرتے ہوئے باذوق شرکاء محفل کی تشریف آوری کو سراہا۔ شرکائے محفل کی کثیر تعداد نے مومن خاں شوق کی مقبولیت کا ثبوت دیا۔ جناب عزیز بھارتی کنوینر مشاعرہ تھے۔ ابتداء میں صدر نشین مکتبہ شاداب جناب قمرالدین صابری نے تمام مہمانوں کا پر اثر انداز میں تفصیل تعارف کرواتے ہوئے خوشگوار ماحول کو اور پر وقار بنایا۔ جناب قمرالدین صابری نے مومن خاں شوق کے فن کو خراج پیش کیا۔ انہیں ایک خوش سلیقہ خوش مزاج اور خوش فکر شاعر قرار دیا۔ جناب خلیل الرحمن ایم پی نے رسم اجراء انجام دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے شہر کے شاعروں کو شمال ہند کے ایک مخصوص گروہ نے ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔ ہمارے شہر کے شاعروں کو دور درشن کے کل ہند مشاعروں کو قومی سطح پر سرکاری و غیر سرکاری بڑے مشاعروں میں علاقہ داری تعصب اور دکن کو نظر انداز کرنے کی مسلسل سازش کی جارہی ہے۔ ملک کے کل ہند مشاعروں کی فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک خاص گروپ کے بیشتر شاعروں کو ہی مدعو

کیا جانے لگا ہے اس قسم کی روایتوں کو ناپسند کیا جانا چاہئے ہمارے شہر کے شاعر ہر اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں ۔ ہم پر بھی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے سرکاری و غیر سرکاری وسائل کو کام میں لاتے ہوئے اب تو کم از کم ہمارے شاعروں کے ساتھ نا انصافی ہونے نہ دیں مومن خاں شوق ایک کامیاب شاعر ہیں۔ جن سے ملتے ہوئے اور جن کو پڑھتے ہوئے میں خوشی محسوس کرتا ہوں "ڈاکٹر حسن الدین نے اپنے مضمون میں مومن خاں شوق کو بھرپور خراج پیش کرتے ہوئے اس توقع کا اظہار کیا کہ وہ اسی طرح عزت و شہرت حاصل کرتے رہیں گے موسن خاں شوق حیدرآباد کے نمائندہ شاعروں میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں ان کے کلام میں زندگی کی وہ تمازت رواں دواں ہے جو ایک روشن مستقبل رکھنے والے شاعر کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے جناب صلاح الدین نیّر نے کہا کہ کتابوں پر تبصروں کا انداز پر وقار ہونا چاہئے ۔ ہمارے بعض مبصرین اپنے مذہبی فساد اور اپنے احساس کمتری کے ردعمل کے طور پر جہاں کہیں موقع مل جاتا ہے اپنے منفی اور غیر ادبی تحریروں کے لیے شعروادب کی اچھی خاصی فضاء کو زہرآلود بناتے ہوئے اپنی تنگ نظری کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ جب علمی و ادبی اداروں سے وابستہ رہتے ہیں۔ تو سارے انتظامیہ اور انسٹی ٹیوشن کے لئے یہ ایک مسئلہ بنے ہوئے رہتے ہیں۔ ہمارے شہر میں اردو کا ایک ایسا ادارہ بھی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اردو امتحانات کے اسناد سلسلہ میں بدعنوانیوں کا مرتکب ہوتا جارہا ہے اداروں کے سربراہوں کو اداروں کی نیک نامی کے لئے بدعنوان افراد پر نظر رکھنی چاہئے نشاط آرزو کے تبصرہ نگار یا شعور ہونے کے علاوہ شعرو ادب کے شائستہ اقدار سے بھی واقف ہیں۔ جنھوں نے موسن خان شوق کو ایک ایسا

کامیاب شاعر قرار دیا جنکے لب و لہجہ میں تازگی، خیالات میں شگفتگی اور احساسات میں شعلہ وشبنم کا امتزاج ہے سومن خاں شوق جس قدر اردو حلقوں میں مقبول ہیں اسی قدر ہندی حلقوں میں بھی پسند کئے جاتے ہیں۔ میں ہندی والوں کی جانب سے بھی "نشاط آرزو" کی اشاعت پر انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ صدر جلسہ ڈاکٹر سید عبدالمنان نے کہاکر ہمارے شہر میں اردو شعر وادب کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ شہر کی مختلف قسم کی انجمنیں مختلف قسم کے ادبی اجلاس مشاعروں اور مذاکروں سے شہر کی ادبی فضا ء میں اضافہ کرتی جارہی ہیں خاص طور پر ایسی محفلوں کو سراہا جانا چاہیے۔ سومن خاں شوق کو اکثر میں نے مشاعروں میں سنا ہے ان کی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ ان سے گفتگو بھی ہوتی رہتی ہے میں انہیں معاشرہ کا ایک مہذب شائستہ اور شرافت کا پیکر سمجھتا ہوں جو تلکا رشائستگی کا پروردہ ہو اس کی تخلیقات بھی عمدہ اور پاکیزہ ہوتی ہیں جناب سومن خاں شوق نے اس موقع پر اظہار تشکر کرتے ہوئے اپنا منتخب کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کی شہر کی مختلف انجمنوں کی جانب سے سومن خاں شوق کی گلپوشی کی گئی محفل کے ذمہ داران مسرس رئیس اختر، عزیز بھارتی، قمرالدین صابری، احد منان منتور نے مہمانوں کی گلپوشی کی۔ کنوینرس ادبی اجلاس جناب رئیس نے عمدگی کے ساتھ ادبی اجلاس کی کارروائی چلائی۔ ادبی اجلاس کے فوری بعد ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔ جناب امیر احمد خسرو نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی اس مشاعرہ میں اضلاع کے نمائندہ شعراء وقار ریاض (محبوبگر) علیم بابر، ظہیر نامری (محبوب نگر) نے خصوصی مدعوئین کی حیثیت سے شرکت کی۔ علی احمد جلیلی، امیر احمد خسرو، صلاح الدین نیر، رئیس اختر اور بانو طاہر سعید و دیگر ممتاز شعراء نے کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کی۔

رسم اجراء تقاریب کی افادیت

کتابوں کی رسم اجراء تقاریب کی افادیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اس سے کتابوں کی تشہیر اور مصنف کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں مصنف کی محنتوں کا صلہ کتابی شکل میں آجانے کے بعد مصنف کو بے حد خوشی ہوتی ہے مبصرین کو چاہیے کہ کسی کتاب پر تبصرہ سے قبل پوری کتاب کا مطالعہ کریں۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب کی صرف اوراق گردانی کی جاتی ہے اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کتاب میں قابل اعتراض کوئی ایسی بات بھی ہے جو بعد میں معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے کا باعث بنتی ہو۔ بعض کتابوں میں ایسی تحریریں بھی شامل ہوتی ہیں۔ جو ادب کے نام پر ایک بدنما داغ سمجھی جاتی ہے بعض ہمارے دانشور اظہار خیال اظہار تحریر و تقریر کو بنیاد بنا کر انتشار پسند اور قابل اعتراض تحریروں کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔ متنازعہ ادیبہ: تسلیمہ کی تحریروں کا سہارا لیکر اس کی انتہائی قابل اعتراض زہر آلود مذموم خیالات کی تائید کی جاتی ہے ایسے دانشوروں اور انجمنوں کے طرفداروں کو اپنے ادبی رویّہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ ان خیالات کا اظہار صدر عصری ادب جناب صادق نوید نے سوغات نظر کے زیر اہتمام ۱۸ نومبر کی شام اشرف والا سے ہال میں منعقدہ ایک مذاکرہ میں کیا۔ کتابوں کی رسم اجراء مذاکرہ کی صدارت جناب رئیس اختر نے کی۔ صدر نشین مکتبہ شاداب جناب قمر الدین صابری اور مسرز صلاح الدین نیر عزیز بھارتی اور صادق نوید نے مقرر کی حیثیت سے شرکت کی جناب محمد افضل شوق کنوینر تقریب تھے۔ صدر سوغات نظر جناب منان منظور نے شکریہ ادا کیا۔

(باقی پر صفحہ ۴۲)

ترجمہ قرآن کی رسمِ اجراء

قرآنی تعلیمات پر کما حقہٗ عمل کر کے ساری دنیا کے مسلمان اقطاعِ عالم میں سرخرو ہو سکتے ہیں قرآنی تعلیمات سے دوری کے نتیجہ میں ہم رسوا اور پشیمان ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس آخری فرمان کو عصری سائنس علوم کی روشنی میں سمجھنے سے خدا کی عظمت و معرفت کا انکشاف ہوگا۔ ان خیالات کا اظہار آج مقررین نے ڈاکٹر میر انیس الدین کے انگریزی ترجمہ قرآن کے رسم اجراء کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے کیا جناب سید ہاشم علی اختر (آئی اے ایس) سابق وائس چانسلر علیگڈھ مسلم یونیورسٹی نے بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی پروفیسر سلطان محی الدین صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی نے اس کتاب کی رسم اجرا انجام دی جناب ہاشم علی اختر نے اپنی تقریر میں کہا کہ خدا کی کتاب کا علم اور خدا کی کائنات کا علم دو علحدہ علحدہ چیزیں ہیں۔ سابقہ مفسرین اور مترجمین نے علمی تفاسیر لکھی تھیں اور آج سائنسی علم کی روشنی میں تراجم کئے جا رہے ہیں۔ جس سے خدا کی معرفت کا ہمارے قلوب میں جذبہ بڑھ رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج انگریزی زبان کو اسلامی زبان بنانے کی ضرورت ہے جناب اختر نے اس خصوص میں ڈاکٹر سید عبد اللطیف کے انگریزی ترجمہ قرآن کی ستائش کی اور کہا کہ ڈاکٹر انیس الدین نے جدید سائنسی علم کی روشنی میں قرآن کا ترجمہ کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے قرآن کے آفاقی پیام

کو سمجھنے کے لئے جدید سائنسی طریقوں کو اپنانے کی ضرورت ہے آج ہماری زندگیوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل کا فقدان ہے جس کی وجہ سے اسلام رسوا ہو رہا ہے طلاق اور نفقہ کے مسائل ساری دنیا میں موضوع بحث بنے ہوئے ہیں حد یہ ہے کہ ہمارے ملک میں جہاں سینکڑوں خداؤں کو مانا جاتا ہے اور قدیم کتابوں پر عمل کرتے ہوئے بیواؤں کو جلا دیا جاتا تھا۔ آج وہ بھی ہم پر انگشت نمائی کر رہے ہیں حالانکہ ہم قرآن حکیم کے ماننے والے ہیں۔ جناب اختر نے کہا کہ قرآن نے عورت کی عظمت کو بلند کیا ہے اور سماج میں اسکو اس کا مستحقہ مقام دیا ہے پروفیسر سلطان محی الدین نے اپنی تقریر میں کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ جنھوں نے ہمیں قرآن کی شکل میں مکمل دستور حیات دیا ہے قرآن کے اصل منشا کو ماننے کے لئے صرف عربی دانی ہی کافی نہیں ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ علم کی بصیرت ہو۔ قرآن کا مقصد انسان کو انسان بنانا ہے انھوں نے کہا کہ قدیم ترجمے ہمارے بیش بہا خزانے ہیں۔ تصنیف و تالیف کے کام میں جو جمود پیدا ہوا تھا۔ وہ اب ٹوٹ رہا ہے شریعت اسلامی میں جو آسانیاں ہیں۔ وہ کسی اور مذہب میں نہیں ہیں پروفیسر صاحب نے کہا کہ حدیث کی روشنی میں بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔ اہل قرآن اللہ کے اکابرین ہیں۔ ڈاکٹر امیس الدین نے اپنی تقریر میں کہا کہ قرآن کا ایک ایک لفظ معجزہ ہے اور قرآن سائنس، فلسفہ ادب اور تحقیقاتی علوم کا مجموعہ ہے قرآن حکیم قیامت تک کے لئے سارے انسانوں کا رہنما ہے ترجمہ قرآن کے رسم اجرا کی اس تقریب سے جناب شاہد علی عباسی ریڈر اسلامیات عثمانیہ یونیورسٹی، پروفیسر سکندر حسین صدر شعبہ فزیالوجی دکن میڈیکل کالج نے خطاب کیا۔ کنوینر جلسہ جناب ناصر الدین نے کارروائی چلائی اور شکریہ ادا کیا۔

دُوردرشن کے مشاعرے

دوردرشن کے مشاعرے ہوں کہ آل انڈیا ریڈیو کے مشاعرے، لال قلعہ کے مشاعرے ہوں کہ شنکر شاد مشاعرے، خواہ وہ سرکاری مشاعرے ہوں یا شعر و ادب کی محفلیں، ہمیشہ حیدرآباد کے شاعروں اور ادیبوں کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے کیا وجہ ہے کہ خاص طور پر دوردرشن کے مشاعرے جو ملک کی تقریباً ہر ریاست کے محکمہ دوردرشن کی جانب سے ہوتے ہیں حیدرآباد کے شاعروں کو مدعو نہیں کیا جاتا دلّی میں ایک ایسی لابی ہے جو شعر و ادب کی محفلوں پر بھی اپنی مضبوط گرفت رکھتی ہے اور اپنے دوست احباب شاعروں کو کمرشیل بنیادوں پر مدعو کرتی ہے بہ الفاظِ دیگر ایک ایسا راکٹ بن گیا۔ جو مسلسل شعر و ادب کی محفلوں سے ہٹ کر بھی معاشرے کی مختلف سطحوں پر اپنی معاندانہ سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگست سے شروع ہونے والے پارلیمنٹ سیشن میں اِن مسائل کو اٹھاؤں گا۔ اور شمالی ہند والوں کو یہ احساس دِلاؤں گا کہ جنوبی ہند، خاص طور پر حیدرآباد میں ایسے شاعر موجود ہیں جو اپنا اعلیٰ شعری معیار رکھتے ہیں۔ حکومت کو بھی توجہ دلانی ہے کہ حیدرآبادی شاعروں کو شعر و ادب کی ہر سطح پر نظر انداز کرنے کی پالیسی پر نظرِ ثانی کرے اِن خیالات کا اظہار صدرِ اجلاس جناب خلیل الرحمٰن ایم پی نے کیا ادارہ معیارِ ادب کی جانب سے ۲۰ نومبر کو ۶ بجے

بشام مکتبہ شاداب ریڈیمز میں "دوردرشن کے مشاعرے" کے زیرِعنوان مذاکرہ جس میں مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے مسرز منظور الامین سابق ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل دوردرشن لکھنؤ اور سابق ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو جناب امیر احمد خسرو نے شرکت کی مسرز صلاح الدین نیّر، نیپال سنگھ ورما، رئیس اختر، صادق نوید اور عزیز بھارتی نے مذاکرے میں حصّہ لیا۔ جناب امیر احمد خسرو نے کہا کہ دوردرشن کے مشاعرے جو ملک کی ہر ریاست سے وقتاً فوقتاً ہوا کرتے ہیں۔ حیدرآباد کے شاعروں کو نظرانداز کیا جاتا ہے جس کے خلاف باوقار انداز میں اعلیٰ سطح پر احتجاج کرنا چاہئے اور ہم باضابطہ اربابِ مجاز کی خدمت میں ایک ریزولیشن پیش کریں گے حیدرآباد کے شاعر معیاری شاعر ہیں سینیئر مستند شعراء کے ساتھ باصلاحیت نوجوان شعراء کو بھی مدعو کیا جائے تاکہ مشاعرے میں توازن برقرار رہے جناب منظور الامین نے گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ یقیناً یہ افسوس کی بات ہے کہ کل ہند سطح کے حیدرآباد کے شاعروں کو نظرانداز کیا جاتا ہے حالانکہ آج بھی حیدرآباد میں اعلیٰ درجے کے شاعر موجود ہیں۔ شمالی ہند نے جنوبی ہند کو ہمیشہ نظرانداز کیا ہے کم ازکم اب تو اس طرزِ عمل کو ترک کردینا چاہئے حیدرآباد نے ہر دَور میں بڑے بڑے شاعروں کی میزبانی کی ہے اِن کی عزّت اور توقیر کا لحاظ کیا ہے لیکن آج حیدرآباد کے مستحق اہلِ قلم کو بے اعتنائی کا شکار ہونا پڑ رہا ہے آج کی بامقصد محفل سے استفادہ کرتے ہوئے ہم ایک کمیٹی تشکیل دیں اور اعلیٰ سطح پر بھرپور نمائندگی کریں۔ جناب خلیل الرحمٰن ایم پی کی صدارت میں ایک رپورٹ تیار کی جائے۔ جناب خلیل الرحمٰن پارلمنٹ میں ہوں کہ حکومت کی سطح پر بھرپور نمائندگی کریں گے۔ ابتداء میں صدر ادارہ عصری ادب

جناب صادق نوید نے خیر مقدمی اور تعارفی تقریر کی اور مذاکرے کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ دور درشن کے مشاعروں کو بہتر پیش کشی کے لیے معیاری اور مستند شاعروں کے ساتھ ایسے باصلاحیت شاعروں کو بھی مدعو کیا جائے جو واقعتاً مشاعرے کے معیار کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہوں تاکہ حیدرآباد کے شاعروں کا امیج خراب نہ ہونے پائے جناب صلاح الدین نیر نے کہا کہ حیدرآباد کی بعض ادبی انجمنوں سے جس انداز کے مذاکرے منعقد کیے جا رہے ہیں۔ مقصد کی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان مذاکروں میں شعر و ادب کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل مباحث ہو رہے ہیں۔ زبان و ادب کے اہم اہم مسائل قابل توجہ بنتے جا رہے ہیں دور درشن کے مشاعروں میں اردو ہندی شاعر شریک رہیں تو اردو ہندی کو اور قریب لانے میں مدد ملے گی دور درشن کے کل ہند مشاعروں میں حیدرآباد کے اردو شاعروں کی طرح ہندی شاعروں کو بھی نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ مباحث میں مسرز رمیش اختر، نیہپال سنگھ ورما اور عزیز بھارتی نے بھی حصہ لیا اس سیر حاصل مذاکرے کے بعد جناب امیر احمد خسرو کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔ مسرز امیر احمد خسرو، صلاح الدین نیر، رمیش اختر، صادق نوید، اکمل حیدرآبادی، عزیز بھارتی، احسن فرغ، اثر غوری، شفیع اقبال، منان منظور، قمرالدین صابری اور قدیر انصاری نے کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کی معتمد عمومی طمری ادب شفیع اقبال نے شکریہ ادا کیا۔

"تنہائیاں" کی رسمِ اجرائی

کوئی ادیب یا شاعر عصری مسائل سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ روحِ عصر کے بغیر کوئی فن پارہ درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ عباس متقی کی شاعری محض رومانی شاعری نہیں ہے ان کی غزلوں میں آج کے مسائل کا ادراک بھی پایا جاتا ہے ان خیالات کا اظہار مشہور ادیبہ محترمہ جیلانی بانو نے ڈاکٹر سید عباس متقی کے شعری مجموعہ "تنہائیاں" کی تقریب رونمائی کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں کیا۔ اردو سوسائٹی کے زیرِ اہتمام یہ تقریب ۲۹ نومبر ۶/۳۰ بجے شام اردو گھر مغل پورہ میں منعقد کی گئی مشہور ناول نگار محترمہ رفیعہ منظور الامین نے "تنہائیاں" کی رسم اجرائی انجام دی اور اپنی تقریر میں شاعری کو ایک مشکل فن قرار دیتے ہوئے اس فن میں متقی صاحب کی کامیابی پر مبارکباد پیش کی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے اپنے مخصوص دانشورانہ انداز میں "تنہائیاں" کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اور اپنے اس احساس کا اظہار کیا کہ ڈاکٹر عباس متقی کی شاعری رومانی شاعری ہے ان کا عشق پاکیزہ جذبات پر مبنی ہے اور پاکیزہ عشق بھی ایک تقویٰ ہے انہوں نے کہا کہ تنہائیاں محض عشقیہ شاعری نہیں ہے بلکہ اس میں عصری حسیت بھی موجود ہے موجودہ حالات سے شاعر متاثر ضرور ہے لیکن نا امید نہیں ہے تنہائیاں کے منتخب اشعار سے انہوں نے یہ بتایا کہ شاعر ملکی اور قومی مسائل سے ناآشنا نہیں ہے انہوں نے سرورق کی معنویت پر

بھی روشنی ڈالی اور شاعر کو اس شعری مجموعہ پر مبارک باد دی۔ ڈاکٹر علی احمد جلیل نے اپنی تقریر میں کہا کہ شاعری کے موجودہ دور میں جب کہ بے سمتی عام ہو رہی ہے عباس متقی نے قدیم آہنگ کو توسیعی رویہ کے ساتھ کلاسیکی انداز سے ہم کنار کیا ہے اور غزل کی خشت اول یعنی جمالیات اور رومانویت کو پروان چڑھایا ہے ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے ان کی نظر ہمیشہ زبان دھیان اور الفاظ کی درستگی پر رہتی ہے پروفیسر سراج الدین نے عباس متقی کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ عشقیہ شاعری ہے جو آج کی شاعری ہے جو آج کی سب سے شگفتہ شاعری ہے تاہم بلیک سنڈے' روشیاں وغیرہ جیسی نظمیں عصری حسیت کے تناظر میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسلوب کی روانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تنہائیاں میں بعض شعر گفتگو کے انداز کے ہیں۔ انہوں نے جان برلا ئیڈن کی نظموں کے حوالے سے عباس متقی کی نظموں میں جذبے کی شدت اور گہرائی کا مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر حبیب ضیاء صدر شعبہ اردو ویمنس کالج جامعہ عثمانیہ نے کہا کہ تسلیما کثیر ادکی رنگیں۔ اور مثنوی لزال السبحان کے بعد تنہائیاں ڈاکٹر عباس متقی کی چوتھی تصنیف ہے جو منظر عام پر آئی ہے انہوں نے مبارک باد دیتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ عباس متقی کو اپنا پی ایچ ڈی کا مقام جو ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے جلد از جلد منظر عام پر لے آنا چاہیے جناب ضیاء عرفان اور محمد نسیم الدین فریس نے ڈاکٹر عباس متقی کی شخصیت اور فن پر مضامین پڑھے۔ (سلسلہ ۳۵)

جناب صلاح الدین نیر نے کہا کہ کتابوں کی رسم اجراء سے کسی منصف کا نقصان نہیں ہوتا۔ رسم اجراء ایک خوشگوار تقریب ہوتی ہے جس میں شہر کے دانشور شاعر و ادیب اور باذوق سامعین اپنی شرکت سے مصنف کے لئے خوشنودی کا باعث بن جاتے ہیں۔

تنقید کے مثبت و منفی پہلو

"تنقید تخلیق کے بطن سے جنم لیتی ہے تنقید اور تخلیق میں ایک لازمی رشتہ ہے جہاں فن ہوگا۔ وہاں تنقید ہوگی۔ تنقید کے مثبت پہلوؤں سے انکار نہیں جہاں تک کے تنقید کے منفی پہلوؤں کی بات ہے ہر دور میں اچھی اور بری تنقیدیں بھی لکھی جا رہی ہیں۔ بری تنقیدوں کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تنقید میں دیانت داری نہیں کی جا رہی ہے تنقید کا دوسرا بڑا المیہ نقادوں کا ایسا گروہ ہے جو مصلحت پسند ہے ان کی تنقیدیں تنقید کے اصل منصب سے ہٹکر دوستی عقیدت اور رشتوں کی اسیر ہے ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے اپنے تمہیدی نوٹ میں کیا۔" تنقید کے مثبت و منفی پہلو" کے موضوع پر ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے ۲، ڈسمبر کی شام مکتبہ شاداب ریڈ ہلز میں ڈاکٹر موہن لال نگم سابق ڈائرکٹر سالار جنگ میوزیم کی صدارت میں مذاکرہ رکھا گیا تھا جس میں مسرز صلاح الدین نیر، رحمٰن جامی، رئیس اختر صادق نوید، کنہیا لال سنگھ ورما اور عزیز بھارتی نے حصہ لیا۔ ابتداء میں جنرل سیکریٹری ادارہ میرا شہر میرے لوگ جناب صلاح الدین نیر نے اپنی خیر مقدمی و تعارفی تقریر میں انجمن کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ادب کے مختلف موضوعات پر مذاکرات کے تسلسل نے ادبی محفلوں میں ایک خوشگوار ہلچل پیدا کردی ہے ادب کی زبان و تہذیب کے کئی مسائل زیر بحث لائے جا رہے ہیں۔ جو سرگرم عمل اداروں کے لئے ایک خوش آئند بات ہے جناب رئیس

اختر معتمد انجمن نے ادبی اجلاس و مشاعرہ کی کاروائی چلائی ڈاکٹر علی احمد جلیل نے مشاعرہ کی صدارت کی مذاکرہ کو آگے بڑھاتے ہوئے جناب رحمٰن جامی نے کہا کہ ہمارے ادب جہاں متوازن نقادوں نے اپنا پُر وقار اثر چھوڑا ہے وہیں کچھ پیشہ ور نقادوں نے تنقید کے وقار کو متاثر کیا ہے بغض عناد ذاتیات طرفداری اور دوست نوازی کے رویّے نے خود نقادوں کے وجود کو مشکوک بنا دیا ایسے غیر صحت مند نقاد آج بھی ہماری محفلوں میں موجود ہیں۔ جو اپنی ناقدانہ تحریروں سے ادبی فضا کو مکدر کرتے جا رہے ہیں۔ جناب صلاح الدین نیر نے کہا کہ ایک نقاد کے لئے دیانتداری اور اپنے منصب کی حرمت کو برقرار رکھتے ہوئے متبذبی رویہ کو غیر معاندانہ انداز میں بروئے کار لانا چاہئے آج کے دور میں پروفیسر احتشام حسین نقاد اور انتشاری نے تنقید کی پاکیزگی کو آلودہ کر دیا ہے کچھ کم سواد ادیب نقادوں کی صف میں جگہ بنانے کے لئے ادبی سطح سے گر کر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ ایک نقاد کے لئے دیانتداری اس کا اصلی وصف سمجھا جاتا ہے جناب رئیس اختر نے کئی ممتاز نقادوں کے حوالے سے محفل میں گرمی پیدا کرتے ہوئے کہا کہ بقول ایک انگریزی نقاد نقادوں میں نفرت کا جذبہ شدید ہوتا ہے ایمرسن جیسے مفکر کے حوالے سے کہا کہ جب کوئی شخص شعر گوئی میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ تنقید نگاری کا پیشہ اختیار کرتا ہے جناب رئیس اختر نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہمارے نقادوں نے مصلحت پسندی کو بھی اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا ہے:

جناب نہال سنگھ ورما نے کہا کہ ہمیں تخلیق کے ساتھ ساتھ تنقید کو بھی اہمیت دینی چاہئے یہ صحیح ہے کہ تخلیق کو اولیت حاصل ہے اگر نقاد دیانتدار ہو تو تنقید

کی اہمیت اور اس کی افادیت کی خوشبو کو شعر و ادب کے دامن میں پھیلا
دیتا ہے تخلیق کار کو یہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نقاد کیا کہتا ہے۔
اگر وہ اپنی تخلیق کا ناقد کی حیثیت سے جائزہ لیتا رہے تو وہ ایک اچھا
تخلیق کار ثابت ہو سکتا ہے جناب عزیز بھارتی نے کہا کہ ادب کی مختلف موضوعات
پر کھلے ذہن کے ساتھ کھلی فضاؤں میں گفتگو ہونی چاہیے تنگ نظری اور شعر
و ادب کے گھٹے گھٹے ماحول میں ادب ترقی نہیں کرسکتا ہم لکھتے رہیں گے نقاد
اپنی آسودگی کے لئے قلم اٹھاتا رہیگا۔ یہ سلسلہ برسوں سے چل رہا ہے چلتا رہے
گا۔ جناب صادق نوید نے ادب میں خود احتساب کو ترجیح دی جہاں تخلیق ہوگی
وہاں نقاد ہوگا ہی تخلیق کار اپنا کام کرتا رہیگا اور نقاد اپنا جہاں ایک متوازن
نقاد تخلیق کار کی اہمیت کو بڑھا دیتا ہے وہاں ایک دوسری قسم کا نقاد
تخفظ ذہنی کا شکار بن جاتا ہے شعر و ادب میں اہل قلم کی سرگرمیاں زبان و ادب کو
زندہ رکھتی ہیں۔ صدر جلسہ ڈاکٹر موہن لال نگم نے کہا کہ میرے پاس تخلیق کرتے
ہیں۔ کیوں نقادوں کی فکر کریں نقاد کو اپنی ذمہ داری سنبھالنے دیجئے یہ اور بات
ہے کہ کونسا نقاد کس انداز سے اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے میرے خیال میں ادب
کے لئے تخلیق و تنقید لازم جو بہ طرزوم اچھے ادب سے اچھے اثرات ہی مرتب
ہوتے ہیں۔ ہماری محفلوں میں اچھی اور مثبت سرگرمیوں کا اضافہ ہوا ہے ادب
میں جمود نہیں آنا چاہیے ہم اپنے قلم کے ذریعہ یہ احساس دلاتے رہیں گے کہ ہم
اپنی صلاحیتوں اور توانائی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں مشاعرہ میں ڈاکٹر علی احمد
جلیلی ڈاکٹر موہن لال نگم، رحمٰن جامی، رشید اختر، الکلی حیدرآبادی، پنچال
نکودرا، صلاح الدین نیئر، عزیز بھارتی، با بو طاہر محمد نے کلام سنایا۔

۳۳ کا شاعر اور نقاد دونوں کی اہمیت ہے اگر ہم اچھا ادب تخلیق

"صبحاتِ زہرہ" کی رسم رونمائی

منفرد لہجے کی شاعرہ اور اسکالر ڈاکٹر صبیحہ نسرین نگران اردو ویمنس کالج عثمانیہ یونیورسٹی کے شعری مجموعہ" صبحات زہرہ" کی رسم رونمائی تاریخی " دربار ہال" ویمنس کالج میں ۲ رڈسمبر کی شام پروفیسر ایم ملا ریڈی وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی نے طلبا اساتذہ اور اردو دوستوں نیز شعراء کے ایک نمائندہ اور خوشگوار اجتماع میں انجام دی۔ پروفیسر وی آر للیتا پرنسپل ویمنس کالج نے اس تقریب کی صدارت کی وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی نے اردو میں خطاب کیا اور اردو سے اپنی اولین اور دیرینہ رفاقت اور ابتدائی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان اور اس کلچر ہندوستانی تہذیب اور سیکولر روایات کا آئینہ دار ہے یہ ملک کی دوسری بڑی قومی زبان کہلانے کی مستحق ہے پروفیسر ملا ریڈی نے جامعہ عثمانیہ کے اردو ذریعہ تعلیم کو مثالی کارنامہ قرار دیتے ہوئے ہندوستانی زبانوں میں اردو ذریعہ تعلیم کے کامیاب طریقہ کار کو زبردست خراج ادا کیا اور کہا کہ ہماری یونیورسٹی کی تعریف گرودیو ٹیگور اور راج گوپال چاری جیسے نامی صاحبین نے کی اردو کے ادبی اور شعری سرمایہ کو ہندوستانی کلچر کا اثاثہ قرار دیتے ہیں۔ وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی نے ڈاکٹر صبیحہ نسرین کی شاعری کی شاعرانہ اور ان کی تدریسی صلاحیتوں کو زبردست خراج تحسین ادا کیا اور کہا کہ ان کی شاعری دونوں کو چھوتی ہے اور پاکیزہ خیالات کی راہ ہموار کرتی ہے اور جناب طیب پاشاہ صبیحہ نسرین کی نعت شریف اور پھر ان کی غزل دلنواز ترنم میں سنا کر داد پائی

"تسلیمات" کی رسم اجراء

افضل تسلیم کلاسیکی لہجے کی معتبر آواز، جسکی شاعری میں فکر و جذبہ اور لفظ و ہنگ کی وحدت و صداقت اپنے تمام احساسات کے ساتھ جلوہ افروز ہے افضل یلم اپنے جذبات و تجربات کا بہترین عکاس بھی ہے ان خیالات کا اظہار شہر کے مور فزیشن ڈاکٹر نفیسہ عبدالمنان نے کل شام مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ باغ عامہ بں اپنے صدارتی خطاب میں کیا۔ ممتاز شاعر افضل تسلیم کے مجموعہ کلام "تسلیمات" کی یم اجراء کی اس تقریب کا اہتمام شہر کی ادبی و تہذیبی اردو تنظیم "بزم جوہر" نے کیا تھا۔ "تسلیمات" کی رسم اجراء کی انجام دہی جناب حسن الدین احمد سابق صدر نشین قلیتی کمیشن نے افضل تسلیم کو سچے جذبات کے اظہار کا نقیب اور صاف و شاداب لہجے کا شاعر قرار دیا۔ جناب رئیس اختر نے کلیدی خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ مختلف ادبی و تہذیبی داروں اور انجمنوں کی جانب سے شاعر تسلیمات جناب افضل تسلیم کی کثرت سے گلپوشی کی گئی "بزم جوہر" کی جانب سے تمام مہمانوں، مقررین، صدر جلسہ و شاعر تسلیمات کی گلپوشی ڈاکٹر راہی نے انجام دی۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے افضل تسلیم کی شاعری کے مختلف گوشوں کو اپنی بصیرت افروزی سے اجاگر کیا اور تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ ان کی شاعری ان کے وسیع مطالعہ اور کلاسیکی آہنگ کی آئینہ دار ہے۔ الفاظ کے در و بست اور اظہار کی ندرت و قوت ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے ممتاز شاعر جناب صلاح الدین نیر نے افضل تسلیم کو آج کا صف اول کا شاعر قرار دیا۔ وزیر اوقاف و اردو اکیڈمی

جناب محمد علی شبیر نے اپنے خطاب میں جناب افضل تسلیم کی شعری صلاحیتوں کو اپنے طور پر آئینہ دکھایا اور اردو کے لئے کئے گئے حکومتی اقدامات کی وضاحت کرتے ہوئے اردو کی ترقی ترویج اور فروغ کے لئے خود اردو والوں کو بھی آگے آنے اور اپنے طور پر اردو کے فروغ کے لئے کام کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ اردو کے لئے صرف حکومت پر تکیہ کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ سرکاری سطح پر اسٹیج سے تقریری تیقنات ملتے رہیں گے مقررین وزراء اور حکومتی نمائندے آئیں گے اور چلے جائیں گے اردو کے مسائل جہاں ہیں وہیں رہ جائیں گے کتابیں چھپتی رہیں گی لیکن انہیں پڑھنے والا نہیں ہوگا۔ جلسے کے فوری بعد غیر طرحی مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ ممتاز شاعر جناب امیر احمد خسرو نے صدارت کی جناب سعید شہیدی اور ڈاکٹر علی احمد جلیل مہمانانِ خصوصی تھے۔ ابتداء میں اضلاع سے آئے ہوئے مہمان شاعر جمیل نظام آبادی، سلیم عابدی، عقیل اسد عادل رفیق جعفر انجم کا ڈاکٹر راہی نے خیر مقدم کیا اور گلپوشی کی محترمہ لینا ورما کے کلام سے مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ مہمان شعراء کے علاوہ مختلف طرز سخن کے معروف شعراء سرز ظفر فاروقی اشرف حیدری، احمد الدین، شمس، انور حیدرآبادی، محمود علی محمود، جوہر ہاشمی ڈاکٹر غیاث عارف، مسعود علی صدیقی، ابوالفاروق شعور، اثر غوری، افضل تسلیم صلاح الدین نیر، رئیس اختر، صادق نوید، ساغر حیدرآبادی، سعید شہیدی، علی احمد جلیل اور صدر مشاعرہ امیر احمد خسرو نے اپنے تازہ کلام سے خود داد و تحسین حاصل کی۔ جناب جمیل نظام آبادی نے شاعر تسلیمات جناب افضل تسلیم کے نظام آباد میں خیر مقدم کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر راہی نے جلسہ و مشاعرہ کی نظامت کی۔

Telephone : 229161
R. No. 37/979/84 Postal Regd. No H/HD593

MONTHLY SHADAAB HYD.

11-5-147, RED HILLS, HYD-A P.

Vol. 10 No. 12 DECEMBER 199